شاہِ حبشہ
خدمتِ نبوی میں
مصنف
ڈاکٹر ظہور احمد اظہر
ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور۔ کراچی ○ پاکستان

مصنف

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور - کراچی ٥ پاکستان

نام کتاب	شاہ حبشہ خدمت نبوی میں
مصنف	ڈاکٹر ظہور احمد اظہر
ناشر	محمد حفیظ البرکات شاہ
	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
سال اشاعت	اپریل 2013ء
تعداد	ایک ہزار
کمپیوٹر کوڈ	TK23
قیمت	-/250 روپے

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ 37221953 فیکس:۔ 042-37238010

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ 37247350۔ فیکس 042-37225085

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:۔ 021-32212011-32630411۔ فیکس:۔ 021-32210212

e-mail:- info@zia-ul-quran.com

Website:- www.ziaulquran.com

فہرست مضامین

انتساب

حضرت علامہ اقبال نے حضرت بلال حبشی اور حضرت نجاشی رضی اللہ عنہما کی دنیا براعظم افریقہ کو "بلالی دنیا" کے نام سے یاد کیا ہے، رنگ ونسل کے پجاری اسے کالوں کی سرزمین اور غلام پیدا کرنے والی کھیتی سمجھتے رہے ہیں، حالانکہ قوت وارادے اور اخلاص ووفاء میں یہ اولاد آدم اپنا جواب نہیں رکھتی، اس حقیقت کو سب سے پہلے پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہچانا اور اپنے پیغام اخوت ومساوات کے ذریعہ سب سے اسے منوایا، اس وقت اسلام لانے والی "بلالی دنیا" کے جن خوش نصیبوں نے اس پیغام حق سے آگاہی حاصل کی وہ اسلام کے شیدائی اور عشاقِ مصطفیٰ میں سب پر سبقت لے گئے، اگر یہ پیغام حق آج بھی افریقی انسان تک پہنچ جائے تو وہ بلالی دنیا کی تاریخ کو آج بھی دہرا سکتا ہے؟ یہ کتاب یہی حقیقت افریقی انسان تک پہنچانے کی ایک ادنیٰ سی کاوش ہے اور بلالی دنیا کی نذر ہے۔

مصنف

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تمہید

ہمارے بیشتر سیرت نگار اور مورخین یہی مانتے اور بتاتے آرہے ہیں کہ نجاشی ایک بادشاہ تھا جو حبشہ (آج کے ایتھوپیا) پر حکومت کرتا تھا، کچھ سابقین اولین اسلام مکہ سے ہجرت کر کے اس کے ہاں پناہ کی تلاش میں گئے تھے، اس نے انہیں پناہ دی، تحفظ کا سامان کیا اور مہمان داری کا حق ادا کر دیا اور بس! مگر بات صرف اتنی سی نہیں تھی! بلکہ بات تو بہت بڑی تھی! اتنی بڑی کہ شاید ہی اس کی بڑائی کا اندازہ کبھی کسی نے لگانے کی کوشش کی ہو! اگر کسی نے کبھی کوشش کی بھی تو دبی زبان سے اور بالکل سرسری سی!!

تاریخ نے تو انسانیت کے اکثر عظام و کرام کے ساتھ سرد مہری، بے انصافی، دل آزاری بلکہ کمینگی کا برتاؤ روا رکھا ہے، عظمت، شرافت، عزت اور احترام کے مستحق کتنے ہی انسان ہوں گے جنہوں نے انسانیت کی خدمت کی، سب کو سکھ دیا، کتنوں کو اذیتوں سے چھٹکارا دلایا اور خلق خدا کے احترام کو بھی بام عروج تک پہنچا دیا مگر مورخ کا بخیل اور بے خبر قلم ان بندگان حق سے کنی کترا کر گذر گیا اور تاج و تخت والوں کی خوشامد میں منہمک ہو گیا! یوں تاریخ نے انہیں گم کر دیا، آج یہ انکا نام و نشان تک بھی بتانے یا بتانے کے قابل ہی نہیں! تاریخ انہیں یوں ہضم کر چکی ہے جس طرح خاک نے کتنے ہی حسین و جمیل چہرے اور عظیم و محبوب انسانوں کو اپنے اندر چھپا لیا ہے حتیٰ کہ شاعر کو بھی کہنا پڑا کہ (۱):

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم!

تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کئے؟

تاریخ کی بے انصافی کی تو حد ہو گئی جب اس نے ایک ایسے عظیم و کریم انسان سے بھی بے رخی برتنے کا مکروہ فیصلہ کیا جو عہد نبوی کے عشاق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں سیدنا بلال حبشی اور اویس قرنی رضی اللہ عنہما کے ساتھ کھڑا ہے، عدل و انصاف اور تدبیر مملکت میں وہ حضرت عمر فاروق

اعظم رضی اللہ عنہ کا شبیہ و مثیل دکھائی دیتا ہے وہی جس نے اسلام، اہل اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنا تاج و تخت نچھاور کر کے دنیا کا پہلا مسلمان بادشاہ ہونے کا شرف پالیا! وہ حکمت و دانائی کا لقمان حکیم تھا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و محبت اور مخلصانہ عقیدت میں وہ بلال و اویس قرنی بھی تھا! وہ تھا تو حبشہ کا تخت نشین مگر اس کا دل ہمیشہ خاک حرمین میں رہتا تھا اور اس کی نگاہ ہمیشہ اسلام کی برتری اور بہتری پر مرکوز رہتی تھی! اس نے اپنا گھرانہ بھی نبی اور آل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لئے قربان کر دیا تھا مگر تاریخ پھر بھی اس کے ذکر کے لئے اپنی تنگ دامانی کی شاکی نظر آتی ہے! اسے اس کا جائز مقام دینے میں بھی بخل سے کام لیا ہے! آپ یقیناً مانیں گے کہ تاریخ نے حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بے انصافی کی ہے! صلیبیت و صیہونیت زدہ مستشرقین تو ہمیشہ انہیں حقارت کی نظر سے ہی دیکھتے ہوئے کنی کترا کر گزرتے رہے کہ اس نے ایک اتنی بڑی مسیحی سلطنت کے تاج و تخت کا مالک ہوتے ہوئے اپنے بھرے دربار میں علی الاعلان تصدیق کی تھی کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نبی منتظر اور سیدنا مسیح علیہ السلام کی بشارت کا صحیح مصداق ہیں مگر سوال یہ ہے کہ مسلمان محققین کے قلم کو کیا ہوا؟ نجاشی نے عواقب سے بے نیاز دولت ایمان سے سرشار بر سر عام وہ جرأت کی جس کی توفیق قیصر روم ہرقل کو تو نہ ہو سکی اور وہ احسان فراموشی اور ناشکری کا داغ اپنے چہرے پر لگوانے کے ساتھ ساتھ دولت ایمان سے بھی محروم گیا (۲)!

بات یوں ہے کہ طلوع اسلام کے مرحلے میں روم و ایران کی جنگ ہوسِ ملکگیری برپا تھی اور بحر و بر میں ایک فساد مچا ہوا تھا، ایرانی چونکہ آتش پرست اور مشرک تھے اس لئے قدرتی طور پر مشرکین قریش ان کے طرف دار تھے جبکہ رومی عیسائی اہل کتاب تھے اس لئے قدرتی طور پر مسلمانوں کی ہمدردیاں ان کے ساتھ تھیں، خسرو پرویز کی افواج قاہرہ نے رومنوں کو آبنائے باسفورس کے اس طرف قسطنطنیہ میں دھکیل دیا تھا جہاں قیصر روم خسرو پرویز کے پنجرے میں قید ہو کر ایرانی دار الحکومت کے کسی چوک میں پھانسی لگنے سے بچاؤ کی تدبیریں سوچ رہا تھا (۳)، قریش کے متکبر سردار خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے کہ

جس طرح اللہ والے مشرکوں اور رومن آتش پرستوں سے شکست کھا کر قصہ ماضی بننے والے ہیں اسی طرح توحید پر ایمان رکھنے والے مسلمان بھی بہت سے بتوں کے پجاریوں۔ کفار قریش۔ سے شکست کھا کر نشانِ عبرت بننے والے ہیں (۴)، ان کے خیال کے مطابق مکہ والوں اور آتش پرستوں کے لئے تاریخ اپنا فیصلہ دے چکی تھی جس پر صدیوں کے لئے حال اور مستقبل کو عمل پیرا ہونا پڑنا تھا! گویا اب کبھی رومن اٹھ سکیں گے نہ مسلمان کوئی کروٹ بدل سکیں گے (۵)! لیکن ایسے میں قدرتِ ربانی کا فیصلہ بھی آتا ہے، سورت روم کی ابتدائی آیات میں یہ پیشین گوئی فرما دی گئی کہ رومنوں کی شکست عارضی ہے وہ چند (تین سے نو) سال کے اندر اندر پھر اٹھیں گے اور ایرانیوں کو شکست فاش دے کر فیصلہ کن فتح حاصل کر لیں گے اور یہ وہی دن ہوگا جب ایک طرف نینوا (عراق) کے میدانِ جنگ میں خسرو پرویز کی عسکری طاقت کی کمر ٹوٹ جائے گی اور وہ اس شکست کے بعد کبھی نہیں اٹھے گا (بلکہ اپنے ہی بیٹے کے ہاتھوں قتل ہو جائے گا) اور دوسری طرف مسلمان بھی بدر کے میدان میں اپنی شاندار فتح کی خوشیاں منا رہے ہوں گے (۶)!

اسی ہولناک جنگی فضا میں مکہ سمیت مشرقِ وسطیٰ میں وحی ربانی کی اس غیر معمولی پیشین گوئی کا پرزور ردِعمل قدرتی بات تھی، قریش کے متکبر سردار اس کا تمسخر اڑاتے اور قہقہے لگاتے ہوئے اس پیشین گوئی کے پورا ہونے کو محال اور مجذوب کی بڑ قرار دیتے پھرتے تھے، متکبر پرویز نے بلادِ عرب سے حبشی و رومی اثرات ختم کر کے ان پر قبضہ کرنے اور عربوں کو اپنے آہنی پنجے میں لے لینے کا حکم صادر کر دیا تھا جبکہ شکست خوردہ ہرقل نے اس قرآنی پیشین گوئی بلکہ بشارت سے حوصلہ پایا اور واقعی چند سالوں میں یہ قرآنی پیشین گوئی حرف بہ حرف حقیقت بن کر سامنے آ گئی اور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی صداقت بھی سب کو معلوم ہو گئی اس وقت کے معاصر انسانوں نے یہ قرآنی چیلنج سنا بھی اور اسے معجزانہ حقیقت بنتے بھی دیکھ لیا تھا!

لیکن اب دیکھنا یہ ہے کہ اس پیشین گوئی کے حقیقت بننے کے بعد ان دو عیسائی

سلطنتوں کے معاصر شہنشاہوں کا ردعمل کیا تھا، حبشہ کا نجاشی بلادِ عرب میں پیش آنے والے واقعات کی پل پل کی خبر رکھنے، اسلام کی ارتقائی منازل پر نظر رکھنے، اور دلِ مصطفی ﷺ سے دل کا رابطہ رکھنے کی پابندی کر رہا تھا، اس کے سراغ رسانوں نے اسے میدان بدر میں معرکہ حق و باطل کی خبر دی تو سجدہ میں گر گیا، مسلمان بھائیوں کو بلا بھیجا، جب مسلمان مہاجرین حبشہ کے شاہی محل میں پہنچے تو حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ زاہدانہ لباس میں خاک پر بیٹھے تھے! پوچھا گیا: بادشاہ سلامت یہ کیا ہے؟ فرمایا: قدیم آسمانی صحیفوں میں یہ لکھا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کوئی انعام کرے تو انہیں شکر و تواضع کے ساتھ خاک پر سجدہ ریز ہو جانا چاہیے! آج ہم مسلمانوں پر بھی مولیٰ کریم نے انعام فرمایا ہے! رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کو اللہ تعالیٰ نے دشمنوں پر فتح و غلبہ عطا فرمایا ہے! بلادِ بنو ضمرہ کے آس پاس ایک وادی ہے جسے ''بدر'' کہتے ہیں، یہاں پر اراک اور سعدانہ کے پودے بکثرت ہوتے ہیں، میں اپنے دورِ غلامی میں یہاں پر اپنے ضمری آقا کے اونٹ اور بکریاں چرایا کرتا تھا! یہ جنگ یہیں پر ہوئی ہے جس میں دشمن کے بڑے بڑے بہادر اور سردار مارے گئے ہیں اور ہمارے آقا ﷺ کو فتح نصیب ہوئی ہے! آپ سب کو خوشخبری ہو، جاؤ اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہو جاؤ (7)!!

یہ تو وہ ردعمل ہے جو شاہِ حبشہ اصحم بن ابجر نجاشی رضی اللہ عنہ کا تھا، اب دیکھنا یہ ہے کہ اس قرآنی پیشین گوئی نے روم و ایران میں بھی ہلچل پیدا کر دی تھی، ہرقل امید لے کر اٹھا تھا اور یاس و ناامیدی کا شکار تھا مگر اس نے خسرو پرویز کو شکست دے دی تھی، اس پیشین گوئی کی صداقت اور حضرت محمد ﷺ کی کتاب اعجاز، قرآن مجید کا معجزہ حقیقت بن کر تمام دنیا کے سامنے آ گیا تھا، قیصر روم ہرقل کا اس بارے کیا ردعمل تھا؟! تاریخ بتاتی ہے کہ اس فتح کے بعد یروشلم میں ہرقل کا دربار سجا تھا، رسول اللہ ﷺ کا سفیر نامہ مبارک لے کر آ چکا تھا، ہرقل نے تمام ذرائع سے حتی کہ دشمن اسلام ابوسفیان سے بھی دین اسلام اور رسول اکرم ﷺ کی صداقت کے متعلق تسلی کر لی تھی اور اب وہ رسول عربی ﷺ کے اعتراف اور

تشکر کی طرف مائل دکھائی دے رہا تھا مگر اپنے پادریوں اور سرداروں کے تیور دیکھ کر لرز گیا (۸) اور احسان فراموشی اور ناشکری کے داغ کے ساتھ ایمان و اسلام کی دولت سے بھی دنیا سے محروم گیا!

اسی مرحلے میں اسی مضمون کا ایک نامہ مبارک نجاشی کو بھی ملا تھا جو اس کے جگری یار اور رسول اللہ ﷺ کے محب صادق حضرت عمرو بن امیہ ضمری (رضی اللہ عنہ) لے کر پہنچے تھے جو اس وقت ابھی اسلام کے حلقہ بگوش بھی نہیں ہوئے تھے، نجاشی نے بھرے دربار میں نامہ مبارک سر آنکھوں پر رکھا اور چوما پھر اس کا جواب لکھوایا (۹): (خط کا ترجمہ ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم کا ہے جسے ہم کسی تصرف کے بغیر انہی کے الفاظ میں تبرکاً پیش کرتے ہیں)

''بخدمت محمد رسول اللہ از طرف نجاشی اصحم بن ابجر، تجھ پر اے اللہ کے نبی سلام، اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں! اس اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور جس نے مجھے اسلام کی ہدایت دی۔ یا رسول اللہ آپ کا خط مجھے ملا جس میں حضرت عیسیٰ کا ذکر تھا۔ زمین اور آسمان کے مالک کی قسم کہ آپ کی بیان کردہ حقیقت سے بڑھکر حضرت عیسیٰ رتی بھر بھی زیادہ نہیں ہیں وہ ویسے ہی تھے جیسا آپ ﷺ نے فرمایا ہے۔ ہم نے آپ ﷺ کے فرستادوں سے تعارف حاصل کیا اور آپ ﷺ کے چچا زاد بھائی اور اس کے ساتھیوں کی مہمان داری کی۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے سچے اور تصدیق یاب رسول ہیں۔ میں نے آپ کے چچا زاد بھائی اور اس کے ساتھیوں کی بیعت کی اور اس کے دست مبارک پر خدا رب العالمین کے سامنے سر اطاعت خم کیا۔ میں نے آپ ﷺ کی خدمت میں اپنے بیٹے اریحا بن اصحم بن ابجر کو بھیجا ہے کیونکہ میں اپنی ذات کے سوا کسی کا مالک نہیں اگر آپ چاہیں کہ میں آپ ﷺ کے پاس آجاؤں تو آجاؤں گا کیونکہ میں اقرار کرتا ہوں کہ جو آپ ﷺ فرماتے ہیں وہ حق ہے۔ السلام علیک یا رسول اللہ!''۔

تو یہ تھا نجاشی شاہ حبشہ جسے مصطفیٰ ﷺ کی زبان پاک نے حکمران عادل اور اسلام دوست قرار دیا تھا، وہ جس نے اہل اسلام کو اس وقت اپنے سایہ عدل و عاطفت میں جگہ دی

جب ان کے لئے وادیٔ بطحا کی سرزمین بھی تنگ ہوگئی تھی اور اپنے بھی ان کے جانی دشمن بن گئے تھے! وہی شاہ حبشہ جس نے سرزمین حجاز کے قبیلہ بنوضمرہ کے غلام کی حیثیت سے بکریاں اور اونٹ چراتے ہوئے جزیرۂ عرب اور اہل عرب کو جانا اور ان کی زبان پر عبور حاصل کیا تھا، یہیں پر تو اس نے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو جانا، پہچانا اور مانا تھا! مقام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچاننے کے بعد ان کا گرویدہ، جاں نثار اور عاشق صادق بن گیا تھا، پھر جب قدرت نے اسے اپنے باپ کے تاج وتخت کا مالک بنایا تو اس نے شاہی میں فقیری کی اور صلہ یہ پایا کہ خدا نے اسے عشاق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں جگہ عطا فرمائی! وہی جس نے حبشہ کے تاج وتخت کو خاک پائے مصطفیٰ سے حقیر تر جانتے ہوئے قربان کر دیا جو نہ صرف خود صحابیٔ رسول ہونے کا شرف رکھتا ہے بلکہ اس کے تین بیٹے اور ایک چچازاد بھائی بھی صحبت نبوی کا شرف پاگئے حتیٰ کہ اس کا تیسرا اور سب سے چھوٹا بیٹا ابونیزر رضی اللہ عنہ، تو اپنے باپ کی جگہ خدمت نبوی سے بھی مشرف ہوا اور پھر اہل بیت کرام کی نوکری کی خاطر حبشہ کا تاج وتخت بھی ٹھکرا دیا جبکہ اس کا باپ دعوت حق کو لبیک کہہ کر دنیا کا پہلا مسلمان بادشاہ ہونے کا شرف پاگیا! میں یہ چند سطور اسی عاشق رسول، ورتا بدار فقیر حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ، کی نذر کرتا ہوں!!

30 ستمبر 2012ء　　　　ذرہ خاک پائے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

لاہور　　　　ظہور احمد اظہر

نجاشی کا حبشہ تاریخ وجغرافیہ کے آئینے میں

حضرت اصحم (۱) بن ابجر نجاشی، رضی اللہ عنہ، کی عظیم سلطنت، حبشہ سے ایتھوپیا تک مختلف ناموں سے مشہور ومتعارف رہی ہے، مؤرخین اور تذکرہ نگاروں میں سے مسلمان مؤرخین اور تذکرہ نگاروں کے ہاں تقریباً بالاجماع یہ ملک حبشہ کے نام سے ہی متعارف ومتداول رہا ہے مگر اہل مغرب کے ہاں اس کا یونانی نام ایتھوپیا (Ethiopia) مروج چلا آتا ہے، قدیم حبشہ، جسے ایک عربی عہد حکومت میں اکسوم (Aksum) کہا جاتا تھا اور (اب معاصر عرب دنیا بھی اسے اثیوبیا کہنے اور لکھنے لگی ہے) طلوع اسلام کے وقت دنیا کے ان چار پانچ ملکوں میں سے ایک تھا جو بلاد عرب کے قرب وجوار میں واقع ہیں اور کسی نہ کسی انداز میں ان سب کا جزیرہ عرب سے تعلق بھی رہا، تاثیر اور تاثر کا سلسلہ بھی رہا اور کسی نہ کسی رنگ میں ان میں سے بعض کا عربوں سے تصادم اور مداخلت کی صورتیں بھی پیدا ہوتی رہیں، اس وقت چند بڑے ممالک کا ہی بین الاقوامی سیاست کے اتار چڑھاؤ میں عمل دخل رہتا تھا، یہ ممالک بلاد عرب پر الگ تھلگ ریگستانی خطہ ہونے کے باوجود براہ راست کچھ نہ کچھ اثر بھی رکھتے تھے اور صحراء کے خانہ بدوش عربوں سے لاتعلق یا متاثر ہوئے بغیر بھی نہ رہ سکتے تھے، خصوصاً حبشہ کی مملکت جو اس وقت کی دو سپر طاقتوں روم وایران سے اثر ورسوخ کے لحاظ سے کم نہ تھی اور بلاد عرب خصوصاً، مکہ مکرمہ اور یمن میں اس کا براہ راست عمل دخل سب سے زیادہ اور تادیر رہا تھا (۲)!

حبشہ کا لفظ عربی الاصل ہے اور حَبَشت کی ترقی یافتہ شکل ہے (۳) جو قدیم یمن یا جنوبی عرب کے ایک قبیلہ کا نام بھی ہے، تاریخ کی صبح روشن سے، بہت پہلے اس قبیلہ کے لوگ بحیرہ قلزم کے رستے یمن سے نکل کر براعظم افریقہ کے مشرقی خطہ پر قابض ہو گئے تھے، انہوں نے اپنے دارالحکومت اور ملک کا نام اَکسُوم رکھا جہاں کئی صدیوں تک ان کی حکومت رہی،

یونانی وقائع نگار پوٹیلمی کی زمانہ قبلِ مسیح میں ایک اکسومی عرب سے ملاقات ہوئی تھی جس سے اس نے اس خطے کے متعلق معلومات حاصل کی تھیں، پوٹیلمی نے ہی اس خطے کو ایتھوپیا (Ethiopia) کا نام دیا تھا اور آج بھی فرنگی اسے اسی نام سے پکارتے ہیں۔ (۴)

وقتِ حاضر میں اکسوم کے زوال کے بعد سے اس خطے میں قائم ہونے والی چھوٹی بڑی مسلم ریاستوں کو بزورِ شمشیر یورپی صلیبیوں نے مٹایا اور نوے فیصد کی مسلم آبادی والی مملکت اریٹیریا (Eriteria) سمیت سب کو ایک مملکت میں ضم کر دیا ہے اور نام وہی پوٹیلمی والا ایتھوپیا ہی رکھا ہے، عرب بھی اسے اب ''اثیوبیا'' ہی کہتے اور لکھتے ہیں۔ مگر مسلمانوں کے لیے حبشہ حبشہ ہے اور حبشہ ہی رہے گا جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک سچے عاشق اور صحابی حضرت اصحم نجاشی نے حکومت کی اور جو مسلمانوں کے لیے ہجرت فی سبیل اللہ کی پہلی منزل اور پناہ گاہ بھی ہے، یمن کے عربوں نے بھی، پوٹیلمی سے صدیوں پہلے، اس کا نام حبشت ہی رکھا تھا جو ہوتے ہوتے عربی قاعدہ کے مطابق حبشہ بن گیا ہے (۵)!

سفید مغرب کے صلیبی سامراجی اسلامی مشرق میں اسلام کو شکست دے کر کوئی قابل ذکر عیسائی صلیبی سلطنت قائم کرنے میں تو گزشتہ ایک ہزار سال سے ناکام چلے آتے ہیں اور مکارانہ حیلوں بہانوں کے باوجود بھی لبنان کو اب تک عیسائی صلیبی ریاست نہیں بنا پائے (لیکن مسلم انڈونیشیا کے سینے میں مشرقی تیمور کے ایک حقیر سے جزیرے کو موقع پاتے ہی عیسائی صلیبی ریاست بنانے پر بغلیں بجا رہے ہیں!) اس لیے جن کالوں کو یہ گورے غلام بناتے نہیں تھکتے تھے انہی افریقی کالوں کی ایک قدیم ریاست حبشہ کو (جو کبھی یمنی عرب، کبھی مقامی مسلمانوں کی مختلف ریاستوں سے عبارت رہی ہے) ایک عیسائی صلیبی ریاست بنانے پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں اور بین الاقوامی دباؤ سے مسلم اریٹیریا کو بھی اس میں شامل کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں، اس طرح انہوں نے ایک زمین بند (Land locked) عیسائی ملک کو سمندر تک رسائی بھی دلا دی ہے مگر نصف کے قریب ایتھوپیا کی مسلم آبادی کو زیادہ دیر دبا کر بھی نہیں رکھ سکتے، طاقت سے تو کبھی بھی نہیں دبا سکتے!

حبشہ (جسے سفید صلیبی مغرب ایتھوپیا کہنے پر مصر ہے اور مسلمان اسے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پسندیدہ سرزمین اور اکسوم کے والی اصحم نجاشی کے نام کو زندہ رکھنے کے لیے حبشہ کہنے پر ہی ثابت قدم رہیں گے!) مختلف زمانوں میں متعدد ناموں سے پہچانا جاتا رہا ہے جیسے اکسوم، ایے سینیا، اُمبُرُ، نیگوسا، نگست اور یے ٹی او پیا (Yaityopia) وغیرہ، تاہم یمنی عرب اسے حبشت اور حبشہ ہی کہتے رہے ہیں (۲) اور آج بھی حبشہ ہی کہتے ہیں!

موجودہ ایتھوپیا اپنے محل وقوع کے اعتبار سے مشرقی افریقہ کا ایک ایسا وسیع وعریض ملک ہے جو شمال میں اٹھارہ عرض بلد اور مشرق میں 48 طول بلد پر واقع ہے، اس کے مغرب میں جمہوریہ سوڈان، جنوب میں کینیا، جنوب مشرق میں صومالیہ اور مشرق میں فرنچ صومالی لینڈ واقع ہے! اس کا رقبہ بشمول اریٹیریا سینتالیس ہزار آٹھ سو چھہتر مربع میل ہے، یہ علاقہ زیادہ تر سطح مرتفع ہے۔

حبشہ یا ایتھوپیا کی حدود مختلف زمانوں میں مختلف رہی ہیں اکسوم کی سلطنت یا ہمارے ممدوح نجاشی کا حبشہ وسیع تر حدود کا مالک تھا، جو لوگ عرب سے بحری راستہ سے حبشہ آتے جاتے تھے وہ شُعَیبَہ (موجودہ جدہ کے پاس!) سے بحیرہ احمر کے رستہ مُصَوَّع کی بندرگاہ پر آ کر اترتے تھے جو مسلم اریٹیریا کی بندرگاہ تھی اور جسے اب زبردستی ایتھوپیا کی بندرگاہ بنا دیا گیا ہے، قیاس یہی ہے کہ جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین شعیبہ سے بحری جہاز پر سوار ہوئے تھے وہ مُصَوَّع ہی جا کر اترے ہونگے اور پھر وہاں سے نجاشی کی راجدھانی اکسوم پہنچے ہوں گے!

قیصر روم کے اشارہ پر حبشہ کے جس نجاشی نے جنوبی عرب یعنی یمن میں براہ راست کئی بار فوج بھیج کر مداخلت کی تھی وہ حضرت اصحم بن ابجر نجاشی کا دادا یا پردادا ہو سکتا ہے، اسی مداخلت کے نتیجہ میں بالآخر یمن کا ظالم اور سنگدل یہودی بادشاہ ''ذو نواس'' جس نے نجران کے مؤمن مسیحیوں سے زبردستی مذہب چھڑانے کی کوشش میں انہیں زندہ جلا دینے جیسے جرم شنیع کا ارتکاب کیا تھا (۷)، اپنے کیفر کردار کو پہنچا تھا، اکسومی حبشی جرنیل نے اس کا سر قلم کر دیا تھا، پھر اس حبشی جرنیل کو بھی اَبرہہ نامی حبشی نے قتل کر دیا اور خود یمن پر قابض ہو گیا تھا،

ابرھہ نے قیصر روم کے اعتماد اور خوشنودی کے لیے یمن پر مسیحی پرچم لہرا دیا اور یمن میں قلس (کلیسا؟) کے نام سے پہلا عیسائی گرجا بھی تعمیر کیا، وہ حجاز پر بھی مسیحی پرچم لہرانا چاہتا تھا اس لیے اس نے حکم دیا تھا کہ تمام عرب، جنوبی اور شمالی، کعبہ کی جگہ ''قلس'' کو مانیں مگر کسی حجازی عرب نے ''قلس'' میں غلاظت کر دی تھی جس پر ابرھہ نے آگ بگولا ہو کر بیت اللہ کو تباہ کرنے اور حجاز کو بھی یمن کی مسیحی سلطنت کا حصہ بنانے کا عزم کیا اور ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا جس میں ہاتھی (فیل) بھی شامل تھے، اسی لیے اس کی فوج اصحاب الفیل (ہاتھی والے) کہلائی مگر قدرتِ خداوندی نے اس ہاتھی والے لشکر کو ابابیلوں کے ذریعہ تہس نہس کر دیا اور ابرھہ اپنے تکبر و غرور اور ہاتھی والے لشکر سمیت مکہ سے کچھ فاصلے پر نابود ہو گیا (۸)!

حبشہ کے نجاشیوں کا دارالسلطنت جو اکسوم کہلاتا تھا غالباً حضرت اصحم نجاشی کی وفات کے بعد (اور پہلے ان کے والد کے قتل اور چچا کی ناگہانی موت سے ہی) کمزور ہو چکا تھا، حبشہ کے پادریوں اور سرداروں کو یہ گوارا نہ ہوا تھا کہ اصحم نجاشی نے بھرے دربار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کی ہے اور اعلان کیا ہے کہ یہی نبی منتظر ہیں جن کی سیدنا مسیح علیہ السلام نے بشارت دی تھی (۹)، چنانچہ ان کے خلاف سرکشی اور بغاوت شروع ہو گئی، پہلی فوری بغاوت نے تو مہاجرینِ حبشہ کو بھی سخت پریشان کر دیا تھا اور وہ خود کو غیر محفوظ سمجھنے لگے تھے، مسلمان اصحم نجاشی کے لشکر میں براہِ راست تو شریک نہ ہو سکے (اور ہونا بھی نہیں چاہیے تھا) مگر دل و جان سے اس کی فتح کی آرزو کی اور دعائیں بھی مانگتے رہے، غالباً از راہ احتیاط حضرت زبیر بن العوام، جو سب سے کم عمر اور باہمت جواں مرد تھے، کو جنگ کی براہ راست خبر لانے کے لیے بھیج دیا تھا تا کہ بروقت صورت حال کا پتہ چل جائے اور احتیاطی تدابیر اختیار کی جا سکیں، حضرت زبیر خوشی خوشی دوڑتے ہوئے واپس آئے اور دور ہی سے فتح کا نشان بناتے ہوئے مسلمانوں کو خوشخبری سنائی! جس سے مسلمانوں کی خوشی و مسرت کی کوئی حد نہ رہی (۱۰)!

حضرت نجاشی بے حد ذہین اور مدبر حکمران تھے، انہوں نے ہوشیاری اور حکمت سے

کام لیتے ہوئے اپنے خلاف شورشوں اور بغاوتوں پر پوری طرح قابو پا لیا تھا، ان کی وفات کے بعد اہلِ حبشہ نے ان کے دانا وبینا فرزند حضرت ابو نیزر رضی اللہ عنہ کو حجاز سے واپس لانے کی کوشش کی تھی جو اس وقت اپنے والد کے حکم کے مطابق آل بیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شاداں وفرحاں اور خود کو دونوں جہانوں کی خوش نصیبی کا مالک سمجھتے تھے اس لیے انہوں نے تاج وتخت کی پیش کش کو ٹھکرا دیا، حالانکہ ان کے والد گرامی نے حبشیوں کی ایک ایسی ہی پیش کش قبول کر لی تھی جب وہ انہیں حجاز کے بنوضمرہ کی غلامی سے آزاد کرا کر اپنا بادشاہ بنانے کے لیے لینے آئے تھے (۱۱)! شاید اس لیے کہ شہزادہ اصحم بن ابجر کی سعادتمندی کا یہی تقاضا تھا کہ وہ جلد از جلد حبشہ کے شاہی تخت پر متمکن ہوں اور اسلام، اہلِ اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشیوں کا باعث بنیں اور بے مثال خدمات انجام دے کر اپنا دین اور دنیا دونوں سنوار لیں! شہزادہ اصحم نجاشی واقعی عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور نصرتِ اسلام کی سعادت سمیٹ کر امر ہو گئے ہیں۔

ان حبشی بادشاہوں کے زمانوں میں مملکتِ حبشہ کی حدود گھٹتی بڑھتی اور پھیلتی سمٹتی رہیں، عہدِ نبوی میں بلکہ اس سے بھی بہت پہلے، اکسوم کے پایہ تخت پر متمکن حبشہ کا شاہی خانوادہ نجاشی کہلاتا تھا، نجاشی کے لفظی معنی حکمران اور بادشاہ کے ہیں، ہمارے ممدوح ومحبوب حضرت اصحم نجاشی کا تعلق بھی اسی شاہی خانوادہ سے ہے اور ہم جس حبشہ کی بات کر رہے ہیں وہ بھی اسی نجاشی اصحم بن ابجر کا حبشہ ہے۔

ظہورِ اسلام سے پہلے یمن ایک مدت تک یہودی بادشاہت کے قبضے میں رہا تھا، جب جنوبی عرب (یمن) اور شمالی عرب (نجد وحجاز) میں عیسائیت پھیلنے لگی تو یمن کے اس یہودی بادشاہ (ذونواس) نے دینِ مسیح کو ایک قسم کی گمراہ یہودیت تصور کرتے ہوئے اس کا رستہ روکنا چاہا مگر ناکام رہا، نجران کے مسیحی اہلِ ایمان کو اس نے جبراً عیسائیت چھوڑنے کا حکم دیا مگر جب وہ ڈٹ گئے تو خندقوں میں آگ دہکا کر مسیحیوں کو زندہ جلا دیا، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اس ظلم کو مسترد کرتے ہوئے مومن مسیحی شہداء کے لیے اجر کا وعدہ کیا

ہے (۱۲) اس یہودی ظلم کے خلاف کوئی عیسائی فریادی جب رومن بادشاہ سے مدد کے لیے پہنچا تو اس نے دوری کا بہانہ کرتے ہوئے اکسوم کے نجاشیوں کو مشرقی مسیحیت کی سرپرستی اور تحفظ کے لیے کہا، یہاں سے یمن پر حبشی افواج کے حملے شروع ہوتے ہیں اور بالآخر ظالم یہودی بادشاہ ذونواس قتل ہوجاتا ہے اور یمن پر حبشی قبضہ ہوجاتا ہے، یمن کے حبشی وائسرائے ابرھہ نے یمن وحجاز پر عیسائیت کے جھنڈے گاڑنے کا فیصلہ کیا جس کے نتیجہ میں اصحاب الفیل کا واقعہ پیش آیا، جیسے کہ ذکر ہوا، اندازہ یہ ہے کہ جس نجاشی بادشاہ کی فوج نے ذونواس یہودی بادشاہ کو قتل کیا تھا وہ ہمارے ممدوح نجاشی کا دادا یا پڑدادا ہوسکتا ہے، بہرحال یوں بلادِعرب میں حبشہ کے نجاشی بادشاہوں کا براہِ راست عمل دخل شروع ہوا، ایرانی رومنوں کے دشمن تھے اس لیے رومنوں کے دوست نجاشیوں کا یمن پر قابض ہونا ایرانیوں کے لیے ایک چیلنج تھا! اس حبشی عمل دخل سے اہلِ مکہ کے حبشہ سے تعلقات بھی استوار ہوگئے تھے اور قریشی تاجر یمن اور شام کی طرح تجارتی قافلے لے کر حبشہ بھی (۱۳) جانے لگے تھے! کتب سیرت وتاریخ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پردادا حضرت ہاشم بن عبد مناف نے قیصر روم سے شاہِ حبشہ کے نام تجارت کے لیے ایک خصوصی خط بھی حاصل کیا تھا، حضرت عبد المطلب کا یمن شام کی طرح تجارت کی غرض سے حبشہ جانا بھی ثابت ہے۔ بہرحال کہنے کی بات یہ ہے کہ حضرت نجاشی کی وفات کے بعد تختِ اکسوم کا زوال شروع ہوگیا تھا (۱۴)

حضرت اصحم بن ابجر نجاشی کا حبشہ رسول اللہ ﷺ کی نظر میں بھی بہت محترم اور عزیز تھا، محمد بن سعد صاحب الطبقات الکبریٰ کا یہ قول کئی ایک دیگر مورخین اور سیرت نگاروں نے بھی نقل کیا ہے کہ (۱۵):

وَكَانَتِ (الحبشة) اَحَبُّ اِلَيهِ (ﷺ) اَنْ يُهَاجِرَ قِبَلَهَا

''یعنی سرزمینِ حبشہ رسول اللہ ﷺ کو بہت پسند تھی اور اس کی طرف ہجرت کرنا چاہتے تھے''۔

ابن سعد کے الفاظ اَنْ یُھَاجِرَ قِبَلَھَا بہت معنی خیز ہیں، قبل کے معنی یہ نہیں ہیں کہ صرف حبشہ ہی مقصود ہجرت تھا بلکہ اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ براعظم افریقہ بھی آپ کو پسند تھا، آپ افریقہ کے مظلوم و مقہور، جہالت و پسماندگی کا شکار اور سب سے بڑھ کر غلامی کی عالمی منڈی کا مال مفت بنے ہوئے، قوت و بہادری اور اطاعت و فاداری کے ساتھ ثابت قدمی اور حوصلہ مندی میں بھی لاجواب افریقیوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت پیار تھا، افریقی یا کالا ہونا گویا غلام ہونے کے مترادف تھا! یہ تھے تو، اور ہیں بھی، اولادِ آدم مگر کوئی بھی انہیں انسان سمجھنے کے لیے تیار نہ تھا! یہ سب کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، روم و ایران اور چین و ہند میں حبشی غلاموں اور کالے انسانوں کے ساتھ جو کچھ ہوتا تھا وہ اس زمانے کے دوسرے لوگوں کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بار ہا سنا تھا (۱۶)!

جو کچھ بلال کے ساتھ ہوتا تھا، آل یاسر کو جن مظالم کا سامنا تھا، مکہ کے مغرور و متکبر سردار جو سلوک حبشیوں کے ساتھ کرتے تھے وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاہدہ میں تھا لیکن جو وفا، جو ثابت قدمی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آل یاسر اور بلال میں دیکھی، جو خدمت اور اطاعت شعاری مکہ کے حبشیوں میں نظر آئی وہ اس شفقت، رحمت اور محبت سے کم نہ تھی جو آپ کو سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا سے نصیب ہوئی تھی یا، اپنی حبشی رضاعی ماں حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا سے میسر آئی تھی، اس لیے داعی عدل و مساوات کو یوں لگا تھا کہ رنگ و نسل کا امتیاز شیطانی سبق ہے، اس لیے سب کے ساتھ عدل و انصاف اور سب کو ایک دوسرے کے برابر ہونا چاہیے! اللہ کی طرف سے بھی یہی پیغام ملا تھا (۱۷) اور پھر عدل و مساوات کی دعوت نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت حق کا جوہر بھی قرار پایا! اس عدل و مساوات کی دعوت میں جو کشش ستم رسیدہ اور پسے ہوئے حبشیوں نے محسوس کی تھی وہ اس انقلاب کی نوید تھی جو رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم دنیائے انسانیت میں لانا چاہتے تھے اور لا کر کے بھی دنیا کو دکھا دیا!

اس زمانے سے ان کالے دراوڑوں کے ساتھ ہندو برہمن بھی یہی سلوک روا رکھے ہوئے تھا (اور آج بھی روا رکھے ہوئے ہے!؟) کام اور خدمت ہر قسم کی تو اچھوت

(کالے دراوڑ جو آریاؤں سے بھی پہلے اس سرزمین کے اصل مالک اور فرزند تھے) سے لو مگر سلوک اس سے جانوروں سے بھی بدتر کرو، اس لیے کہ وہ کالا ہے جبکہ آریا گورے چٹے ہیں، دراوڑ بے بس اور بے کس ہیں جبکہ برہمن کے پاس اقتدار ہے، طاقت ہے!! ایرانی شہنشاہیت اور آتشکدوں کے مغوں نے بھی ان کالے غلاموں کی دنیا تاریک بنا رکھی تھی، محنت مشقت ان بے زبانوں کا کام تھا مگر بھوک پیاس سے ہمیشہ نڈھال رہنا بھی گویا ان کا مقدر تھا مگر روم کے سفید مستکبرین کے ہاں تو یہ کالے غلام جو افریقہ سے مفت میں پکڑ کر لائے جاتے تھے ان کی حالت تو سب سے زیادہ المناک اور بدترین تھی! بھوکے شیروں اور حبشی غلاموں کی لڑائی کا تماشا بھی دیکھا جاتا تھا! رومن بحری جہازوں کا ایندھن بھی یہی کالے حبشی غلام تھے! ایک دفعہ بینڈ کا ڈھول بجانے والے حبشی غلام کے ہاتھ سے ڈھول بجانے والی سٹک یا لکڑی گر گئی تو رومن بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کے ہاتھوں کے دونوں پنجے کاٹ دیئے جائیں تا کہ آئندہ لکڑی پکڑنے یا گرنے کی نوبت ہی نہ آئے! وہ اپنے ٹنڈ یا کٹے ہوئے بازوؤں سے ہی ڈھول بجایا کرے گا! (۱۸) اس دور میں کالے غلاموں پر اسی قسم کے ہولناک مظالم اور شرمناک سلوک اس وقت کے انسانوں کی زبان پر تھا! اس کا شکار یہی افریقہ کے کالے فرزندانِ آدم تھے، یہ تمام باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہرگز مخفی نہ تھیں اور اس ظلم کا ازالہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ہی تھی (۱۹)۔

کیا عجب کہ سرزمین حبشہ سے محبت اور ہجرت کر کے وہاں جانے کی آرزو کا اصل سبب ہی افریقہ کی مقہور و مظلوم انسانیت ہو جسے اقبال "بلالی دنیا" کہتے ہیں ان سب کالوں کو حضرت بلال و اسامہ بن زید کی صف میں کھڑا کرنا مقصود ہو مگر قدرتِ خداوندی کو کچھ اور ہی منظور تھا! مشیتِ ایزدی یہ دکھانا چاہتی تھی کہ پیغمبر عدل و مساوات اپنی سگی پھوپھی کی بیٹی کا نکاح ایک آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ سے کس طرح کرتے ہیں! فتح مکہ کے دن کعبہ کی چھت پر چڑھنے کا شرف کسی ہاشمی کو بخشا جاتا ہے یا بلال حبشی کو!! محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بیت المال کا امین علی مرتضیٰ کو بناتے ہیں یا یہ شرف بھی بلال حبشی کو نصیب ہوتا ہے! اپنی

وفات سے پہلے آخری لشکر اسلام کو جہاد پر بھی روانہ کرتے ہوئے قائد اور سپہ سالار کسی قریشی یا انصاری بڑے کو بنایا جاتا ہے یا ایک حبشی زادہ اسامہ بن زید کو یہ شرف بخشا جاتا ہے!! تا کہ نظری اور عملی طور پر اسلامی عدل و مساوات ایک روشن حقیقت بن کر دنیا کے سامنے آجائے اور صبر و ہمت کے پہاڑ اور قوت و طاقت کے فولاد مگر اطاعت و وفا کے خوگر کالے افریقی انسان تک کوئی خوش قسمت مبلغ یہ سب کچھ پہنچا دے اور اسے اس کردار کا احساس دلا دے جو ہزاروں سال سے آدم کے اس کالے فرزند کے انتظار میں ہے مگر اسلام کے زیور سے سج دھج کر!

غالباً اسی لیے اصحم نجاشی کے حبشہ کو نظر میں رکھتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو حکم دیا تھا کہ اُتْرُکُوا الْحَبَشَۃَ مَا تَرَکُوکُمْ یعنی کالوں کو مت چھیڑنا جب تک وہ تمہیں نہ چھیڑیں! یہ حدیث پاک تو ابوداؤد اور مسند احمد کی ہے، مگر امام نسائی اور امام ابوداؤد دونوں نے اس حدیث کو یوں بھی روایت کیا ہے (۲۰):

دَعُوا الْحَبَشَۃَ مَا وَدَعُوکُمْ وَاتْرُکُوا الْاَتْرَاکَ مَا تَرَکُوکُمْ

''یعنی جب تک حبشہ والے تمہیں کچھ نہ کہیں اس وقت تک تم بھی انہیں کچھ مت کہنا اور جب تک تم سے تُرک تعرض نہ کریں تم بھی ان کے درپے نہ ہونا!''

مسلمانوں نے اپنے پیغمبر ﷺ کے اس حکم پر حرف بحرف عمل کیا ہے حبشہ پر تو کبھی کسی مسلمان فاتح نے چڑھائی کی ہی نہیں مسلم افواج و مجاہدین نے تو حتی الامکان افریقی کالوں پر بھی کبھی حملہ نہیں کیا! افریقہ میں آج جہاں جہاں اسلام ہے وہ سب مسلمان تاجروں اور مبلغین کی کوششوں کا ثمر ہے! اس لیے اگر میں یہ کہوں تو غلط نہ ہوگا کہ حبشہ کے لیے رسول اللہ ﷺ کی محبت اصل میں تمام براعظم افریقہ کے لیے تھی اور یہ کہ سرکار ﷺ نے گورے اور کالے کی تفریق کو حرام قرار دیا ہے تو اس سے بھی پورے افریقہ کے کالے فرزندانِ آدم کی شان کو بلند کرنا مقصود تھا! آپ ﷺ نے حضرت بلال کو جو ہمیشہ مقدم رکھا اور بلال کے اخلاق اس کا تقاضہ بھی کرتے تھے تو یہ صرف اس لیے تھا کہ ہمیں

حضرت محمد ﷺ کا پیغام عدل و مساوات ہر حال میں ''بلالی دنیا'' تک پہنچانا ہے اور جس دن بلالی دنیا نے ہوش میں آکر اسلام کے پیغام کو سمجھ لیا اور قبول کر لیا تو اسی دن افریقی انسان کے ساتھ ساتھ دین حق اسلام کی بھی نئی صبح طلوع ہو جائے گی (۲۱)!!

رسول اللہ ﷺ نے یہاں ترکوں کے حوالے سے بھی ایک پیغام دیا ہے، اس پر بھی ہمیں غور کرنا چاہیے! بڑی مدت تک یورپ کے سفید صلیبی سامراجی اس کوشش میں رہے کہ ہمیشہ یورپ کو اپنی یلغاروں کا نشانہ بنانے والے ترک اور منگول کسی طرح بغداد کی عباسی خلافت کی اینٹ سے اینٹ بجانے اور عالم اسلام کو تاخت و تاراج کرنے کے لیے بھی حملہ آور ہوں مگر ترک ہمیشہ ہی سے کنی کتراتے رہے لیکن جب خوارزم شاہ نے چنگیز خان کی نسل کو خواہ مخواہ چھیڑا تو عالم اسلام پر تاریخ کی بدترین فوجی یلغار شروع ہوئی، ہر گھر میں، ہر کوچے اور ہر میدان میں کشتوں کے پشتے اور سروں کے ڈھیر لگ گئے اور دارالاسلام بغداد کی بھی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی (۲۲) دجلہ و فرات خون سے سرخ ہو گئے اور جو کتب خانے ویران ہوئے اور کتابیں دریاؤں کی نذر ہو گئیں ان کی سیاہی سے دجلہ و فرات کے پانی سالوں تک سیاہ ہو کر جہالت و بربریت کا ماتم کرتے رہے، قریب تھا کہ یہ تاتاری یلغار قدس و حرمین تک جا پہنچے مگر بھلا ہو مصر کے خاندانِ غلاماں کے ایک بہادر بادشاہ مظفر قُطز کی جواں مردی اور مصری افواج کی جاں سپاری کا کہ فلسطین کے مقام ''عین جالوت'' کے تاریخ ساز معرکے نے تاریخ کا رخ ہی بدل کر رکھ دیا! تاتاریوں کو وہ ذلت آمیز شکست ہوئی جس میں ان کا سپہ سالار شمشیر اسلام کی دھار کے سامنے آکر گردن کٹا گیا (۲۳)! تاتاری طوفان کا صرف رخ ہی نہیں مڑا پشت اور کمر بھی دہری ہو گئی! پھر تاریخ نے اسلام کا زندہ معجزہ دیکھا! آج تک کسی فاتح نے کسی بھی مفتوح و محکوم قوم کی ثقافت اور عقیدہ کو گلے سے نہیں لگایا تھا مگر بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے والے ہلاکو خان کا پوتا بادشاہ غازان خان اسلام کا حلقہ بگوش ہو گیا اور مشہور امریکی مستشرق پی۔ کے ہٹی (PK Hitti) کو بھی ماننا پڑا کہ غازان خان کا قبول اسلام اس دین حق کی شاندار فتح (It was Dazzling

victory of Islam) تھی (۲۴)!

"پھر تاریخ ایک اور موڑ مڑتی ہے اور اقبال کے الفاظ میں "کعبہ کو صنم خانہ سے پاسبان" مل جاتے ہیں، اسی غازان خان کی نسل، عثمانی ترکوں کے رنگ میں سامنے آتی ہے اور خلافتِ عثمانیہ نہ صرف یہ کہ سفید مغربی صلیبی سامراجیوں کی راہ میں سدسکندری بن جاتی ہے اور چار سو سال تک انہیں اسلامی مشرق کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے کا موقع بھی نہیں دیتی بلکہ مشرقی اور مغربی یورپ کی بنیادیں بھی ہلا کر رکھ دیتی ہے! لگتا ہے تاریخ ایک بار پھر کروٹ بدلنے والی ہے! یورپ کے صلیبیوں اور ان کے گماشتے یہودیوں نے اپنے ایجنٹ اتاترک کو نام نہاد سیکولرازم کی تلوار تھما کر خلافت عثمانیہ کا گلا تو کٹوا دیا اور یہ کہہ کر کہ سیکولرازم کا مطلب ہے لادینیت اس لیے ترکوں کو زبردستی ملحد بنانا اور ان سے اسلام چھڑوانا بھی ضروری ہے، چنانچہ اتاترک صاحب نے تلوار اور ڈنڈے کے زور سے اپنا "سیکولرازم" نافذ کیا مگر باوجود اس کے کہ سو سال سے مسجدوں کو تالے لگے ہوئے تھے، ترک مسلمان خواتین کو سرِ راہ بے ننگا کر کے انہیں سیکولرازم سے "مشرف کیا گیا" علمائے دین کو چن چن کر تہ تیغ کیا گیا (۲۵) مگر باوجود براعظم یورپ کا حصہ ہونے کے، سو سال سے نام نہاد سیکولرازم کا لباس پہننے کے اور بار بار درخواست کے بھی "سیکولر ترکی" کو یورپی یونین کا رکن نہیں بنایا گیا کیونکہ یہ سیکولر ترکی بھی اسلام زدہ ہے! یہی نہیں ٹونی بلیئر جیسے سفید مغرب کے سیکولر مگر اندر سے متعصب صلیبی نے بوسنیا، کوسوفو اور البانیا کی نوے فیصد مسلم آبادی والے ملکوں کا یورپ میں اسلامی تشخص اور وجود برداشت نہیں کیا! یہی وہ صلیبی لٹیرے ہیں جو عالمِ اسلام کو نابود کر کے "سیکولرازم کا طوق" اس کے گلے میں ڈالنا چاہتے ہیں! یہی وہ "انصاف پسند سیکولر" متعصب صلیبی ہیں جو سو سال سے کشمیریوں اور فلسطینیوں کا حقِ آزادی تو نہیں مان رہے مگر جنوبی سوڈان اور ایک حقیر سے جزیرہ "مشرقی تیمور" کو اسلام سے چھین کر "آزاد عیسائی مشرقی تیمور" دنوں میں بنا دیا ہے اور یہی وہ متعصب مغربی سامراجی ہیں جنہوں نے اکیسویں صدی میں بھی نوے فیصد مسلم آبادی والے اریٹیریا کو زبردستی ایتھوپیا

میں شامل کر کے مشرق کی سب سے بڑی عیسائی سلطنت ''ایتھوپیا'' بنادی ہے اور اس کے پہرے دار بن کر کھڑے ہو گئے ہیں!!

اسلام کی مارشل اقوام (سپاہیانہ فطرت اقوام) میں ہمارے ترک بھائی سرفہرست ہیں، اسلام جس مجاہدانہ روح، جدوجہد اور سپاہیانہ زندگی کا علمبردار ہے وہ ترک قوم کی فطرت کے عین مطابق ہے اس لیے اب ترک اسلام کے بغیر رہ سکتے ہیں اور نہ اسلام ترکوں کے دل سے نکل سکتا ہے! یہ ایک روشن تاریخی حقیقت ہے جسے سب اچھی طرح جانتے ہیں! ترک قوم کی یہی خصوصیت، یہی اصل اور یہی جوہر تھا جسے نگاہِ مصطفیٰ ﷺ دیکھ رہی تھی جب آپ فرما رہے تھے کہ مسلمان کو ترکوں سے کبھی عناد یا مخاصمت نہیں رکھنا چاہیے! ابھی آگے آگے دیکھتے جایئے عثمانی ترکوں کے وارث یہ ترک کیا کیا کرنے والے ہیں!

اسی طرح جب امتِ مسلمہ کو حبشہ اور اہلِ حبشہ سے مخاصمت یا چھیڑ چھاڑ سے آپ ﷺ منع فرما رہے تھے تو اس میں بھی صرف اصحم نجاشی کی محبت اور احترام ہی کارفرما نہیں تھا بلکہ اس میں بھی رسول اللہ ﷺ کی وہ قدر شناسی، وہ فطری جوہر اور اصل خاصیت سے آگاہی بھی کارفرما تھی جو آپ ﷺ کو ''بلالی دنیا'' میں نظر آئی تھی! وہ ایک پورا براعظم جس کو گوروں اور مستوروں نے غلام پیدا کرنے کی کھیتی سمجھ لیا تھا! افریقی غلاموں سے لدے پھندے بحری جہاز کبھی روما، کبھی لندن اور کبھی واشنگٹن کی گوری منزلوں کی طرف رواں دواں تھے، گورے تو گورے تھے مگر ایران اور ہند کے مستورے، مُغ اور برہمن۔ بھی کالی نسل اور حبشیوں کو پاؤں کی مٹی تصور کرتے تھے! آدم کے کالے فرزند ہر جگہ ظلم کی چکی میں پستے ہوئے نظر آئے اور ان کے جوہر، وفاداری، بہادری، ایمانداری، قوت اور سخت کوشی۔ پر صرف مصطفیٰ ﷺ کی نگاہِ پاک تھی جو یہ دیکھ رہی تھی کہ اگر افریقی صحراء کی تپتی ہوئی ریت کے جھلسے ہوئے فرزندانِ آدم کو ہوش آ گیا، علم و ہنر سے آراستگی نصیب ہو گئی اور اس کے جوہر کو اسلام کے طفیل اپنا آپ دکھانے کا موقع مل گیا تو اس میں جہاں بلال، نجاشی اور محمد علی کلے بھی پوشیدہ ہیں وہاں ان میں کولن پاول اور اوباما بھی پوشیدہ ہیں! اسی لیے تو

زبانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتی ہے کہ گورے اور کالے کی تفریق حرام ہے، سب کے سب ایک آدم کی اولاد ہیں (اور اب تو سائنس نے بھی جینز (Genes) کی دریافت کے بعد رنگ ونسل کی تفریق کو حرف غلط کی طرح مٹا کر رکھ دیا ہے) اس لیے افریقی انسان، بلالی دنیا کا انسان، اب ہوش میں آ چکا ہے اور دنیا میں عدل ومساوات کا قیام اسی کے ہاتھوں انجام پانے والا ہے! اور اسے نگاہِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ہی دیکھ چکی ہے!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت ومحبت صرف حضرت نجاشی اور ان کے حبشہ تک محدود نہیں تھی بلکہ یہ پوری بلالی دنیا یعنی پورے براعظم افریقہ کو احاطہ کیے ہوئے تھی! آپ کو کالے رنگ کے مظلوم ومقہور فرزند آدم افریقی انسان سے بے اندازہ ہمدردی اور بے پناہ محبت تھی! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں یہ محبت حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کے پیار سے بھی پیدا ہوئی! مکہ کے ستائے ہوئے پسے ہوئے حبشیوں سے بھی ملی! یہ کالے انسان تو جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں اترے ہوئے تھے یہی نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کالوں کو اپنے دل میں بسائے ہوئے تھے! یوں لگتا تھا جیسے ہر حبشی یہ آرزو رکھتا تھا کہ وہ رسول عدل مساوات پر قربان ہو جائے! حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو عربی زبان اچھی طرح نہیں آتی تھی مگر چاہتے تھے کہ وہ بھی حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شعر میں مدح کریں! ایک دن حسان سے بلال نے کہا: پیارے بھائی میں نے اپنی زبان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں ایک شعر کہا ہے آپ اسے ہی عربی میں کر دیجئے (۲۶)

آرِہ بَرِّہ کَنۡکَرَا کَرَا کَرِیۡ مَنۡ تِنۡدَرَا

اور حضرت حسان نے اسے یوں عربی میں ڈھالا تھا:

إِذَا الْمَكَارِمُ فِيْ آفَاقِنَا ذُكِرَتْ فَبِكَ فِيْنَا يُضْرَبُ الْمَثَلُ

یعنی ہماری دنیا میں جب بلند اخلاق کا ذکر آتا ہے تو پھر ہمارے ہاں آپ ہی کے مکارمِ اخلاق ضرب المثل اور نمونے کا کام دیتے ہیں (یہ دونوں شعر میں نے دمشق کے قبرستان الباب الصغیر میں حضرت بلال کے مزار پر لکھے دیکھے تھے!)

لگتا ہے حضرت نجاشی نے حبشہ کا تخت سنبھالتے ہی اپنے خاص حلقے میں نبی منتظر کے ظہور کے چرچے شروع کر دیئے تھے، چنانچہ مکی عہد نبوت میں حبشہ کا ایک وفد مکہ آیا تھا اور اسے تصدیق ہو گئی تھی کہ تورات وانجیل میں مذکور نبی منتظر کی تمام علامات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ میں موجود ہیں، وفد جب مطمئن ہو کر واپس ہونے لگا تھا تو فرعون قریش ابوجہل لعین سامنے آ گیا اور لگا لعن طعن کرنے کہ تم کیسے بدبخت ہو کہ اس قدر جلدی مطمئن ہو کر حبشہ لوٹنے لگے ہو؟ تو وفد کے لیڈر نے جواب دیا تھا: بھئی اگر تیرے کان بند ہیں اور تو اندھا ہے تو ہم تجھے کیا دکھا اور سنوا سکتے ہیں (۲۷)!!

ابن الجوزی نے ذکر کیا ہے کہ حبشہ کے نوجوان آئے اور مسجد نبوی میں نیزہ (حرابہ) پھینکنے کا مظاہرہ کرنے لگے اور ساتھ ہی اپنی زبان میں ایک جملہ گاتے جاتے تھے جس کا مطلب تھا ''محمد (ﷺ) ہی ایک اچھے آدمی ہیں'' یہ منظر آپ ﷺ کے ساتھ حضرت عائشہ نے بھی دیکھا تھا، پھر ایک حبشی خاتون نے رقص کیا اسے بھی سب نے دیکھا (۲۸)! بہر حال کہنا یہ ہے کہ بلالی دنیا اور رسول اللہ ﷺ کی باہمی محبت کوئی معمولی بات نہیں! اس کا ماضی بھی تھا، حال بھی ہے مگر جو مستقبل ہے اس کا انتظار بھی واجب ہے! بلالی دنیا کو آج تک تاریخ نے کوئی کردار نہیں دیا! مگر یہ کردار ہے اور مل کر رہے گا! بس بلالی دنیا کو ہوش میں لانے کی ضرورت ہے اگر ان کالوں میں کولن پاول اور اوباما جیسے لوگ پیدا ہو سکتے ہیں تو بلال اور نجاشی جیسے مومن بھی تو دوبارہ آ سکتے ہیں!

مسلمان مؤرخین، جغرافیہ نویسوں اور سیاحوں نے نجاشی کے حبشہ کی تو دھندلی سی تصویر دی ہے مگر الخوارزمی ہو یا الادریسی یا ابن فضل اللہ العمری ہوں کسی نے بھی نجاشی کے مفصل حالات نہیں دیئے مگر رسول اللہ ﷺ سے اس کے روابط وتعلقات تو انہوں نے بہت ہی کم درج کئے ہیں اکثر نے پو ٹیلمی کی معلومات کی ہی جگالی کی ہے!

یہ تو درست ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ہر حکم پر عمل کرتے ہوئے کسی بھی مسلم فاتح یا مجاہد نے حبشہ پر حملہ نہیں کیا مگر اس کمی کو مسلمان تاجروں، سیاحوں اور مبلغین نے پورا کر دیا

ہے، حبشہ کے لوگ برضا و رغبت اسلام میں داخل ہوتے رہے ہیں حتیٰ کہ داخلی طور پر کئی ایک مسلمان ریاستیں بھی وجود میں آتی رہیں اور عیسائیوں کے ہاتھوں یا آپس میں ہی ٹکرا کر ختم بھی ہوتی رہیں، مگر ایک مسلمان حکمران ایسا بھی آیا جو قریب قریب پورے حبشہ پر اپنا اقتدار جمالینے میں کامیاب ہو چکا تھا کہ سفید مغرب کے صلیبی سامراجی براہ راست حملہ آور ہو گئے اور مسلم حبشہ کا وہ حکمران امام احمد ان کے ہاتھوں شہید ہو گیا (۲۹) اس وقت سے سامراجیوں نے حبشہ کی نگرانی کا سلسلہ جاری رکھا ہوا ہے اور اسی نگرانی کے طفیل آج ایتھوپیا ''مشرق کی عظیم مسیحی سلطنت'' ہے، جس کی ساٹھ فیصد سے بھی زائد آبادی مسلمان ہے مگر حقیقت کھل جانے کے ڈر سے صلیبی سامراجی مردم شماری لبنان کی طرح یہاں بھی نہیں ہونے دیتے! یوں کل کے نجاشی کا حبشہ آج کے سامراجیوں کا ایتھوپیا بنا ہوا ہے!!

نبی منتظر کی آمد کی دھوم اور حبشی شہزادہ

سرزمینِ حبشہ اہلِ اسلام کی اوّلین جائے ہجرت ہے جہاں قریش مکہ کے ستائے ہوئے مسلمانوں نے اپنا دین وایمان بچانے کے لیے سب سے پہلے پناہ لی تھی۔ اس حیثیت سے حبشہ (ماضی کا ایے سینیا اور آج کا ایتھوپیا) کو مطالعہ سیرتِ طیبہ کے ضمن میں اور اسلامی تاریخ کے مطالعہ میں عموماً ایک منفرد مقام حاصل ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصر حبشی بادشاہ (جس کا شاہی خانوادہ نجاشی کہلاتا تھا، بالکل ایسے ہی جیسے ایران یا فارس کا شہنشاہ اس وقت کسریٰ کہلاتا تھا اور روم کے شہنشاہ کو قیصر کے لقب سے یاد کیا جاتا (۱) تھا) حضرت اَصحَم بن اَبجَر رضی اللہ عنہ نے مسلمان مہاجرین سے بہت اچھا سلوک کیا انہیں ہر قسم کا تحفظ دیا اور معزز شاہی مہمانوں کی طرح مراعات دیں مگر سب سے بڑھ کر یہ کہ اس نے دینِ اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ حق کے لیے احترام، محبت اور عقیدت کا ردِّعمل ظاہر کیا تھا، یہ بات بہت ہی کم لوگوں کو معلوم ہوگی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اَصحَم نجاشی رضی اللہ عنہ کے حبشہ سے آنے والوں کی خدمت ذاتی طور پر خود فرمائی اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فرمایا کہ یہ میرے دوست بادشاہ کے ہاں سے آئے ہیں یہ میرے ذاتی مہمان ہیں لہٰذا ان کی خدمت میں خود کروں گا (۲)۔ اسلام میں غائبانہ نمازِ جنازہ کی مبارک سنت نبوی بھی سعادتمند روح حضرت اَصحَم نجاشی رضی اللہ عنہ کے طفیل عطا ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو یہ بھی حکم دیا تھا کہ خواہ کچھ بھی ہو، تم نے حبشہ پر کبھی بھی حملہ نہیں کرنا اور تاریخ گواہ ہے کہ آج تک کسی مسلمان فاتح نے سرزمینِ حبشہ کو تاخت وتاراج نہیں کیا سب کے سب فاتحین حبشہ کے بیرونی دروازے سے ہی واپس ہوتے رہے (۳)

یوں گویا اہلِ حبشہ اور حبشہ کی تاریخ مسلمان مؤرخین کی خصوصی توجہ کی مستحق تھی مگر اس پر کماحقہ دھیان نہیں دیا گیا، اسی طرح حبشہ کا نجاشی بادشاہ اصحم بن ابجر رضی اللہ عنہ بھی سیرت طیبہ کا

ایک اہم ورق ہی نہیں بلکہ ایک نہایت اہم باب ہے، مگر اس ورق اور اس باب سے بھی مکی عہد سیرت پاک کے دیگر اہم پہلوؤں کی طرح تاریخ نے بے نیازی ہی برتی ہے خصوصاً نجاشی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روابط اور تعلقات سے صرف نظر کیا گیا ہے اور مکہ مکرمہ کے دار ارقم کی طرح یہ باب بھی تشنہ اور فراموش ہی چلا آتا ہے!(۴)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت اصحم نجاشی رضی اللہ عنہ کا یہ خوشگوار ردعمل اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے یہ حسن سلوک اور پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے انس و اعتماد کا یوں اظہار دراصل کسی گہری واقفیت اور تفاہم کا پتہ نہیں دیتا!؟ تو اس واقفیت اور تفاہم کا پس منظر کیا ہو سکتا ہے؟! مشہور محقق سیرت نگار ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا قیاس یہ ہے کہ مکہ مکرمہ کے بہت سے عرب "تاجر نجاشی سے شخصی تعارف رکھتے تھے اور اس کے دربار میں باریاب ہوا کرتے تھے شاید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی کبھی نبوت سے پہلے اس کا موقع پیش آیا ہو، اگرچہ سیرت نگار اور سوانح نویس اس بارے میں خاموش ہیں"(۵)

ڈاکٹر صاحب کے اس قیاس کی یکسر نفی نہیں کی جا سکتی، کیونکہ ہمارے مؤرخ اور سیرت نگار تو سیرت پاک کے اور بھی بہت سے پہلوؤں کے بارے میں واقعی خاموش ہیں، ان میں سے ایک نجاشی شاہ حبشہ اصحم بن ابجر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات، تعارف اور واقفیت بھی ہے حالانکہ ہجرت جو سنتِ انبیاء بھی ہے اور سنتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی بلکہ لوازماتِ دین و ایمان میں سے ہے اس کا آغاز بھی حبشہ سے ہوا اور ہجرت حبشہ سیرتِ طیبہ کا ایک نہایت ہی اہم اور نمایاں واقعہ بلکہ ایک اہم اور نمایاں باب تسلیم کیا جاتا ہے جو مکی دور نبوی کے پانچویں یا چھٹے سال میں پیش آیا اس ضمن میں قریشی سفارت کاری اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحم بن ابجر نجاشی سے تعلقات کی اثر اندازی اور نتیجہ خیزی میں مقابلہ تھا جس میں قریش کی سفارتی مہم بری طرح ناکام ہوئی اور ان کے دونوں قاصد ہر بار مایوس اور پریشان واپس آئے! اگر کسی بادشاہ کے ملک میں ایک تاجر کی حیثیت سے جانے اور ملاقات کرنے سے اتنی گہری واقفیت اور تعارف بظاہر مشکل لگتا ہے، اس کے لیے زیادہ موزوں

اور مناسب ماحول چاہیے اور ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھنے اور جاننے کی ضرورت ایک معقول امر ہے، اسی صورت وہ اعتماد، بے تکلفی اور انسیت پیدا ہو سکتی ہے جو رسول اللہ ﷺ کی اس گفتگو سے ظاہر ہے جو آپ ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو ہجرت حبشہ کا مشورہ دیتے ہوئے فرمائی تھی یا اس فوری، خوشگوار اور پر اعتماد ردعمل سے بھی ظاہر ہوتا ہے جو اس موقع پر بادشاہ کی طرف سے دیکھنے میں آیا تھا!(۶)

حضرت اصحم بن ابجر نجاشی رضی اللہ عنہ کو عہد نبوی کے عشاق مصطفیٰ ﷺ میں بھی حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی طرح ایک منفرد مرتبہ اور مقام حاصل ہے، مگر رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اپنے ساتھیوں کو ہجرت حبشہ کی اجازت عطا ہونے سے پہلے تک کی نجاشی کی زندگی پردۂ خفا میں ہے، گویا نجاشی کی زندگی کا یہ ایک اہم گمشدہ ورق ہے جس کی تلاش نہ صرف یہ کہ سیرت نگاروں کا فرض تھا بلکہ اس کی اہمیت وافادیت تو آج بھی ہمیشہ کی طرح دو چند ہے کیونکہ اس سے مسلم، مسیحی روابط اور تعلقات کا اولین مرحلہ بھی سامنے آتا ہے! اور حال اور مستقبل کے تعلقات کے لیے نئی امیدیں بھی روشن ہوتی ہیں اور راہیں بھی کھلتی ہیں!

سیدنا مسیح علیہ السلام کے بعد سے لیکر ولادت وبعثتِ مصطفیٰ ﷺ کے زمانہ تک کی درمیانی مدت ''زمانہ فترت'' شمار ہوتی ہے جو کم وبیش چھ صدیوں سے عبارت ہے، اس عرصہ میں عالمِ بشریت کو گوناگوں آفات ومسائل سے دوچار ہونا پڑا، فتنہ وفساد اور یاس واضطراب کی کیفیت رہی(۷)، عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے بعد ایک نبی کے آنے کی بشارت دی تھی اور بتایا تھا کہ وہ اپنے رب کے حضور جائیں گے تو اللہ تعالیٰ اس عظیم وجلیل نبی کو مبعوث فرمائے گا(۸)، ان سے پہلے سیدنا موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کو بتایا گیا تھا کہ ہدایت کی ربانی کرنیں کوہِ طور کے بعد کوہِ ساعیر (حضرت مسیح علیہ السلام کی صورت میں) اور کوہِ فاران پر (ظہور مصطفوی کے جلو میں چمکنے والی ہیں)(۹)، موسیٰ مردِ خدا کو رب نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ تیری مانند تیرے عم زادوں (یعنی اولادِ اسماعیل یعنی عربوں) میں سے بھی تجھ جیسا ایک جلیل القدر پیغمبر مبعوث ہوگا!(۱۰) ان سب سے پہلے سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے وادی بطحا کی بے آب وگیاہ سرزمین میں اپنے

فرزند اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ کو آباد کرتے ہوئے یہ دعا فرمائی تھی (۱۱) کہ اے میرے رب! تو اولادِ اسمٰعیل میں سے ایک ایسا نبی مبعوث فرما نا جو ان کے لیے معلم حکمت و ہدایت اور تزکیہ نفوس کا کام کرنے والا مصلح ثابت ہو! (۱۲)۔

یہ دعائے خلیل تھی جس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کی تورات میں ایک جلیل القدر پیغمبر کی آمد کی پیشین گوئی آئی پھر ان کے بعد آنے والی نویدِ مسیحا نے اہلِ دنیا کے لیے امید کی ایک دنیا آباد کر دی تھی، دنیا میں جیسے جیسے شر و فساد میں اضافہ ہو رہا تھا اسی قدر آنے والے نجات دہندہ اور نبی منتظر کے لیے بے قراری اور اضطراب میں بھی اضافہ ہو رہا تھا! یہ زمانہ فترت طویل اور بوجھل ہوتا جا رہا تھا اور اس کے ساتھ ہی خلقِ خدا آنے والے کے لیے بے قرار اور بے چین بھی ہوتی جا رہی تھی! (۱۳)۔

یہی وہ مدت بھی ہے جس کے دوران میں روم اور ایران کی بے مقصد جنگوں نے دنیائے انسانیت کا سکون اور اطمینان لوٹ لیا تھا! یہ دراصل غلبہ واقتدار کی ہوس کی جنگیں تھیں جن کا نتیجہ انسانیت کی تذلیل اور غلامی کے سوا اور کچھ بھی نہ تھا، کبھی رومن ایرانیوں سے ان کے مقبوضات چھین کر غلاموں کے غول اپنے ساتھ لے جاتے تھے اور کبھی ایرانی رومنوں کو دھکیل کر آبنائے بسفورس میں بند کر کے سامنے خیمہ زن ہو جاتے تھے (۱۴)، اس ہوس غلبہ واقتدار کی جنگ کا آخری معرکہ قرآنی پیشن گوئی کے مطابق ہرقل اور خسرو پرویز کے درمیان برپا ہوا جس میں نامۂ نبوی کو چاک کرنے والے متکبر پرویز کو شکست فاش ہوئی اور فارس کی فوجی قوت کا غرور خاک میں (۱۵) مل گیا تھا۔

اسی مدت میں مظلوم مسیحیت شام و فلسطین میں رومنوں کے ظلم و قہر کی زد میں رہی یا یہودیوں کے انتقام کا شکار بھی رہی تھی اسی لیے سچے مسیحی لوگ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت پر ایمان رکھتے ہوئے آنے والے نبی منتظر کی آس پر زندہ تھے، یمن یہودی بادشاہت کے قبضے میں تھا، حجاز بھی یہودیوں کی (۱۶) نظر میں تھا، یثرب و خیبر میں یہودی اوس اور خزرج کے عربوں کو باہم لڑا کر ختم کرنے (۱۷) اور پھر وادیٔ بطحا پر یہودی جھنڈے گاڑنے کی فکر

میں تھے تا کہ تورات کی موسوی پیشین گوئی کے مطابق وادیٔ فاران میں پیدا ہونے والا نبی منتظر بھی وہاں پر قبضہ کرنے والے بنو اسرائیل میں سے ہی ہو، یمن کے یہودی (۱۸) بادشاہ ''ذونواس'' نے نجران کے مسیحیوں کو زبردستی اپنا مذہب چھوڑنے پر مجبور کیا تھا مگر وہ اس ذلت آمیز جبر کے سامنے نہ جھکے تو سنگدل یہودی بادشاہ نے خندقیں کھدوا کر ان میں آگ دہکائی اور مظلوم مسیحیوں کو ان خندقوں میں زندہ جلا دیا، قرآن کریم کی سورت بروج میں اللہ تعالیٰ نے ان ثابت قدم مسیحی مومنوں کی ستائش کی ہے!(۱۹)

ان مظلوم مسیحیوں کا فریادی جب روم کے عیسائی قیصر کے پاس پہنچا تھا تو اس نے دور ہونے کا بزدلانہ بہانہ کر کے حبشہ کے نجاشی بادشاہوں کو فریادرسی کے لیے کہا، نجاشیوں کی براہِ راست مداخلت سے یمن میں ظالم یہودی بادشاہت کا خاتمہ ہو گیا، حبشی سپہ سالار ''اَبْرَھَہ'' کے ہاتھوں ظالم ذونواس یہودی بادشاہ مارا گیا تو اسی اَبْرَھَہ نے صنعاء پر مسیحی پرچم لہرا دیا، اَبْرَھَہ حجاز پر بھی عیسائیت کا جھنڈا لہرانا چاہتا تھا، اس لیے اَبْرَھَہ نے بیت اللہ کو منہدم کرنے اور حجاز پر قبضہ کرنے کے لیے ہاتھی والا لشکر (اصحاب الفیل)(۲۰) تیار کیا مگر کعبہ کے مالک نے اسے سراپا عبرت بنا دیا، ابابیلوں کی چونچوں میں چھوٹی چھوٹی کنکریاں تھیں جو ایک مہلک وبا بن کر اَبْرَھَہ کے لشکر پر برس پڑیں جو مکہ سے چند فرلانگ کے فاصلے پر ہی ڈھیر ہو گیا تھا، مکہ والوں کے لیے یہ واقعہ عام الفیل کے عنوان سے ایک نقطۂ تاریخ اور کیلنڈر بن گیا(۲۱)

بعثتِ نبوی، علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور اس سے پہلے کا زمانہ اہلِ مکہ اور عرب کے لیے بھی آفاتِ ارضی وسماوی کا زمانہ ہونے کے علاوہ ظلم و وحشیت اور تاریکی و جہالت کا زمانہ تھا، گھوڑے دوڑنے پر اگر جھگڑا ہو پڑا تو چالیس سال تک حربِ داحس وغبراء کی شکل اختیار کر گیا(۲۲)، اگر کوئی ناتواں پردیسی مالِ تجارت فروخت کرنے کے لیے مکہ مکرمہ جیسے پرامن شہر میں آیا اور ابوجہل جیسے فرعون صفت سردار نے اس سے مال خرید لیا تو کئی کئی سال تک اس بیچارے کو قیمت ادا نہ کی جاتی تھی(۲۳)، بے کس، بے سہارا اور مظلوم کا کوئی

پرسانِ حال نہ تھا، بات کا جواب گالی اور دوستی کا جواب دھوکہ تھا، جھوٹ اور بددیانتی وقت کا رائج سکہ تھا! (۲۴)۔

ایسے میں مکہ مکرمہ میں ایک خاندانی نوجوان دیکھنے میں آیا جو بلند اخلاق میں بے نظیر و بے مثال تھا، اس روح فرسا حوصلہ شکن اور مایوس کن ماحول میں اس خاندانی نوجوان نے صداقت و امانت میں آفاق گیر شہرت حاصل کر لی تھی اور زمانے کا چلن بھی بدل ڈالا تھا! دور ونزدیک کا ہر عرب اس سے واقف، اس کا شیدا اور مدح سرا تھا کہ اس نے افراد کو بلند کردار بنا دیا اور قبائل کو شیر و شکر کر دیا اور ایسے ایسے منصفانہ اور حکیمانہ فیصلے کیے کہ تمام دنیا دنگ رہ گئی اور یوں حضرت محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہر آنکھ کا تارا بن گئے تھے! (۲۵)

ایسے میں نجاشی خانوادہ کا چشم و چراغ ایک ذہین و فطین شہزادہ اصحم بن ابجر غلام بن کر سرزمینِ حجاز میں آ گیا جہاں مکہ مکرمہ میں حبشہ کے فقراء کی معاش کا مرکز تھا، مکہ مکرمہ حبشی غلاموں کا گڑھ تھا، خاص مواقع کے علاوہ بھی مکہ مکرمہ میں یہ حبشی اکھٹے ہوتے تھے حتیٰ کہ غلام بھی اپنے آقاؤں کا اعتماد حاصل کر کے مکہ مکرمہ میں میل ملاپ کے لیے آ جاتے تھے (۲۶)، تو کیا دانا و بینا غلام شہزادہ اصحم حبشی مکہ مکرمہ میں اس غرض سے نہ آتا ہوگا اگر آتا ہوگا تو کیا وہ بے نظیر و بے مثال نوجوان صادق و امین صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ ملتا ہوگا؟ اور اگر ملتا ہوگا تو حسن ظاہر کے دیدار کے ساتھ ساتھ شخصی کردار و حسن سلوک سے متاثر نہ ہوتا ہوگا! اعلانِ نبوت سے پہلے ہی سہی ملتا تو ضرور ہوگا؟!

اصحم ایک پکا مومن، سچا مسیحی اور باکردار شہزادہ تھا، وہ سیدنا مسیح علیہ السلام کی بشارت پر ایمان کامل رکھتا تھا، اسے یہ بھی معلوم تھا کہ مسیحی بشارت انجیل میں جن لفظوں پر مشتمل اور معنی کو متضمن ہے اس کے معنی محمد اور احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں سما جاتے ہیں (۲۸)! شہزادہ جن محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ملتا ہوگا ابھی تک انہیں اعلانِ نبوت کا حکمِ ربانی تو نہیں ہوا تھا مگر وہ تھے تو اس وقت بھی نبی اور رسول! وہ تو اولین اور آخرین کے نبی تھے اور اس وقت بھی نبی تھے جب کچھ بھی نہیں تھا تو کیا جو پاکیزہ دل، باکردار انسان ادب واحترام کے

ساتھ ان سے ملتے ہوں گے انہیں صحبت کا شرف حاصل نہیں ہوا ہوگا؟! آخر اسی لیے تو نجاشی ان کی طرف سے ان کا اعلانِ نبوت سنتے ہی اور دعوت ملتے ہی سراپا تسلیم خم ہو گیا تھا اور دربار نبوی میں حاضر ہونے کے لیے تڑپنے لگا تھا (۲۹)، اس لیے میں تو ہر حال میں اسے ''شہزادہ اصحم بن ابجر رضی اللہ عنہ'' ہی کہوں گا اور لکھوں گا خاص کر جب حافظ ابن حجر اور حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہما جیسے ثقہ، معتبر اور قابلِ صد احترام محدث بھی اس کا تذکرہ صحابہ کرام کے تذکرہ کے ساتھ اپنی کتابوں میں کریں! (۳۰)

نبی منتظر کی آمد آمد کی دھوم مچی ہو، وقت کی ستائی ہوئی عام انسانیت اپنے نجات دھندہ کے انتظار میں بے چین ہو، تورات کے ماننے والے یہودی بھی اس کی آمد کی آس لگائے ہوئے ہوں، یہ الگ بات ہے کہ وہ امید و بیم کی کیفیت سے دو چار ہوں، امید یہ ہو کہ آنے والا مسیحا بنو اسرائیل قوم یہود میں سے ہو مگر اس کے ساتھ ہی یہ بیم اور خوف بھی ہو کہ توراتی پیشین گوئی کے مطابق آنے والا کہیں واقعی فاران میں اور اولادِ اسمٰعیل یعنی عربوں ہی میں پیدا نہ ہو جائے! اس لیے طے تھا کہ ستارہ شناس یہودی عالم اس پر خصوصی توجہ (۳۱) مرکوز رکھیں اور اگر وہ ان میں پیدا ہو جائے تو معاذ اللہ ان کا گلا ہی دبا دیا جائے (آخر قتلِ انبیاء تو یہود کا پیشہ رہا ہی تھا) (۳۲)!!

اس بلاخیز زمانہ فترت کا ایک باب حنیفیت بھی ہے یعنی دینِ توحید یا ملتِ ابراہیمی پر عمل! یہ لوگ حنفاء کہلاتے تھے، شرک و بت پرستی سے بیزار اور الگ تھلگ یادِ خدا میں مصروف رہتے تھے، مکہ اور طائف کے کئی ایک نمایاں بزرگ اسی مسلک توحید پر عمل پیرا تھے، عجب بات یہ ہے کہ بشارت مسیحی کے مطابق ان کے نام رکھے گئے ہوں یا نہ رکھے گئے ہوں مگر ان میں سے بعض کو یہ ضرور امید تھی بلکہ محض آرزو ہی تھی کہ نبی منتظر کا تاج شاید اس کے سر سجے جیسے مکہ کا ولید بن مغیرہ اور طائف کا مشہور شاعر امیہ بن ابی الصلت، غالباً یہ ایسے بزرگ لوگوں کی آرزوئے ناتمام اور حسد ہی تھا کہ جب حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم منصب نبوت سے سرفراز فرمائے گئے تو یہی لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے مخالف

اور دشمن بن گئے تھے ان میں سے اکثر کے نزدیک نبی تو کسی بڑے آدمی نے ہونا تھا! (۳۴)

یہ بات بھی خصوصی توجہ کی طالب ہے کہ مکہ مکرمہ میں اگر کبھی اعلانِ نبوت سے پہلے شہزادہ اصحم نجاشی قریش کے نوجوانِ صادق وامین ﷺ سے ملے ہوں گے تو دورانِ ملاقات حبشہ کے احوال اور شہزادہ کے ماضی اور مستقبل کی بات بھی ضرور ہوئی ہوگی اور رسول ازل وابد ﷺ نے شہزادہ کو صبر وہمت سے کام لینے کی تلقین بھی ضرور فرمائی ہوگی اور کیا عجب کہ نجاشی نے ان سے غلامی سے نجات پا کر تاج وتخت کا مالک ہونے کی خوشخبری بھی سنی ہو!؟

یوں زمانہ فترت (اور شاید بعثت کے بعد) میں بھی شہزادہ اصحم نجاشی رضی اللہ عنہ نے سرزمینِ حجاز میں جو وقت گزارا ہوگا اثرات اور نتائج کے لحاظ سے بھی بہت قابلِ غور ہے اور اس سے ذہن میں کچھ سوالات ابھرتے ہیں جن کا معقول جواب ملنا چاہیے یا سوچنا تو ضرور چاہیے:

(1) قریش کے مظالم کے ستائے ہوئے، مار پٹائی سے نڈھال اور روزمرہ کی دست درازیوں سے تنگ مسلمانوں کو جب ایمان بچانے کے لیے ادھر ادھر بکھر جانے کا مشورہ دیا گیا تھا تو ان کا فوری سوال یہی تھا کہ ہم کدھر جائیں؟ تو رسالت مآب ﷺ کا فوری جواب یہ تھا کہ ''اس طرف!'' اور ہاتھ مبارک سے حبشہ کی طرف اشارہ فرمایا پھر ساتھ ہی فوراً ارشاد فرمایا کہ ''وہاں ایک ایسا بادشاہ حکومت کرتا ہے جس کے ہاں کبھی کسی پر ظلم نہیں ہوتا!'' تو یہ معلومات کب، کہاں سے اور کیسے حاصل ہوئی ہوں گی؟ ظاہر ہے یہ سب کچھ بلاد بنو ضمرہ میں نجاشی کے موجود ہونے اور مکہ مکرمہ میں ملاقاتوں کے دوران حاصل ہونے والے یقین واعتماد کی بنیاد پر تھا یا پھر محب ومحبوب کے درمیان بعد کے روابط اور تبادلۂ معلومات بھی اس کی بنیاد ہوسکتی ہے، کیونکہ بیدار مغز اور مدبر شہزادہ نے اپنے عرب ضمری آقا سے آزادی کے بعد بھی بلادِ عرب سے روابط جاری رکھے اور آخری وقت تک سرزمین حجاز میں پیش آنے والے واقعات وحوادث سے باخبر رہنا ضروری سمجھا تھا! (۳۵) یہ امکان بھی رد نہیں کیا جاسکتا کہ نجاشی اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان نبوت سے قبل محب ومحبوب کے رشتے قائم ہونے کے بعد یثرب آتے جاتے حضرت نجاشی اور ان کے دوست حضرت

عمرو بن اُمیہ ضمری سے بلادِ بنو ضمرہ میں بھی رسول صادق وامین صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات اور بات چیت کا سلسلہ رہا ہوگا، اس امکان کو ایک اور وجہ سے بھی تقویت ملتی ہے اور وہ ہے اسلام قبول کرنے سے پہلے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عمرو بن اُمیہ ضمری پر اس قدر اعتماد فرمانا کہ انہیں متعدد بار اپنا سفیر بنا کر نجاشی کے پاس بھیجا تھا، مردم شناسی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس جس کام کے لیے جن جن حضرات کو چنا اور انہیں کام سونپا وہ سب انتخاب لاجواب تھے، غلامی میں شہزادہ چونکہ بنو ضمرہ کے ایک تاجر کی ملکیت تھا اس لیے عمرو بن اُمیہ ضمری سے اس کی دوستی خارج از امکان نہیں، اس لیے یثرب سے آتے جاتے ابواء میں مزار آمنہ سلام اللہ علیہا پر شہزادہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات میں حضرت عمرو بن اُمیہ بھی شریک ہوتے ہوں گے اور دونوں سے ناقابل شکست اور پر اعتماد تعلقات کا پیدا ہونا بھی سمجھ میں آتا ہے، اسی لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دونوں حضرات پر بہت اعتماد تھا!؟ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے اپنی مذکورہ گفتگو کے دوران میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سرزمین حبشہ سے متعلق ایک خاص جملہ ارشاد فرمایا تھا جسے ابن ہشام اور ابن سعد سمیت متعدد سیرت نگاروں اور مورخین نے بغیر کسی فرق اور اختلاف کے نقل کیا ہے "وَهِيَ اَرْضُ صِدْقٍ" (یعنی حبشہ سچائی اور بھلائی یا دوستی کی سرزمین ہے!) یہاں ارض سے تو سرزمین حبشہ مراد ہے مگر اس سرزمین کو سچائی، بھلائی یا دوستی اور خیر خواہی کی زمین جو کہا جا رہا ہے تو اس کی ایک اہمیت ہے اور قولِ حکیم کسی نہ کسی حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ حبشہ کے حوالے سے صدق کے لفظ کے استعمال کے بارے میں سب حدیثی، تاریخی اور سیرتی مصادر خاموش ہیں، کسی نے اس کی علت یا سبب کی بات نہیں کی۔

لیکن ایسی لفظی تراکیب قرآن کریم کے علاوہ حدیث نبوی اور کلام عرب میں بکثرت مستعمل ہیں مثلاً قدم صدق، مخرج صدق، مدخل صدق، لسان صدق اور مقعد صدق یا رجلِ صدقٍ، امراۃ صدقٍ وغیرہ، ان تراکیب میں لفظ صدق مضاف الیہ نظر آتا ہے مگر معنوی لحاظ سے یہ صفت ہے یعنی قدم صدق، (سچائی اور بھلائی والا قدم) رجل صدق یعنی سچا آدمی یا

امرأة صدق سچی عورت، اہلِ لغت کے ہاں اس ضمن میں اصول اور قاعدہ یہ ہے: (۳۶)

وَيُعَبَّرُ عَنْ كُلِّ فِعْلٍ فَاضِلٍ، ظَاهِراً وَبَاطِناً، بِالصِّدْقِ فَيُضَافُ الْفِعْلُ الَّذِيْ يُوْصَفُ بِهِ

یعنی صدق سے مقصود یہاں ہر عمدہ و اعلیٰ عمل ہوتا ہے، ظاہر ہو خواہ باطن، تو جس فعل کے لیے صدق بطور صفت آتا ہے اسے صدق کا مضاف بنا کر بولا جاتا ہے! (۳۷)

لفظ صدق کے بہت سے معنی ہیں مگر چار پانچ زیادہ نمایاں اور اہم ہیں: (1) صدق کذب کی ضد ہے (2) صدق شجاعت ہے (3) صدق ثابت قدمی ہے (4) صدق صداقت (دوستی کرنا) ہے۔

علامہ زبیدی نے تاج العروس میں امام حسن صغانی لاہوری کی کتاب لغت العباب الزاخر کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ ہر وہ چیز جس میں صلاح اور خیر ہو اسے "أُضِيفَ إلى الصدق فقيل رجل صدقٍ، امرأة صدق (۳۸)، مكان صدقٍ" صدق کا مضاف بنا دیا جاتا ہے، امام صغانی کے اس قول سے ارض صدق کے معنی و مفہوم کو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے، امام راغب اصفہانی نے بھی صدق کے معنی واضح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ الصدق مطابقةُ القولِ الضميرَ والمخبَرَعنه معاً یعنی صدق کے معنی یہ ہیں کہ قول یا کہی جانے والی بات بیک وقت ضمیر انسانی اور (۳۹) امر واقعی کے موافق ہو۔

اصحم نجاشی کے وجود کے طفیل سرزمینِ حبشہ سچائی اور بھلائی کی سرزمین بھی تھی اور دوستی کی سرزمین بھی، بادشاہ کا موقف، ردعمل اور تمام عملی اقدامات اس بات کی تائید کرتے ہیں اور واضح ہوتا ہے کہ باہمی انسیت و اعتماد کسی گہری واقفیت اور جامع تعارف پر مبنی تھا!

اس دو طرفہ اخلاص و وفا اور اعتماد و احترام کی اس فضا اور اس کیفیت کا پس منظر اور سبب کیا ہو سکتا ہے؟ یہی نا کہ بنو ضمرہ کے ہاں غلامی کے زمانہ میں اصحم نجاشی زیارت و ملاقات سے مشرف ہوا اور اسی میل ملاقات کے دوران میں مکہ مکرمہ میں یا بلاد بنو ضمرہ میں دوستانہ ملاقاتوں میں جن میں حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ بھی شریک ہو سکتے ہیں میل ملاقات

کا مبارک سلسلہ جاری رہا ہو۔

ابن سعد کا قول (۴۰) ہے کہ ''وَکَانَتِ (الحبشۃُ) اَحَبُّ الْاَرْضِ اِلَیْہِ اَنْ یُّھَاجِرَ قِبَلَھَا'' یعنی سرزمین حبشہ کی طرف ہجرت کر کے جانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سب سے زیادہ پسندیدہ بات تھی! بعض تاریخی وسیرتی مصادر سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رؤیائے صادقہ میں جائے ہجرت کے طور پر جن مقامات کے متعلق اشارات ملے تھے ان میں طائف کے علاوہ ہجر اور یثرب کا تذکرہ تو ہے (۴۱) مگر حبشہ کا ذکر نہیں ہے تو پھر یہ بات واقعاتِ سیرت کو ریکارڈ کرنے والے راویوں اور مصنفین (جن میں محمد بن سعد جیسا ثقہ راوی اور مصنف سرفہرست ہے) کو کیسے معلوم ہوئی کہ ہجرت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک محبوب ترین جگہ سرزمین حبشہ تھی؟ حبشہ کا بطور جائے ہجرت کہیں نہ کہیں ذکر ضرور آیا ہوگا ہوسکتا ہے کہ نزولِ وحی کے بعد! نجاشی بنوضمرہ سے آزادی پا کر جب شمع رسالت کا پروانہ بن کر حبشہ کے لیے روانہ ہونے سے پہلے حاضرِ خدمت ہوا ہوگا اور یہ جان کر کہ حضرت ورقہ بن نوفل (۴۲) جیسے ماہرِ تورات وانجیل نے چھوٹتے ہی یہ پیشن گوئی کر دی تھی کہ نزولِ وحی اور عطائے نبوت کے بعد مکہ والے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت پر مجبور کر دیں گے تب نجاشی نے یہ پیشکش کی ہو کہ اگر ہجرت جیسی ناگزیر سنتِ انبیاء (ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کے علاوہ ہر نبی کو دینِ حق دینِ اسلام کے لیے ہجرت کرنا پڑی تھی!) پر عمل کا مرحلہ آئے تو حبشہ کو یہ شرف بخشا جائے؟!

بعض سیرت نگاروں (۴۳) نے ایک مکالمہ ریکارڈ کیا ہے (جو غالباً دارِ ارقم میں) حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ (جنہیں زبانِ رسالت نے حضرت لوط علیہ السلام کے بعد ایسی دوسری ہستی قرار دیا ہے جن کو اپنے اہلِ خانہ کے ہمراہ دین وایمان بچانے کے لیے راہ خدا میں مہاجر بن کر سب سے پہلے حبشہ کا سفر کرنا نصیب ہوا) کے درمیان ہوا، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عثمان کا دوسری ہجرت حبشہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکلنا طے ہو گیا تھا اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے غالباً الوداعی ملاقات کے لیے آئے تھے، تو حضرت عثمان نے عرض

کیا تھا کہ یا رسول اللہ آپ نے ہجرت اولیٰ کے وقت فرمایا تھا کہ آپ بھی ہجرت کر کے حبشہ تشریف لائیں گے، مگر اب دوسری ہجرت حبشہ کے لیے ہم تو روانہ ہو رہے ہیں مگر ہم پھر بھی آپ کی صحبت ورفاقت سے محروم جا رہے ہیں؟ اس پر سرکار ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا تھا (حضرت عثمان کا سوال تھا: یا رسول اللہ! فھجرتنا الاُولیٰ وَھٰذِہٖ اِلی النَّجَاشِیْ وَلَسْتَ مَعَنَا؟ یعنی یا رسول اللہ! نجاشی کے ہاں جانے کے لیے ہماری پہلی ہجرت بھی ہو چکی، اب یہ دوسری ہجرت ہے مگر آپ پھر بھی ہمارے ساتھ نہیں تشریف لا رہے؟) تو رسول اللہ ﷺ کا ارشاد تھا: (۴۴)

اَنْتُمْ مُهَاجِرُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَاِلَیَّ! لَكُمْ هَاتَانِ الْهِجْرَتَانِ جَمِيْعاً

''یعنی تم لوگ اللہ کی طرف اور میری طرف مہاجر بن کر جا رہے ہو، یہ دونوں ہجرتیں تمہارے لیے ہی ہیں''۔

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے الفاظ و انداز سے یہ مترشح ہو رہا ہے کہ حضرت عثمان کی طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھی علم تھا کہ وہ ہجرت کر کے ملک حبشہ نہیں جا رہے بلکہ والی حبشہ حضرت نجاشی کے ہاں جا رہے ہیں جن کی اسلام دوستی اور رسول اللہ ﷺ سے مخلصانہ عقیدت واحترام سب پر واضح تھا! اور یہ بھی سرزمین حجاز میں قیام کے دوران میں ہی باہمی شناسائی، ملاقات اور مفاہمت ہی کا نتیجہ ہو سکتا ہے!

حبشہ میں مسلمانوں کی آمد سے نجاشی رضی اللہ عنہ کو بے اندازہ خوشی ہوئی تھی اور ان سے معزز مہمانوں کا سا سلوک کیا گیا (۴۵)، حبشہ سے نکلوانے کے لیے قریش کی سفارت کاری کو نجاشی نے جس حکمت ودانائی سے ناکام بنایا اور جس مایوسی اور رسوائی سے دوچار ہو کر عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ واپس ہوئے اس نے قریش کی امیدوں پر پانی پھیر دیا، سورت مریم کی تلاوت سن کر جس طرح بادشاہ متاثر ہوا، رویا اور درباری پادریوں تک کو بھی رلا دیا یہ اس کی عربی دانی کا بھی واضح ثبوت ہے، نجاشی نے اپنے تاج وتخت کو بھی خطرہ میں ڈال کر حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کے متعلق قرآنی احکام کی تصدیق اور اسلامی عقیدہ

کی کھلی حمایت کی یہ سب کچھ اس بات کی دلیل ہے کہ بادشاہ اصحم بن ابجر نجاشی اسلام کے رنگ میں پہلے ہی رنگا جا چکا تھا اور عشق رسول کا ازلی وابدی اعزاز حاصل کر چکا تھا، اسی لیے تو اس نے کہا تھا کہ یا رسول اللہ! اگر حکومت کی ذمہ داریوں کا بوجھ نہ ہوتا اور اپنے اقتدار کو بطور امانت عارضی طور پر ہی سہی کسی کو سونپ سکتا تو سونپ کر حاضر ہوتا اور آپ کے نعلین مبارک اپنی پیشانی اور آنکھوں کی زینت بنانے میں فخر محسوس کرتا (۴۶)!

کیا یہ سب کچھ یہ نہیں ثابت کرتا کہ نجاشی باقاعدہ دعوتِ اسلام ملنے سے پہلے ہی رسول عدل وحریت صادق وامین صلی اللہ علیہ وسلم کا گرویدہ وشیدا ہو چکا تھا!؟

اپنے ہی ملک کے بازارِ غلامی میں فروخت ہو کر حبش سے عرب لایا جانے والا نیک خصلت، سعادتمند اور ذہین وفطین شہزادہ اصحم بن ابجر نجاشی تو نبی منتظر کی آمد آمد کی دھوم میں سب کچھ پا گیا، سرخ رو ہو گیا، غلامیٔ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں آکر غیر فانی اور امر ہو گیا بلکہ اقبال کے الفاظ میں اپنے من میں ڈوب کر سراغ زندگی پا گیا (۴۷) مگر دوسری جانب نبی منتظر کے گن گانے والے، پیشین گوئیوں اور خوشخبریوں کا ہنگامہ برپا کرنے والے اہلِ کتاب سامنے آنے والی سچائی کو ٹھکرا کر ایسے بھٹکے ہیں کہ پندرہ صدیوں سے آج تک یونہی بھٹک ہی رہے ہیں، خود راہ پاتے ہیں نہ صراط مستقیم پر چلنے والوں کو برداشت کر رہے ہیں، یہودی اپنی ہی مقدس کتاب تورات کی پیشن گوئی کو سچا ثابت ہوتا گوارا نہیں کر سکے! عیسائی اپنے مسیح ناصری کی بشارت کو عام کرتے کرتے خود ہی اسے پسِ پشت ڈال کر اسے جھٹلانے والوں کی صف میں شامل ہو چکے ہیں! قرآن کریم نے انہی اہل کتاب، یہود ونصاریٰ، سے کہا ہے کہ وَلَا تَكُونُوٓا۟ أَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهِۦ (۴۸) (اس پیغام حق کو سب سے پہلے جھٹلانے والے تم ہی تو نہ بنو)! یہودی یہ دیکھ کر جل بھن کر رہ گئے تھے کہ کلام الٰہی تورات کی پیشن گوئی تو سچی ثابت ہو گئی ہے! مردِ خدا موسیٰ کلیم اللہ سے تورات میں وعدہ کے عین مطابق ان کے عم زادوں (بنو اسمٰعیل، وادی فاران کے عربوں) میں سے موسیٰ کلیم اللہ جیسی شان وشوکت والا نبی مبعوث کر دیا گیا ہے! یہ دیکھ کر تو یہود کا ایمان پختہ سے بھی پختہ تر ہو جانا چاہیے تھا مگر

انہیں بغض اور حسد نے جلا کر راکھ کر دیا تھا! حضرت عیسیٰ کے ماننے والے مسیحی اپنے یسوع مسیح کی بشارت کو سچ ہوتا دیکھ کر ایک بار تو خوشی سے جھوم اٹھے مگر پھر یہود اور رومنوں کے ہاتھوں بھٹک گئے اور آج تک بھٹک رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے انسانیت کے نام پیغامِ آخرین قرآن مجید نے یہود اور نصاریٰ کو اہلِ کتاب (علم و دانش اور عقل و فکر والے) کے معزز و محترم لقب سے مخاطب کیا ہے اور اصلاحِ احوال کی دعوت کے ساتھ ساتھ کارِ خیر اور تقویٰ کی بنیاد (وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى) تعاون کرنے لیکن گناہ اور جارحیت (الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ) پر تعاون نہ کرنے کی دعوت کے علاوہ باہمی اتحاد و اتفاق کے لیے دو نقاطی پروگرام کی بھی پیش کش کی ہے (۴۹)

''اے اہلِ کتاب! آؤ ہم ایک قدرِ مشترک پر متفق و متحد ہو جاتے ہیں! اور وہ یہ ہے کہ ہم (عدلِ اعظم کے قیام اور ظلمِ اعظم کے انہدام پر) ایک ہو جاتے ہیں! یعنی عبادت و اطاعت صرف اللہ تعالیٰ کی کریں گے اور اس میں کسی اور کو اس کا ہم پلہ اور شریک نہیں ٹھہرائیں گے! اب اگر یہ لوگ اقرارِ توحید اور انکارِ شرک سے پھرتے ہیں تو انہیں بتا دو کہ ہم تو اس اصول کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہیں''۔

مگر حقیقتِ حال کا پورا علم ہونے کے بعد بھی اور آنے والے کو یوں پہچان لینے کے باوجود بھی کہ جس طرح وہ اپنے بچوں اور اپنے جگر کے ٹکڑوں کو دیکھ کر (۵۰) پہچان لیتے تھے ضد اور حسد کے باعث حق کے منکر ہو گئے پہلے یہود اہلِ کتاب کے پیشواؤں احبار نے پھر مسیحی پیشواؤں (راہبوں) نے بھی تعاون و اتحاد کی یہ قرآنی دعوت ٹھکرا دی، کتابوں میں سے قرآن کریم کو ماننے سے تو صاف انکار کر دیا جبکہ تورات و انجیل میں تبدیلی اور تحریف پر کمربستہ ہو گئے! اسلام اور اہلِ کتاب، یہود و نصاریٰ کی عداوت اور تصادم کا نقطۂ آغاز اور حقیقی پس منظر صرف اتنا ہی ہے! یہود کے ڈیڑھ ہزار سالہ بغض و حسد، عداوت و تصادم اور اسلام، اہلِ اسلام اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مسلسل معاندانہ روش اور سازشوں کا حقیقی سبب اور پس منظر بھی یہی ہے، یہودیوں کے پاس اس لاجواب سوال کا آج بھی کوئی

جواب موجود نہیں ہے کہ جس نبی منتظر کا وہ بڑی بے صبری، بے قراری اور اضطراب کے ساتھ انتظار کر رہے تھے، جس کے متعلق پیشن گوئی باوجود تحریف کی قینچیاں چلنے کے آج بھی تورات میں اسی طرح غیر مبہم طور پر موجود ہے اور سیدنا موسیٰ مردِ خدا سے تورات میں جس آنے والے کی بعثت کا وعدہ کیا گیا تھا وہ بھی آج اسی طرح موجود ہے، آخر وہ نبی منتظر ڈیڑھ ہزار سال سے کہاں اٹکا ہوا ہے؟ اس کی آمد کے انتظار کو بھول کر، اسلام، اہلِ اسلام اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے حسد، بغض، عناد اور عداوت میں مبتلا ہو کر ان کو مٹانے، نیست و نابود کر دینے اور کسی حال میں بھی برداشت نہ کرنے کی بیماری کو اپنے گلے سے کیوں لگا رکھا ہے؟ تورات کی پیشین گوئی کے عین مطابق آنے والا آ گیا، تورات میں کلامِ حق سچا تھا سچا ثابت ہو گیا تمہیں تو اس بات پر خوش ہونا چاہیے کہ تم ایک سچی کتاب کے مالک اور ماننے والے ثابت ہو گئے ہو، آخر اس عداوت اور ان سازشوں سے تم کیا کما رہے ہو؟ تلخی تھوک دو، نبی منتظر واقعی آ چکے ہیں، ان کی دعوتِ حق حرف بحرف تمہارے سمیت ساری دنیا کے انسانوں کے لیے آج بھی بالکل اسی طرح موجود و محفوظ ہے جس طرح آئی تھی اور اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی تھی۔

جس آنے والے (محمد و احمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی بشارت سیدنا مسیح علیہ السلام نے دی تھی اور جس کے حوالے سے شام و فلسطین اور حجاز کے مسیحی رُہبان اہلِ عرب کو اپنے بچوں کے یہی نام پسند کرنے کے مشورے دیتے رہے (۵۱) تھے، اس وقت کی مظلوم مسیحیت کی ترجمانی قرآن کریم نے بھی کی اور رسول عدل و امن صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان پر شفقت فرمائی، ان کی عزت کی، دلجوئی کی مگر بعد کے وہی مسیحی راہب یہودیوں کے گمراہ کرنے سے بدل گئے، رومنوں کی سیاسی سرپرستی نے انہیں سب کچھ بھلوا دیا؟ سچے مسیحی تو اپنے پیغمبر علیہ السلام کی زبانی انجیلوں میں آنے والے نجات دہندہ کی بشارت کے گن گاتے تھے اور خوش ہوتے تھے مگر آنے والے کو جب یہودیوں نے نہ مانا اور عیسائیوں کو بھی گمراہ کیا تو تم بھی منکر ہو گئے؟ آخر ڈیڑھ ہزار سال سے وہ آنے والا کہاں اٹکا ہوا ہے؟ سیدنا مسیح علیہ السلام کی وہ بشارت کیا ہوئی؟ یہودیوں

کی پیروی میں تم نے بھی اناجیل میں تحریف کر ڈالی (۵۲)؟ اب ہر ترجمہ اور ہر نئی طباعت پر انجیل مقدس کے ان لفظوں کے ترجموں میں ہر سال ترمیم و تحریف ہوتی ہے جو آنے والے کی بشارت دیتے ہیں (مگر انجیل برناباس اس تحریف سے بچ گئی جس کی یونانی اصل کو مسیحی پیشوا آج تک چھپاتے بھگاتے پھرتے ہیں مگر اس کے انگریزی اور عربی ترجمے آج بھی بشارت مسیح علیہ السلام علی الاعلان دنیا کو سنا رہے ہیں!) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے وہ بشارت کس کے بارے میں دی تھی؟ وہ آنے والا آخر کہاں رکا ہوا ہے؟ کیا اس وقت دنیا اسی شر و فساد اور ظلم و عدوان سے بھری ہوئی نہیں تھی جس کی نشاندہی قرآن کریم نے سورت روم میں کی ہے (۵۴)، کیا آنے والے رسول عدل و امن اور حریت و مساوات (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دنیا کو اسی طرح عدل و امن سے نہیں بھر دیا تھا جس طرح وہ اس وقت ظلم اور بدامنی سے بھری (۵۵) تھی؟ کیا آنے والے نے سیدہ مریم کی پاکدامنی اور ان کے فرزند سیدنا مسیح علیہ السلام کی عظمت اور سچائی کو دنیا سے نہیں منوایا؟ سیدہ مریم اور حضرت مسیح علیہ السلام کی جو شان قرآن کریم (۵۶) نے بتائی اور منوائی ہے اس کا سواں حصہ بھی کسی صحیفہ یا کتاب میں کہیں بھی ملتا ہے؟

زمانہ فترت اور بعثت کی دھوم اور ہنگامے سے اہل کتاب، یہود و نصاری کے پیشواؤں نے تو یہی کچھ سیکھا اور لیا، مگر حبشہ کا شہزادہ اصحم جو ایک سچا مسیحی نوجوان تھا، تورات کی پیشین گوئی اور بشارت مسیح پر پختہ یقین و ایمان رکھتا تھا، اس لیے آنے والے کو دل و جان سے مانا اپنی بادشاہت کو اسلام کے لیے استعمال کیا، اگر بادشاہت کی بیڑیاں اور مہاجرین حبشہ کے متعلق اپنی ذمہ داریوں کا خیال نہ ہوتا تو حضرت اصحم بن ابجر رضی اللہ عنہ حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کے شانہ بشانہ دربار رسالت میں نظر آتے جس طرح نجاشی نے ابونیزر سمیت اپنے تینوں بیٹے خاندان نبوت کی خدمت پر مامور کر دیئے تھے تاہم وہ اللہ کا نیک بندہ اور سچا عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام بیٹوں کو اس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت پر قربان کر کے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زبان سے دعائے مغفرت پا کر تمام اہل اسلام کی محبت و عقیدت کا حقدار بن کر کائنات کی غیر فانی کتاب کا زندۂ جاوید اور تابندہ ورق بن گیا ہے!!

حضرت اصحم بن ابجر نجاشی شاہِ حبشہ

حضرت اصحم بن ابجر نجاشی شاہ حبشہ رضی اللہ عنہ کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ وہ نہ صرف یہ کہ تاریخ اسلامی کے سب سے پہلے مسلمان بادشاہ ہیں جنہوں نے تاج وتخت کا مالک ہوتے ہوئے دعوت اسلام پر لبیک کہا بلکہ وہ واحد صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو "بادشاہ" بھی ہیں! اولیت اور انفرادیت قابل ذکر بات ہوتی ہے مگر اس وقت یہی اولیت اور انفرادیت قابل فخر بات بھی بن جاتی ہے جب یہ کسی کار خیر یا کسی عظیم تر کارنامہ کی وجہ سے نصیب ہوئی ہو! اس لحاظ سے قدیم حبشہ (یا اے بے سینیا Abyssinia اور آج کل کے ایتھوپیا Ethiopya، عربی میں ایثوبیا) کے بادشاہ اصحم (یا اصحمہ؟(۱)) نجاشی کی اولیت اور انفرادیت یقیناً قابل ذکر بھی ہے اور قابل فخر بھی!

لفظِ نجاشی (Negus) کی اصل حبشی زبان ہے، جو سین سے ادا ہوتا ہے مگر یہ سین عربی میں آکر شین ہو گیا ہے، اسی طرح حبشی تلفظ میں گاف کی آواز عربی میں جیم سے بدل گئی ہے، تاہم یورپی زبانوں (انگلش وغیرہ) میں سین کی جگہ ایس (S) اور گاف کی جگہ جی (G) استعمال ہوتا ہے، نجاشی حبشہ کا شاہی خانوادہ تھا جیسے پرانے ایران یا پرشیا (فارس) کا شاہی خانوادہ کسریٰ، روم کا قیصر، یونان کا بطلیموس، منگولوں کا خاقان اور مصر کا مقوقس کہلایا، حبشی زبان میں ناگاسا (Nagasa) کے معنی حکومت کرنا اور بادشاہ ہونا ہے، عربی میں بھی نجش کے معنی تقریباً یہی ہیں، نجاشی اسم نسبت ہے، عربی کی طرح حبشی بھی ایک سامی زبان ہے اس لئے دونوں زبانوں میں گہری مشابہت اور قرابت ہے خصوصاً اشتقاق میں (۲)۔

اصحم نجاشی رضی اللہ عنہ، ایک نیک سیرت، خوش اخلاق، خدا ترس انسان تھے، وہ ایک ایسے انصاف پسند حکمران بھی تھے جن کی دوستی اور عدل وانصاف کی خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی گواہی دی اور اعلان فرمایا کہ نجاشی کی سرزمین حبشہ دوستی اور سچائی کی سرزمین ہے جہاں

کسی کے ساتھ ظلم نہیں ہو سکتا! ان کی سعادتمندی اور خوش نصیبی کا یہ عالم ہے کہ وہ عشق وحب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت اویس قرنی اور حضرت بلال حبشی کے قرین وہم پلہ تھے مگر ایمان و اسلام پر ثابت قدمی اور استقلال میں بھی ان کے ہمسر تھے سب سے بڑھ کر یہ کہ ان کی وفات پر ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے انھیں انسان صالح اور اخوت اسلامی کا علمبردار قرار دیا اور پھر ان کے لئے استغفار کرنے اور نماز جنازہ میں شرکت کے لئے بھی صحابہ کرام کو حکم دیا اور خود ان کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھا کر ایک ایسی سنت قائم فرمائی جس پر مسلمان ڈیڑھ ہزار سال سے عمل کر رہے ہیں (۳)! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم ربانی اپنی رسالت عامہ شاملہ اور رحمۃ للعالمین کا فریضہ انجام دیتے ہوئے اپنے عہد کے جن بادشاہوں کے توسط سے انسانیت کو دعوت اسلام کے ساتھ ساتھ فتنہ وفساد اور سرکشی سے باز رہنے، احترام آدمیت، عدل وانصاف کا نظام قائم کرنے اور امن وسلامتی کی راہ اپنانے کی تلقین اور تاکید فرمائی تھی ان بادشاہوں میں شاہ حبشہ حضرت اصحم نجاشی بھی شامل تھے، چنانچہ وہ واحد بادشاہ تھے جنہوں نے نہ صرف یہ کہ بلا چون وچرا دل وجان سے اپنے بھرے دربار میں دعوت اسلام قبول کی اور نامہ مبارک کو چوما بلکہ سفیر نبوی حضرت عمرو بن امیہ ضمری کو بھی سر آنکھوں پر بٹھایا اور نہایت مؤدبانہ انداز میں پوری تواضع اور عاجزی کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نامۂ مبارک کا جواب بھی لکھا تھا (۴) جبکہ اور کسی بادشاہ نے اپنے نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی خط کا جواب نہیں دیا تھا اور قبول اسلام کی توفیق بھی اور کسی کو نہ ہوئی!

کتب سیرت وتاریخ کے علاوہ کسی بھی بنیادی ماخذ ومصدر سے ایسا کوئی ثبوت، اشارۃ یا کنایۃ نہیں ملتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی حبشہ تشریف لے گئے ہوں (۵) اور وہاں کے احوال وحقائق کا براہ راست مشاہدہ فرمایا ہو، تاہم یہ واضح طور پر اور بلاشک وشبہ ثابت ہے کہ حبشہ کا نجاشی شہزادہ اصحم بن ابجر اپنے سگے چچا کی بے رحمی اور سنگدلی اور اس کے خوشامدی حبشی درباریوں کی ملی بھگت سے غلاموں کی منڈی میں ایک عرب تاجر کے ہاتھوں

فروخت ہو کر سرزمین حجاز کے بلاد بنو ضمرہ میں ایک مدت تک رہا تھا اور مقام غزوہ بدر کے آس پاس اپنے ضمری مالک کے اونٹ اور بکریاں (۶) چرا تا رہا تھا یہ ''غلام شہزادہ'' جہاں عقل و دانش اور ذکاء و ذہانت میں درجہ کمال پر تھا وہاں حکمت و تدبیر اور دور اندیشی میں بھی مشہور تھا، سلطنت حبشہ کے عوام بھی اس کے ان کمالات کو جانتے تھے اور بلاد عرب میں بھی وہ ''ایک عاقل و دانا غلام چرواہا'' متعارف تھا، یہ بات بھی تاریخی حقیقت کے طور پر ثابت اور مسلم ہے کہ سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نبوت اور بعثت سے قبل بھی نہ صرف اہل مکہ کے ہاں بلکہ تمام قبائل عرب میں بھی صادق و امین مسلَّم تھے، اسی طرح یہ بات بھی ثابت اور مسلم ہے کہ نبی رحمت و آزادی قبل از اعلان نبوت و رسالت بھی غلاموں کے مولیٰ، یتیموں کے والی، بیواؤں کا سہارا، ضعیفوں اور کمزوروں کے سرپرست، مظلوموں کے ساتھی، زیر دستوں کے غمخوار، مہمان نواز اور عدل و مساوات کے علمبردار اور داعی تھے بلکہ نبی و رسول بھی تھے، جیسا کہ اماں خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے اپنے تاریخی الفاظ بلکہ تاریخ ساز الفاظ میں اپنے عظیم شوہر کو خراج تحسین (۷) پیش کیا تھا! یہ الفاظ ایسی قائدانہ صفات ہیں جو اپنے اندر بڑی کشش اور جاذبیت رکھتی ہیں، خصوصاً زمانے کے ستائے ہوئے، معاشرہ میں پسے ہوئے اور زیر دستوں یا غلاموں کے لئے، عرب خصوصاً مکہ شریف میں حبشی غلاموں کے علاوہ کالے فقراء و مساکین اور مزدور پیشہ لوگوں کی بھی ایک اچھی خاصی تعداد تھی، یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ مساوات و آزادی کے یہ کالے متوالے رسول حریت و مساوات صلی اللہ علیہ وسلم کے ان افکار و کردار سے آگاہ نہ ہوں اور آپ کے دلدادہ و گرویدہ نہ ہوں! یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ ''بلالی دنیا'' کا یہ گروہ باہم شناساں نہ ہو اور اپنے ''غلام بنائے جانے والے حبشی شہزادہ'' سے واقف بھی نہ ہوں یا وہ غلام شہزادہ ان سے غافل و بے نیاز ہو!! بلالی دنیا کے یہ لوگ مختلف مواقع پر ملنے یا اکٹھا ہونے سے بھی عاجز یا محروم نہ ہو سکتے تھے، غلام شہزادہ بھی اپنی غلام رعایا سے ضرور ملتا ہوگا، وہ صنادید قریش سے بھی واقف اور شناساں تھا اور قریش کے یہ سردار بھی اسے جانتے ہوں گے بلکہ ''رحلۃ الشتاء والصیف'' (سردی گرمی کے اسفار

تجارت) کے ضمن میں یہ صناد ید وسردار یمن وشام کی طرح حبشہ بھی جاتے تھے، اس لئے یہ بات عقلاً محال ہے کہ یہ قریشی سرداراس آزمائش اور بدنصیبی سے واقف نہ ہوں جو شہزادہ اصحم بن ابجر نجاشی اوران کے مقتول والد کو درپیش آئی تھی! اہل مکہ اور اہل حبشہ کا یہ باہم میل جول، آنا جانا اور تعاون طرفین کو ایک دوسرے سے غافل اور ناواقف کیسے رکھ سکتا تھا؟ سب ایک دوسرے سے واقف اور شناساں تھے!

قریش کے جوانِ رعنا (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صداقت وامانت سے بھی سب آگاہ تھے، اپنے بھی، پرائے بھی، مکہ والے بھی، عرب والے بھی! صادق وامین (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی عرب وحبش سب سے آگاہ تھے سب کو اسی طرح جانتے تھے جس طرح ایک ہونہار نوجوان قائد اپنے گردوپیش کے سب لوگوں کو جانتا ہے اور وہ تو محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) نبی منتظر تھے! بھلا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اہل مکہ اور حجاز کی بلالی دنیا کے پوری طرح بلکہ اچھی طرح واقف و شناساں کیوں نہ ہوں گے؟! ایسے میں تقدیر کا مارا غلام شہزادہ مستقبل کے قائد انسانیت اور نبی منتظر کو کیوں نہ جانتا ہوگا اور وہ بلالی دنیا کے اس "غلام شہزادہ" کو کیوں نہ جانیں پہچانیں گے؟! اگر جانیں پہچانیں گے تو ملاقات اور باہمی بات چیت بلکہ باہمی تعارف میں کیا چیز مانع ہوسکتی تھی!؟

سرزمین حجاز کے سب باشندے، عرب وعجم اور حبش بھی وادیٔ بطحاء کے الصادق الامین صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل از بعثت واعلان نبوت ہی پوری طرح واقف وشناساں تھے، آپ کے اخلاق حسنہ اور عزائم اصلاح کو پوری طرح جانتے اور مانتے تھے، ایسے میں حبشہ کا غلام شہزادہ اگر اپنی بلالی دنیا سے ملنے آتا ہوگا تو قریش کے صادق وامین جوانِ رعنا صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ضرور ملتا ہوگا، اگر ملتا ہوگا تو مکہ مکرمہ کے تمام لوگ، بشمول بلالی دنیا اور قریش کے صادق وامین صلی اللہ علیہ وسلم، شہزادہ کی حق پرستی، صاف گوئی اور مظلومیت سے بھی آگاہ ہوں گے! یہ بات بھی بعید از قیاس نہیں کہ اہل حبشہ نے جب اپنے غلام شہزادہ کو بنوضمرہ کے عرب تاجر سے آزاد کرایا ہوگا تو حبشہ میں اپنی راجدھانی کے تخت سلطنت پر دوبارہ متمکن ہونے کے

لئے رخت سفر باندھنے سے پہلے مکہ مکرمہ میں اپنی بلالی دنیا، صنادید قریش اور سب سے بڑھ کر زیارت بیت اللہ کے لئے مومن نجاشی نے سفر کرنا ضروری سمجھا ہوگا اور اگر وہ وہاں گیا ہوگا تو کیا "بلالی دنیا" کے قلب و جان میں جگہ پانے والے مستقبل کے قائد انسانیت اور نبی منتظر ﷺ سے ملے بغیر وہ اپنی مراد پوری کر سکتا تھا؟ کیا عجب کے یہ لمحہ وہ لمحہ ہو جب بعثت و نبوت کا اعلان بھی ہو چکا ہو، مصطفیٰ ﷺ غار حراء سے اتر کر انسانیت کے لئے نسخہ کیمیا بھی ساتھ لا چکے ہوں اور حضرت ورقہ بن نوفل وحی و نبوت مصطفوی علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کی تصدیق کر کے یہ بتا چکے ہوں کہ اہل مکہ آپ کو گھر بار چھوڑ کر سنت انبیاء پر عمل کرنے اور ہجرت فی سبیل اللہ کے لئے مجبور کر دیں گے! ایسے میں حضرت نجاشی اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان راز و نیاز کی باتیں نہیں ہوئی ہوں گی اور بلالی دنیا کے حبشی عاشق نے اپنے محبوب صادق و امین ﷺ سے یہ درخواست نہ کی ہوگی کہ ہجرت کر کے مہمان داری کا شرف مجھے بخشا جائے؟! ہو سکتا ہے بات کو صیغہ راز میں رکھنے اور آہستہ آہستہ حبشہ منتقل ہونا طے پا گیا ہو اور صدور الاحرار قبور الاسرار (شرفاء اور آزاد انسانوں کے سینے تو رازوں کی قبریں ہوتی ہیں) کی عربی ضرب المثل پر عمل کرنے کا فیصلہ ہوا ہو؟! مگر مشیت ایزدی کا فیصلہ بالآخر غالب آ گیا اور حکم ربانی کے مطابق یثرب پیغمبر اسلام ﷺ کا دار الہجرت اور مدینۃ النبی قرار پا گیا ہو؟! مگر مورخ کے اس قلم کا کیا علاج جس نے تیرہ سالہ مکی عہد نبوت کی مفصل اور جامع تاریخ کو ضبط تحریر میں لانے کو ضروری نہ سمجھا! ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں آباد ہونے والے بزرگ صحابہ جہاد فی سبیل اللہ اور امور مملکت میں مشغول ہو جانے کے باعث مکی عہد کے واقعات بیان نہ کر سکے ہوں اور کتاب اللہ کو حفظ کرنے اور ارشادات نبوی کو محفوظ کرنے کے عظیم الشان کام نے اور کسی بات کی مہلت ہی نہ دی ہو اور مکہ کے مولفۃ القلوب کچھ ندامت اور کچھ شرمندگی کے باعث اپنی مخالفت اسلام کی باتیں بیان نہ کر سکے ہوں یا ان سے رجوع ہی نہ کیا گیا ہو اور اس طرح بہت سے مکی عہد کے مہتم بالشان واقعات آنکھوں سے اوجھل رہ گئے ہوں یا روایتی انداز کی

کتب تاریخ وسیرت میں درج نہ ہو سکے ہوں حتی کہ دار ارقم (جسے اہل مکہ دار الندوہ کے مقابلے میں دار الاسلام کہتے تھے (۸) جیسا اہم گوشہ سیرت پاک بھی آنکھوں سے اوجھل رہ گیا؟ ہجرت حبشہ اور حضرت نجاشی کی باتیں بھی اسی نسیان وفروگزاشت کی نذر ہو گئیں اور ابھی تک گوشہ گمنامی سے نہیں نکالی جا سکیں؟!

بہر حال اہل مکہ اور اہل حبشہ کے باہمی تعلقات اس نوعیت کے تھے کہ دونوں جگہ پیش آنے والے اہم واقعات وحوادث نہ صرف یہ کہ ایک دوسرے سے پوشیدہ نہیں رہ سکتے تھے بلکہ ایک حد تک ایک دوسرے پر اثر انداز بھی ہو سکتے تھے، اس لئے بادشاہت کی تبدیلی، ایک بادشاہ کا قتل ہونا اور شہزادے کا غلام بنایا جانا اور پھر آزاد ہو کر تخت وتاج کا مالک بن جانا ایسے اہم واقعات وحوادث ہیں جو اہل عرب خصوصاً اہل مکہ پر مخفی یا پوشیدہ نہیں رہ سکتے تھے، حبشی شہزادے کا بلاد بنو ضمرہ میں بطور غلام کام کاج کرنا بھی پوشیدہ نہیں رہ سکتا تھا، اس لئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی ان واقعات سے آگاہ ہونے کے ساتھ ساتھ نجاشی سے بھی واقف تھے اسی لئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہجرت حبشہ کی اجازت کے بعد سب بلا تردد اپنے حبشی مسلمان بھائی کے دیس میں جانے کے لئے تیار ہو گئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ نجاشی اپنے ہاں کسی پر ظلم کرتا ہے نہ ہونے دیتا ہے، یہ بھی فرمانا کہ سرزمین حبشہ تو دوستی اور سچائی کی سرزمین بھی ہے، یہ سب کچھ غیر متزلزل اعتماد اور گہری واقفیت کا بھی پتہ دیتا ہے، ابن سعد کا یہ لکھنا کہ ”کانت الحبشة احب الأرض إليه ان يهاجر قبلها (۹)“ (ہجرت کے لئے حبشہ آپ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ سرزمین تھی) کیا معنی رکھتا ہے؟ کیونکہ یہ ارشاد نبوی ابن سعد کے علاوہ کسی اور نے نقل نہیں کیا! یہ ارشاد نبوی کب، کہاں اور کس کے سامنے فرمایا گیا تھا؟ اگر یہ بات ابن سعد سے بھی اوجھل رہ جاتی تو کیسے معلوم ہو سکتا تھا کہ حبشہ بھی نگاہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم میں پسندیدہ دار الہجرت تھا؟ نجاشی کا عادل ومنصف ہونا اور اپنے رعایا پر ظلم کرنا تو دور کی بات ہے وہ تو اپنے ہاں کسی پر ظلم ہونے ہی نہیں دیتا تھا، اس کی سلطنت میں ظلم اور ظالم کے لئے تو کوئی جگہ

ہی نہ تھی! اسی لئے تو ارض حبشہ کو ارض صدق یعنی دوستی اور سچائی کی سرزمین فرمایا گیا! رسول عدل و مساوات نے تو اس بات پر بھی خوشی کا اظہار فرمایا تھا کہ میں فارس کے بادشاہ نوشیروانِ عادل کے عہد میں پیدا ہوا ہوں!

ابن سعد نے تو یہ بھی لکھا ہے کہ وہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ جن کے متعلق لسانِ نبوت نے یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ حضرت لوط نبی کے بعد اپنے اہل وعیال کے ساتھ دین کی خاطر ہجرت فی سبیل اللہ فرمانے والے حضرت عثمان غنی پہلے شخص ہیں وہی عثمان غنی دوسری بار ہجرت حبشہ کے لئے روانہ ہونے سے پہلے آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے الوداعی ملاقات کر رہے ہیں اور عرض کر رہے ہیں کہ یارسول اللہ! آپ نے بھی تو نجاشی کے ہاں ہجرت کرنے کا فرمایا تھا مگر اب ہم تو نجاشی کی طرف دوسری بار پھر ہجرت کر رہے ہیں مگر اب کے بھی آپ ہمارے ساتھ نہیں چل رہے؟! سوال یہ ہے کہ حضرت عثمان جس ارادہ نبوی کا ذکر کر رہے ہیں وہ آپ نے کب؟ کہاں؟ اور کس سے؟ ظاہر فرمایا تھا؟! ہے کوئی ریکارڈ؟ کیا حبشہ ہجرت کرنے کے ارادے کا اظہار کوئی معمولی بات تھی؟! خصوصاً اس لئے بھی کہ مہاجرین حبشہ تو نجاشی کے ہاں پانچ نبوی سے آٹھ ہجری تک تقریباً چودہ پندرہ سال مقیم رہے اور آخر میں اس اللہ کے بندے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارت (بذریعہ حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ) آنے پر اپنے دینی بھائیوں۔ صحابہ کرام۔ کو اور اپنی ماں۔ ام المومنین حضرت ام حبیبہ رملہ بنت ابوسفیان۔ رضی اللہ عنہا۔ کو تحفے دے کر خصوصی جہاز میں رخصت کیا تھا اور اپنے آدمی بھی اس التجاء کے ساتھ بطور محافظ و سفیر بھیجے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لئے دعائے مغفرت فرمائیں اور آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے ''اللھم اغفر النجاشی اے اللہ تو نجاشی کی مغفرت فرمانا'' اتنی بلند آواز سے فرمایا کہ حبشی وفد کے لوگوں کے ساتھ ساتھ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی سنا! مگر یہ تمام باتیں صرف چند مؤرخین اور سیرت نگاروں نے نقل کی ہیں، اکثریت نے ان سب باتوں کو درخور اعتناء بھی نہ سمجھا بلکہ اسی طرح جس طرح دار ارقم کو کسی نے درخور اعتناء نہ سمجھا بلکہ بعض نے تو ''دار ارقم'' کا نام لینے کے بجائے ''کوہ صفا کی تلی میں ایک

مکان" کہنے پر ہی اکتفاء کیا ہے!

کہنا یہ ہے کہ لوگوں سے مکی عہد مبارک کی سیرت پاک کے واقعات قلم بند کرنے میں کوتاہی ہوئی ہے حتیٰ کہ ابوجہل کے محلے میں اس کے قبیلہ بنو مخزوم کے پرجوش صحابی نوجوان حضرت ارقم بن ابی ارقم کی جرئت، ہمت اور قربانی کو بھی یاد نہ رکھا گیا بالکل ایسے ہی جیسے بالائی دنیا کے "اویس قرنی" حضرت اصحم نجاشی رضی اللہ عنہ کی خدمات اسلام، اہل اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو درخور اعتناء نہ سمجھا گیا!؟ مگر کچھ بھی ہو آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پرجوش جاں نثار صحابی حضرت ارقم کو بھلایا نہیں بلکہ ہجرت مدینہ کے بعد بھی مدینہ شریف کی وادی عقیق میں انہیں "مدینہ منورہ کا دار ارقم" بنانے کے لئے خصوصی قطعہ اراضی (۱۰) عطا فرمایا اور بالائی دنیا کے نمائندہ جاں نثار حضرت اصحم بن ابجر نجاشی شاہ حبشہ کے لئے دعائے مغفرت بھی فرمائی اور بذریعہ وحی ان کی وفات والے دن ہی اسی وقت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سامنے گواہی دی کہ "تمہارا مسلمان بھائی مرد صالح نجاشی فوت ہو گیا ہے، چلو سب جنازگاہ میں میرے ساتھ تاکہ اس مرد مؤمن کی غائبانہ نماز جنازہ (۱۱) ادا کریں! اور یوں اہل اسلام کو ایک ایسی سنت نبوی، علی صاحبہا الصلاۃ والسلام، بھی میسر آ گئی جس پر ڈیڑھ ہزار سال سے عمل ہو رہا ہے اور تا قیامت جاری رہے گا!

تاریخ نے جن عظیم ہستیوں کو نظر انداز کر کے ان کی حق تلفی کا ارتکاب کیا ہے ان میں شاہ حبشہ اصحم نجاشی رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں بلکہ وہ ان ہستیوں میں سب سے نمایاں اور منفرد حیثیت رکھتے ہیں! مغرب کے یہودی اور یہودیت زدہ عیسائی مستشرقین نے تو اپنی نگارشات میں نجاشی کو شایان شان مقام دینا پسند ہی نہیں کیا بلکہ ان کی اہمیت کو دانستہ طور پر گھٹانے کی کوشش کی ہے، اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے تعلق اور دلی لگاؤ کے اعتراف کو انہوں نے "گناہ" تصور کیا ہے، ان کا ذکر اگر مجبوراً کرنا بھی پڑا ہے تو بڑے حقارت آمیز انداز میں سرسری سا کر دیا ہے مگر اکثر مسلمان مورخین اور سیرت نگاروں نے بھی نجاشی کا حق ادا نہیں کیا، تاہم ابن سعد اور ابن ہشام وغیرہ نے ہجرت حبشہ کے ضمن میں نجاشی کا تفصیلی نہ

سہی اجمالی ذکر تو کیا ہے جو ایک اچھی بنیاد کا کام دیتا ہے لیکن سیرت ابن ہشام کے عظیم شارح ابوالقاسم السہیلی الاندلسی نے اس کمی کو پورا کرنے کی ایک اچھی کوشش کی ہے (۱۲) اور وہ امت مسلمہ کے شکریہ کے مستحق ہیں اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

سلطنت حبشہ کا تاج وتخت کئی صدیوں تک نجاشی خانوادہ کے پاس رہا، تاریخ میں اس حبشی خانوادہ کا بیرونی دنیا میں عمل دخل اس وقت شروع ہوا جب قیصر روم نے مشرقی مسیحیت کے دفاع اور تحفظ کا فریضہ حبشہ کے نجاشیوں کے سپرد کیا، یمن پر ایک مدت تک یہودی حکمران رہے، یمن کے یہودی بادشاہ (ذونواس) نے نجران میں پھیلتی ہوئی مسیحیت کا راستہ روکنے کے لئے وہاں کے مظلوم عیسائیوں کو زندہ جلا دیا تھا، ذونواس کے اس ظلم کی مذمت قرآن مجید (۱۳) میں بھی آئی ہے، ایک عیسائی فریادی قیصر کے دربار میں پہنچا تھا مگر اس نے دور فاصلے کا بہانہ کر کے براہِ راست مداخلت سے تو معذرت کی مگر اس نے حبشہ کے نجاشی کو ظالم یہودی بادشاہ کی سرکوبی کے لئے کہا، متعدد کوششوں اور شکستوں کے بعد نجاشی افواج نے ظالم یہودی سلطنت کا خاتمہ کر کے صنعاء پر مسیحی پرچم لہرا دیئے، جس ہاتھیوں والے ابرہہ نے حجاز پر بھی مسیحی قبضہ کی غرض سے بیت اللہ پر حملہ کیا تھا وہ بھی نجاشیوں کا ہی نائب السلطنت یا وائسرائے تھا! غلبہ مسیحیت کی ان فوجی مہمات میں چونکہ نجران کے پادریوں کا کردار نمایاں تھا اس لئے قیصر روم نے سیاسی غلبہ کے لئے نجران کے پادریوں سمیت مشرق وسطیٰ کے دوسرے علاقوں میں موجود عیسائی راہبوں اور پادریوں کے استحصال کو بھی ایک ہتھیار بنا لیا جسے بعد میں مستقل حیثیت حاصل ہوگئی (۱۴)!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ہجرت حبشہ کے وقت جو نجاشی حکمران تھا اس کا نام اصحم (یا اصحمہ ؟) تھا، اس کی ابتدائی زندگی کے متعلق یہی معلوم ہے کہ اس نے شاہی گھرانے میں جنم لیا، والد کا نام ابجر تھا جس کا صرف وہی اکلوتا بیٹا تھا، اصحم بن ابجر! عرب سیرت نگار (۱۵) سب متفق ہیں کہ یہ اکلوتا شہزادہ بہت ذہین اور مدبر تھا (کان ذکیا حازما) اس کا ایک چچا تھا جس کے بارہ بیٹے تھے! چچا کے ذہن میں فتور آ گیا اور تاج وتخت کا شوق

دماغ میں سمایا تو سگے بھائی کو قتل کروا کر بھتیجے اصحم کو غلاموں کی منڈی میں فروخت کروا دیا اور شاہی تخت پر قابض ہو گیا مگر قدرت خداوندی سے حالات نے یوں پلٹا کھایا کہ بالآخر شہزادہ اصحم بن ابجر غلامی سے نجات پا کر اپنے باپ کے تاج و تخت کا دوبارہ مالک بنا دیا گیا۔

مسلمانوں کی ہجرت حبشہ کے وقت ان انقلابات کی جو کہانی مروج اور متداول تھی اور ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سمیت صحابہ کرام نے سنی تھی اس کے بعض پہلو تو ناقابل یقین بلکہ نامعقول سے لگتے ہیں، بات یوں ہے کہ پہلی ہجرت حبشہ کے بعد صحابہ کرام یہ غلط خبر سن کر مکہ مکرمہ واپس آ گئے تھے کہ کفار مکہ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تعلقات اچھے ہو گئے ہیں اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا ہے، مکہ واپس آ کر مسلمانوں نے جب نجاشی کے حسن سلوک کے قصے سنائے تو قریش فکر مند ہو گئے کہ اگر مسلمان حبشہ پر چھا گئے تو ایک تجارتی منڈی قریش کے ہاتھ سے نکل جائے گی اور اسلام کو بھی فروغ حاصل ہو جائے گا اس لئے دوسری ہجرت حبشہ کے بعد کفار مکہ نے نجاشی کے پاس عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ کی قیادت میں اپنی سفارت بھیجی، بادشاہ کے لئے بے حد قیمتی تحائف کے علاوہ اس کے درباریوں کے لئے بھی تحفے بھیجے تا کہ حبشہ سے مسلمانوں کو نکلوا دیا جائے سفارت کاروں کی کوشش یہ تھی کہ بادشاہ مسلمانوں کا موقف سنے بغیر انہیں قریش کے حوالے کر دے، معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نجاشی نہ صرف یہ کہ مسلمان پناہ گیروں کو کسی طرح بھی واپس نہیں کرنا چاہتے تھے بلکہ عمرو بن عاص کی ہر چال کو ناکام بنا کر اس بھاری سفارت کاری کو بھی ہر حال میں ناکام و نامراد لوٹانے کا فیصلہ کر چکے تھے، پادریوں اور درباریوں نے یک زبان ہو کر مسلمانوں کا موقف سنے بغیر انہیں قریش کے حوالے کرنے کی رائے دی مگر نجاشی جیسا منصف حکمران یک طرفہ فیصلہ کیسے دے سکتا تھا؟ نیز وہ اپنے عہد و پیمان کے باعث اپنے مسلمان بھائیوں کو دوبارہ ظلم و اذیت کی آگ میں پھینک کر اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناراض نہیں کرنا چاہتے تھے، چنانچہ تمام مؤرخ اور سیرت نگار لکھتے ہیں کہ یہ صورت حال دیکھ کر نجاشی غضبناک لہجے میں بولے: ''اللہ کی قسم میں ایسا ہرگز نہیں کروں گا! ان لوگوں نے

میرے ملک میں پناہ لی ہے اور سب کو چھوڑ کر مجھے پسند کیا ہے! میں تو انصاف کا فیصلہ دوں گا!'' شمس الدین ذہبی نے سیر اعلام النبلاء (۱۶) میں نجاشی کے الفاظ نقل کیے ہیں ''لاھا اللہ ابداً! لا أرسلھم إلیھم! قوم جاوروني ونزلوا بلادي واختاروني علی مَنْ سواي، حتی ادعوھم فأسألھم عما یقولان!''

یعنی بخدا ہرگز نہیں! میں انہیں ان لوگوں کے پاس نہیں بھیجوں گا جب تک انہیں یہاں بلوا کر اس بارے ان سے دریافت نہ کرلوں جو یہ دونوں کہتے ہیں! ان لوگوں نے میری ہمسائیگی میں پناہ لی ہے، میرے ملک کے مہمان بنے ہیں اور میرے سوا سب کو چھوڑ کر مجھے پناہ کے لئے چنا ہے''۔

چنانچہ مسلمان دربار شاہی میں پیش ہو گئے، نجاشی نے پوچھا کہ اپنی قوم کے مذہب کو چھوڑ کر تم لوگوں نے میرا دین عیسائیت اختیار کی نہ یہودیت، آخر تمہارا دین ہے کیا؟ تب مسلمانوں کے ترجمان حضرت جعفر طیار نے وہ تقریر فرمائی جو اس کتاب کے باب ''ہجرت حبشہ عربی ادب میں'' میں مع ترجمہ موجود ہے، عمرو بن عاص نے ایک دوسرا جال بچھایا اور کہا کہ یہ مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں عجب عقائد رکھتے ہیں!

نجاشی کے سوال پر حضرت جعفر طیار نے فرمایا: ''حضرت عیسیٰ کے بارے ہمارے عقائد وہی ہیں جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتائے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں، اس کی روح اور کلمہ ہیں جو اس نے پاکدامن کنواری مریم کو عطا فرمایا!''

تب نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور کہا کہ حضرت عیسیٰ وہی کچھ ہیں جو آپ نے فرمایا ہے وہ اس تنکے کے برابر بھی فرق نہیں رکھتے!''

نجاشی کے اس قول پر پادری غرانے لگے! نجاشی نے کہا: بخدا تم بے شک غراتے رہو! بعض درباریوں نے کہا کہ بادشاہ سلامت! اب اہل حبشہ آپ کو معزول کر دیں گے!''

بادشاہ نے اس کی پروانہ کرتے ہوئے قریش کے سفیر سے پوچھا: ''کیا یہ لوگ تمہارے غلام ہیں؟ سفیر نے نفی میں جواب دیا، کیا انہوں نے تمہارا قرضہ دینا ہے؟ اس کا

جواب بھی نفی میں تھا! پھر پوچھا: کیا ان کے ذمہ تمہارے مقتول کا خون ہے؟ اس کا جواب بھی نفی میں تھا! ظاہر ہے اب نجاشی کا عادلانہ فیصلہ ہی آنا تھا اور وہ آ گیا (۱۷):

''جاؤ! تمہارے لئے میرے ملک میں امن و تحفظ ہے'' (اذهبوا فانتم شيوم بارضی!) شیوم حبشی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں پر امن اور پناہ یافتہ۔ نجاشی نے اپنی عربی گفتگو میں حبشی زبان کا صرف یہی لفظ یا لفظِ دبر من ذهب بمعنی سونے کا پہاڑ بھی بولا تھا مگر اس لئے نہیں کہ اسے عربی لفظ ''آمنون'' پناہ میں آنے والے اور امن پانے والے آتا نہیں تھا بلکہ دربار میں موجود عرب و عجم سب پر یہ واضح کرنے کے لئے کہ بادشاہ نے خود اپنی زبان میں بھرے دربار میں سب کے سامنے مسلمانوں کو پناہ دے دی ہے! اور کہہ دیا کہ آپ وہی رسول ہیں جن کی بشارت عیسیٰ علیہ السلام نے دے رکھی ہے! اگر میں بادشاہت کی ذمہ داریوں میں جکڑا ہوا نہ ہوتا تو ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تاکہ ان کے نعلین کو چوم سکوں! جب تک جی چاہے آپ لوگ میرے ملک میں رہ سکتے ہیں!'' پھر بادشاہ نے مسلمانوں کے لئے کھانے پینے اور لباس کا فرمان جاری کیا اور کہا کہ ''ان دونوں کو ان کے تحائف واپس کر دو (۱۸)''

ابن ہشام نے شاہ حبشہ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے (۱۹) کہ:

''رُدُّوا علیهما هدایاهما فواللهِ ما أخذَ اللهُ مِنی الرشوۃَ حین ردَّ علیَّ ملکی فآخذَ الرشوۃَ فیه، وما أطاعَ الناسَ فِیَّ فأطیعَهُم فیه

یعنی بخدا! میرے اللہ نے جب مجھے میرا ملک لوٹایا تھا تو مجھ سے کوئی رشوت نہیں لی تھی کہ اب میں اپنے رب کے بارے (یعنی اس کے دین حق کے معاملے میں) کسی سے رشوت لوں، نہ میرے اللہ نے میرے معاملے میں کسی کی بات مانی تھی اور نہ میں اپنے رب کے بارے (اس کے دین حق کے قبول کرنے کے معاملہ میں) لوگوں کی بات مانوں گا!''

نجاشی کا یہ بیان معنی خیز بھی ہے اور ایک معما اور تلمیح بھی، جسے واضح کرنے اور سمجھنے

سمجھانے کی بھی ضرورت ہے، مگر یہ ابہام دور کرنے سے پہلے نجاشی کے پاس قریش کے سفارت کاروں کی آمد، صحابہ کرام سے بات چیت اور نجاشی کے جرئتمندانہ اور مؤمنانہ موقف پر کچھ بات کرتے ہیں۔

(1) صنادید قریش کو بھی یہ اندازہ تھا اور ان کے سفارت کار بھی اچھی طرح جانتے تھے کہ اگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دربار میں بلا کر وضاحت طلب کی گئی تو معاملہ بگڑ جائے گا اس لئے بیان سنے بغیر چپ چاپ فیصلہ لیا جائے کیونکہ کفار مکہ اور ان کے سفیروں کو یہ بھی خدشہ تھا کہ نجاشی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان مفاہمت اور عقیدت و محبت کے روابط موجود ہیں۔

(2) صحابہ کرام کو اس ارشاد نبوی پر یقین تھا کہ سرزمین حبشہ واقعی سچائی اور دوستی کی سرزمین ہے، نجاشی حق پرست، صاف گو اور حق شناس ہے، اس لئے اسلام، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا مسیح علیہ السلام کے متعلق تمام عقائد اور مواقف کسی لگی لپٹی کے بغیر بیان کر دیئے جائیں تاکہ اہل حبشہ پر اصل حقیقت کھل جائے اور حضرت نجاشی کو بھی تسلی ہو جائے کہ رسول صادق و امین نے دار ارقم میں جن لوگوں کی تربیت و تزکیہ فرمایا ہے اور عدل و مساوات کے متعلق جو مصطفوی مشن ہے اس پر حرف بحرف عمل ہونے والا ہے۔

(3) اس تسلی اور اطمینان کے بعد حضرت نجاشی نے جس جرئت مومنانہ اور جس حکمت و تدبر سے قریش کی شیطانی سفارت کو ناکام بنایا اور صحابہ کرام اور دین حق کا جس طرح دفاع و تحفظ فرمایا وہ ان کے صدق و ایمان اور عقیدت و محبت کا آئینہ دار ہے۔

(4) اپنے عہد کے جن حکمرانوں کے نام خطوط نبوی، علی صاحبہا الصلاۃ والسلام، ارسال ہوئے ان میں سے تمام غیر عرب حکمرانوں کے دربار میں ترجمان کا ذکر ملتا ہے مگر اصحم نجاشی رضی اللہ عنہ حضرت جعفر کی تقریر کو براہ راست سمجھ کر متاثر ہوئے اور سورت مریم کی آیات بینات کی تلاوت سن کر تو آنسوؤں سے داڑھی بھگو لی، یہ اس بات کو واضح کرتا ہے کہ نجاشی نے واقعی بلاد بنو ضمرہ میں رہ کر غلام کی حیثیت سے عرب کے

بدویوں سے خالص فصیح عربی اچھی طرح سیکھ لی تھی۔

(5) اپنے بھرے دربار میں تلاوت آیات اور حضرت جعفر طیار کی تقریر سن کر یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خط پڑھ کر بادشاہِ وقت کا متاثر ہو کر دعوت اسلام قبول کر لینا کوئی آسان کام نہ تھا، پھر نجاشی کا یہ اعلان کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا رسول مان کر وہ ان پر ایمان لا چکے ہیں اور یہ کہ آپ ہی وہ نبی منتظر بھی ہیں جن کی بشارت و نوید حضرت ابن مریم علیہما السلام فرما گئے ہیں اور یہ بھی کہ اگر بادشاہت اور قیام عدل کی ذمہ داری آڑے نہ آئی ہوتی تو وہ حضرت نبوی، علی صاحبہا الصلاۃ والسلام، میں حاضر ہو کر نعلین مبارک کو سر آنکھوں پر رکھتا، یہ سب باتیں یہ اشارہ کرتی ہیں کہ حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ کہیں پہلے ہی ایمان کی دولت سے مالا مال ہو چکے تھے اور عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے رگ و پے میں پہلے ہی بس چکا تھا!!

(6) اس عبرت آموز اور دلکش منظر سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کے قیام و طعام کی اعلانیہ ذمہ داری قبول کرنا، انہیں خوش آمدید کہنا، دفاع و تحفظ کو اپنے ذمہ لینا اور ان کے درپے ہونے والوں پر جرمانے عائد کرنے کا اعلان بھی کرنا اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ نجاشی کے ہاں یہ طے تھا کہ وہ کاروانِ حجاز کے استقبال کی ذمہ داری قبول کر چکا ہے اس لئے صحابہ کرام کے ہراول دستے کے آرام و آسائش کا خیال رکھنا ضروری ہے، یہاں سے ابن سعد کے ہاں مذکور اس عبارت کا مفہوم بھی کھلتا ہے (۲۰) کہ ''كَانَتِ الحبشةُ أَحَبُّ الأرضِ إليهِ أن يُهَا جِرَ قِبَلَهَا'' یعنی ہجرت کے لئے حبشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ پسندیدہ جگہ تھی!'' اندازہ ہوتا ہے کہ عاشق اور محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کہیں راز و نیاز کی بات ہوئی تھی مگر مشیت خداوندی کا نظام غالب آیا اور حبشہ کی جگہ یثرب نے لے لی جو مدینہ منورہ بن گیا!

(7) اگر یہ تجزیہ و استنتاج درست مان لیا جائے (اور نہ ماننے کی کوئی وجہ نہیں؟!) تو پھر یہ حقیقت بھی ماننا پڑے گی کہ اصحم بن ابجر نجاشی شاہ حبشہ ایک طرف تو اویس قرنی رضی اللہ عنہ

سے مقاربت و مشابہت کے حامل نظر آتے ہیں اور دوسری جانب وہ بلالی دنیا یعنی کالے افریقہ کی نمائندگی کرتے ہوئے حضرت بلال بن رباح حبشی کے ساتھ کھڑے نظر آتے ہیں!؟

اب ہم اس ابہام اور معما کو لیتے ہیں کہ ''میرے اللہ نے میری سلطنت لوٹاتے ہوئے نہ رشوت قبول کی نہ کسی انسان کی مانی کہ اب میں اپنے رب کے معاملہ میں رشوت لوں یا لوگوں کی مانوں!'' یہ کہانی ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اہل حبشہ سے سنی اور پھر ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سنائی اور ان سے آگے ان کے بھانجے عروہ بن زبیر نے بیان کی (۲۱) کہ نجاشی اصحم کے والد اپنی قوم کے بادشاہ تھے، بادشاہ کا ایک سگا بھائی تھا جس کے بارہ بیٹے تھے جبکہ بادشاہ کا صرف ایک ہی بیٹا اصحم نجاشی تھا، اہل حبشہ نے باہم مشورہ کیا اور طے کیا کہ اگر ہم اصحم نجاشی کے والد کو قتل کر دیں اور اس کے بھائی کو بادشاہ بنادیں جس کے بارہ بیٹے ہیں جو یکے بعد دیگرے بادشاہ بنتے رہیں گے تو حبشی ایک طویل مدت تک کسی اختلاف اور نئے بادشاہ کی تلاش سے چھٹکارا پالیں گے چنانچہ حبشیوں نے بادشاہ کو قتل کر کے اس کے بھائی کو تخت شاہی پر بٹھادیا، اصحم نجاشی اپنے چچا کا شریک اقتدار بن گیا، چونکہ شہزادہ بہت عقلمند اور بے حد ہوشیار تھا اس لئے اپنے چچا کے اقتدار پر چھا گیا، حبشیوں نے جب یہ دیکھا تو بہت پریشان ہو گئے اور کہنے لگے کہ یہ لونڈا تو اپنے چچا کی حکومت کا کرتا دھرتا بن گیا ہے اور ہوسکتا ہے کہ کسی دن چچا اپنے بھتیجے کو ہمارا بادشاہ بنا کر ایک طرف ہو جائے، لونڈے کو پتا ہے کہ ہم اس کے باپ کے قاتل ہیں، اگر ایسا ہو گیا تو ہماری اشرافیہ میں سے کوئی بھی نہیں بچے گا، اس لئے بادشاہ سے کہا جائے کہ یا تو اسے قتل کروادے یا جلاوطن کروا دے، چنانچہ وہ بادشاہ کے پاس گئے اور کہا کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ اس جوان نے آپ پر غلبہ پالیا ہے، آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ ہم نے اس کے باپ کو قتل کر کے آپ کو اس کی جگہ بادشاہ بنایا ہے، ہمیں ڈر ہے کہ یہ ہمارا بادشاہ بن جائے گا اور ہمیں قتل کروادے گا، اس لئے اسے قتل کروادیجئے یا جلاوطن کروادیجئے، بادشاہ نے ان سے کہا کہ یار کیا کرتے ہو؟ کل تم نے اس کا

باپ قتل کر دیا تھا اور آج بیٹے کو مروانا چاہتے ہو، میرا خیال ہے میں اسے جلا وطن کرا دیتا ہوں!

چنانچہ حبشی سردار اصحم نجاشی کو غلاموں کی منڈی میں لے گئے اور اسے ایک تاجر کے ہاتھ فروخت کر دیا، تاجر نے انہیں چھ سو یا چار سو درہم پکڑائے اور غلام کو اپنے بحری جہاز میں ڈال دیا اور اسے لے کر چل دیا، مگر جب شام ہوئی تو موسم خریف کا بادل آسمان پر نمودار ہوا، بادشاہ کو بارش میں نہانے کا شوق چڑایا اور وہ شاہی محل سے بارش میں نکل آیا، آسمانی بجلی کڑکی اور بادشاہ کو بھسم کر دیا! چنانچہ حبشیوں نے اس کے بیٹوں کا رخ کیا مگر وہ سب کے سب احمق نکلے، ان میں سے کسی میں بھی باپ کا تخت سنبھالنے کی صلاحیت نہیں تھی، چنانچہ حبشہ میں ہنگامہ کھڑا ہو گیا، بادشاہ گر حبشی سردار اکٹھے ہوئے تو سب کی رائے یہی نکلی کہ ہماری بادشاہت کے قابل تو وہی جوان تھا جسے تم نے صبح کو غلاموں کی منڈی میں فروخت کر ڈالا ہے، اس لئے اگر حبشی سلطنت کو بچانا ہے تو دور جانے سے پہلے ہی اسے جا لو! لوگ اس کی تلاش میں نکل پڑے اور اسے رستے میں جا لیا، واپس لا کر اس کے سر پر تاج سجایا، تخت پر بٹھایا اور بادشاہ بنا دیا!

اس کہانی کا ملحق یا تتمہ بھی ہے اور وہ یوں ہے کہ حبشی بادشاہ گر اور سازشی شہزادہ کو تاجر سے چھین کر لائے تھے اور اس کے چھ سو درہم بھی واپس نہیں کئے تھے، چنانچہ وہ تاجر ان کے پیچھے پیچھے چلا آیا اور ان سے مطالبہ کیا کہ میری رقم دو یا غلام واپس کرو مگر حبشیوں نے کچھ بھی دینے سے صاف انکار کر دیا، تاجر نے بادشاہ سے شکایت کی دھمکی بھی دی مگر انہوں نے کہا کہ جو بھی کرنا ہے کر لے ہم تجھے کچھ نہیں دیں گے، چنانچہ تاجر نے بادشاہ سے شکایت کی کہ میں نے قیمت ادا کر کے ان سے غلام خریدا تھا، انہوں نے زبردستی وہ غلام تو مجھ سے چھین لیا ہے مگر میری رقم مجھے واپس نہیں کر رہے! یہ بادشاہ کی دانشمندی، عدل اور قوت فیصلہ کا پہلا امتحان تھا، چنانچہ بادشاہ نے سازشی حبشیوں سے کہا: اسے اس کی رقم واپس کر دو ورنہ غلام اپنا ہاتھ تاجر کے قبضہ میں دے دے گا پھر وہ جہاں چاہے گا اسے لے جائے گا، سازشیوں نے کہا ہم اس تاجر کو رقم واپس کرتے ہیں! اسی وجہ سے نجاشی نے کہا تھا کہ میرے اللہ نے جب مجھے میرا

ملک اور اقتدار مجھے لوٹایا تو اس نے مجھ سے کوئی رشوت نہیں لی تھی اور نہ میرے معاملے میں لوگوں کی بات مانی تھی اس لئے اب میں بھی نہ اس معاملہ میں تحائف کی شکل میں رشوت لوں گا نہ کسی کی بات مانوں گا خواہ مجھے کوئی سونے کا پہاڑ ہی پیش کردیں!"

اس قسم کے واقعات اور کہانیاں تاریک زمانوں کے معاشروں میں ناممکن نہیں تھیں! اس لئے اس کے امکانات کو تو رد نہیں کیا جا سکتا مگر پھر بھی اس خود ساختہ کہانی میں بعض نقائص اور کمزوریاں قابل توجہ ہیں۔

شاہی دربار کے اختتام پر حبشی سرداروں اور پادریوں نے یہ دھمکی بھی دی تھی کہ "ولو علمت الحبشة بذلك لتخلعنك" اگر اہل حبشہ کو یہ پتہ چل گیا کہ تو نے دعوت اسلام قبول کرتے ہوئے رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبدیت کا اعتراف کر لیا ہے تو وہ تیرے خلاف بغاوت (۲۲) کردیں گے!) چنانچہ اس بغاوت میں زیادہ دیر نہ لگی، ایک حبشی سردار مقابلے پر آ گیا، اس بغاوت پر مسلمانوں کو بھی سخت پریشانی لاحق ہوئی مگر نجاشی کی پریشانی دوگنا تھی، ایک طرف تو اسے اپنی بادشاہت خطرے میں نظر آ رہی تھی مگر دوسری جانب اس بات کی بھی تشویش تھی کہ جن مسلمانوں کو پناہ دے چکا ہوں اور اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حبشہ کو پرامن اور محفوظ جائے ہجرت بنانے کی ذمہ داری لے چکا ہوں، اگر معاملہ بگڑ گیا تو رسول اولین و آخرین کے سامنے شرمندہ ہوں گا! حضرت ام سلمہ بھی بیان کرتی ہیں (۲۲) کہ سب مسلمان خوف زدہ تھے کہ نجاشی نے تو ہمیں پناہ دے دی ہے اور ہمارے تحفظ و فلاح کی بھی ذمہ داری لے لی ہے، معلوم نہیں نیا آنے والا حکمران ہمارے ساتھ کیا سلوک کرے!

اس موقع پر حضرت نجاشی نے جو کچھ کیا وہ ان کی دور اندیشی اور تدبر کی بہترین مثال ہے، وہ چاہتے تھے کہ ان کی شکست کی صورت میں بھی ان کے مسلمان مہمانوں اور بھائیوں کو کوئی گزند نہ پہنچے، چنانچہ بادشاہ نے مسلمانوں کی محفوظ واپسی کے لئے کشتیاں تیار کروادیں اور مشورہ دیا کہ میری شکست کی صورت میں آپ سب لوگ فوری طور پر رسول

اللہ ﷺ کی خدمت میں واپس چلے جائیں گے اور صورت حال سے انہیں آگاہ کر دینا (۲۳)! یہ عہد نبھانے اور ذمہ داری محسوس کرنے کی روشن دلیل ہے! اپنے دشمن کے خلاف اس جنگ میں نجاشی نے مسلمانوں کو ملوث کرنا مناسب نہ سمجھا، صرف دعا کی درخواست کی، چنانچہ تمام اہل ایمان نجاشی کی فتح کے لئے دست بدعا ہو گئے، اپنے میں سب سے زیادہ جرأت مند اور پرعزم نوجوان حضرت زبیر بن عوام حواری رسول ﷺ کو دریائے نیل عبور کرنے کے لئے ضروری ساز و سامان دیا اور جلد سے جلد جنگ کے نتائج سے آگاہ کرنے کا کام سونپ دیا، نجاشی کی فتح کے بعد وہ جلدی جلدی واپس آئے اور دور ہی سے ہاتھ ہلا کر مسلمانوں کو فتح کی خوشخبری دی!

نجاشی نے میدان جنگ کی صورت حال سے یہ اندازہ لگالیا تھا کہ دشمن کو جنگ میں شکست دینا شاید آسان نہ ہو اس لئے حکمت و تدبیر کی چال سے کام لیتے ہوئے حبشہ کے باغی سپاہیوں کو دشمن سے الگ کرنے کا عزم کیا، ایک کاغذ پر کلمہ توحید لکھا اور ساتھ ہی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی عبدیت کا اقرار بھی لکھ دیا اور یہ کاغذ اپنے سینے پر بائیں طرف قمیص میں چھپالیا اور پھر اہل حبشہ سے مخاطب ہوئے کہ آپ لوگ میرے عدل و انصاف اور حسن انتظام کو جانتے ہیں تو پھر مجھ سے خفا کیوں ہیں؟ حبشی سپاہیوں نے کہا کہ آپ نے حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ کا بندہ کہا ہے اور ان کی الوہیت کا انکار کیا ہے! نجاشی نے پوچھا کہ تمہارا کیا عقیدہ ہے؟ سب نے کہا کہ وہ تو اللہ کے بیٹے ہیں! نجاشی نے کہا کہ میرا بھی یہی عقیدہ ہے (اور اپنے دائیں ہاتھ سے سینے کی بائیں طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ بخدا میرا بھی تو یہی عقیدہ ہے؟) مقصد یہ تھا کہ جو کچھ میں نے عقیدۂ توحید اور عبدیت مسیح کے متعلق قمیص کے اندر چھپے ہوئے کاغذ پہ لکھا ہے میرا ایمان تو اسی پر ہے! یہ جھوٹ نہ تھا بلکہ توریہ اور کتمان ایمان تھا جو ازروئے قرآن و شریعت جائز ہے! یعنی از راہ مصلحت ایمان چھپانا اور فتنہ فرو کرنے کے لئے توریہ (بات چھپا کر ٹالنا) سے کام لینا جائز ہے! حبشیوں نے یہ سمجھا کہ نجاشی ان کے عقیدہ کی طرف اشارہ کر رہا ہے حالانکہ وہ اس چٹ کی طرف اشارہ کر رہے تھے جو

انہوں نے قمیص کے اندر چھپا رکھی تھی اور جس پر عقیدۂ توحید اور عبدیت مسیح کا اقرار تحریر تھا! اس طرح حبشی سپاہیوں نے باغی سردار کا ساتھ چھوڑ دیا اور نجاشی کو فتح نصیب ہوئی (۲۴)!

اس فتح کے بعد نجاشی کی توجہ کا مرکز مسلمان مہاجرین کی بہتری، اسلام کی تقویت و اشاعت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر گیری اور احوال سے آگاہی رہی، ایک طرف تو وہ اہل حبشہ میں سے نیک بندوں اور خوش نصیب روحوں کو نبی منتظر کی آمد، بشارت مسیح کے ظہور اور اسلام کے غلبہ سے آگاہ کرتا رہا، کبھی کوئی حبشی وفد مکہ مکرمہ جا رہا ہے اور کبھی مدینہ منورہ میں حاضر خدمت ہو رہا ہے، حبشہ سے آنے والے یہ متلاشیانِ حق ایمان اور صحبتِ نبوی سے سرفراز ہو کر واپس جاتے اور اہل وطن کو بتاتے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی بشارت سامنے آگئی ہے، نبی منتظر کا ظہور ہو چکا ہے اور دین حق کی اشاعت ہو رہی ہے (۲۵)۔

عجیب بات یہ ہے کہ حضرت نجاشی اصحم بن ابجر کے والد کا قتل ہونا اور پھر بیٹے کا غلاموں کی منڈی میں فروخت کیا جانا تو تاریخ کے درست اور ٹھوس حقائق ہیں مگر ہجرت حبشہ کے وقت اہل حبشہ کے ہاں انقلابات کی جو داستان مروج اور متداول تھی اور جس کی واضح کمزوریاں اسے تاریخی حقائق کے بجائے فسانہ طرازی کا ''شاہکار'' بنا دیتی ہیں انہیں تمام بڑے بڑے سیرت نگار اور مورخ من وعن یونہی نقل کرتے ہوئے مکھی پر مکھی مارتے چلے جاتے ہیں اور کوئی بھی اس پر ناقدانہ و مبصرانہ نظر نہیں ڈالتا! اگر امام ابوالقاسم سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نجاشی کی غلامی اور ان کے مقتول والد کی جگہ ان کے ظالم چچا کی داستان کو دوٹوک الفاظ میں بیان نہ کرتے تو بات کسی طرح بھی کھل کر واضح نہ ہو پاتی!!

علمی دیانت و امانت کا تقاضا یہ ہے کہ ان کمزوریوں اور نقائص کو قاری کے سامنے واضح شکل میں پیش کیا جائے اس لئے اس کے نمایاں پہلو ایک بار پھر دہرا دیئے جائیں تا کہ ان کی روشنی میں کہانی کے نقائص اور کمزوریاں آسانی سے سمجھ میں آسکیں۔ نجاشی شاہ حبشہ حضرت اصحم بن ابجر کے غلام بنائے جانے اور پھر آزاد ہو کر دوبارہ حبشہ کے تختِ شاہی پر فائز ہونے کی کہانی بلاشبہ دلچسپ بھی ہے اور عبرت آموز بھی مگر اس کے مفصل بیان میں

کچھ کمزوریاں اور نقائص بھی ہیں جو اسے عقلی طور پر مشکوک بنا دیتی ہیں بلکہ نا قابل یقین بھی دکھائی دیتی ہیں کہانی کے یہ نمایاں اور قابل ذکر پہلو یہ ہیں:

(1) شاہی دربار کے مصاحبین اور "بادشاہ گروں" کا یہ خیال کہ نجاشی اصحم اپنے باپ ابجر کا اکلوتا بیٹا ہے جبکہ اس کے بھائی کے بارہ بیٹے ہیں درباری بادشاہ گروں کو یہ فکر دامنگیر ہوئی کہ اگر نجاشی اصحم کا والد فوت ہو جاتا ہے تو اس کا اکلوتا بیٹا تخت نشین ہو جائے گا لیکن اس اکلوتے کو بھی کچھ ہو گیا تو پھر ہمیں اپنا نیا بادشاہ ڈھونڈنا پڑے گا، کیوں نہ بادشاہ کو ٹھکانے لگا کر اس کے بھائی کو تخت پر بٹھا دیا جائے جس کے بارہ بیٹے ہیں جو یکے بعد دیگرے بادشاہ بنتے رہیں گے اور یوں اہل حبشہ ایک طویل مدت تک بادشاہ گری کے چکر سے آزاد اور بے فکر رہ سکیں گے چنانچہ نجاشی اصحم کے والد کو قتل کر کے اس کے بھائی کو تخت پر بٹھا دیا گیا یہ وحشیانہ بے عقلی تو ہو سکتی ہے اور حبشی وحشیوں کی بلاہت اور حماقت سے یہ بعید بھی نہیں، مگر یہ محض درباری اور بادشاہ گر اہل سیاست کا کام نہیں لگتا بلکہ یہ سگے بھائی کی اپنی سازش اور دماغی فتور کا شاخسانہ لگتا ہے۔

(2) نیا بادشاہ اپنے بارہ نالائق بیٹوں میں سے کسی کی مدد لینے کے بجائے اپنے مقتول بھائی کے اکلوتے بیٹے کو ہی اپنا معاون اور مشیر حکومت بنا لیتا ہے جو بڑی حکمت و دانائی اور حسن تدبیر سے اپنے چچا کی حکومت چلاتا ہے اور اپنے چچا کو کاروبار حکومت سے بے نیاز اور بے فکر بنا دیتا ہے، مگر یہ بات درباری بادشاہ گروں کو پریشان کر دیتی ہے کہ "یتیم شہزادہ" تو نئے بادشاہ پر چھا گیا ہے، ہو سکتا ہے کہ کل وہی سلطنت حبشہ پر بھی قبضہ کر لے تو پھر اس صورت میں بادشاہ گروں کی خیر نہیں اس لئے وہ اس کے چچا سے کہتے ہیں کہ اس شہزادہ کو بھی قتل کروا دیجئے کیونکہ یہ ہمارے لئے ایک مستقل خطرہ ہے مگر چچا کو اپنے ہونہار یتیم بھتیجے پر ترس آ جاتا ہے اور وہ اسے قتل کرانے کے بجائے غلاموں کی منڈی میں فروخت کروا دیتا ہے! مگر یہ رحمدلی نہیں بلکہ شرمناک سنگدلی ہے بھلا موت کے بجائے غلامی کے منہ میں دینے سے بڑی سنگدلی اور کیا ہوگی؟!

(3) جس دن شہزادہ اصحم بطور غلام چار یا چھ سو درہم میں فروخت ہوتا ہے اسی روز شام کو موسم خریف کی بارش میں نیا بادشاہ نہانے کا لطف اٹھا رہا ہوتا ہے کہ آسمانی بجلی اسے بھسم کر دیتی ہے! یہ شاعرانہ انصاف ہی نہیں احمقانہ معجزہ" بھی لگتا ہے!

(4) اسی شام ہی مرنے والے کے بارہ کے بارہ وارث بیٹے سب احمق اور نالائق ثابت ہوتے ہیں اور یہ سب کچھ ایک شام کو ہی انجام پا گیا؟ سبحان اللہ! جس سے مایوس و پریشان ہو کر درباری بادشاہ گر اپنی غلطی کو محسوس کرتے ہیں اور غلام شہزادے کو واپس لانے کا فیصلہ کرتے ہیں چنانچہ خریدنے والے تاجر کو رستے میں ہی جا لیتے ہیں اور شہزادہ اصحم نجاشی کو واپس لا کر تخت پر بٹھا دیتے ہیں گویا اب حبشی بادشاہ گروں کو اس سے کوئی خطرہ نہیں رہا!؟

(5) تاجر کو چھ سو درہم واپس کرنے سے انکار کر دیا جاتا ہے مگر وہ خود نئے بادشاہ کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کر دیتا ہے، بادشاہ منصفانہ فیصلہ کرتے ہوئے رقم واپس کرنے کا حکم دیتا ہے بصورت دیگر شہزادہ خود کو اپنے خریدنے والے مالک کے قبضہ میں دے دے گا! یوں درباری بادشاہ گر تاجر کی رقم لوٹا دیتے ہیں تا کہ نئے بادشاہ کو اپنے باپ کے قاتلوں کے ساتھ ساتھ اسے فروخت کرنے والے مجرم بھی اس کے سامنے ننگے ہو جائیں!

(6) جیسا کہ آپ دیکھتے ہیں کہ اس کہانی میں پہلی کمزوری یہ ہے کہ بادشاہ کی اکلوتی اولاد صرف درباریوں ہی کو فکر مند کیوں بناتی ہے؟ یہ کرتوت بادشاہ کے "مہربان بھائی" کی اپنی خواہش اقتدار اور منصوبہ بندی کیوں نہیں ہو سکتی؟ دوسری کمزوری یہ ہے کہ نیا بادشاہ اپنے بیٹوں کے بجائے مقتول بھائی کے اکلوتے بیٹے ہی کو اپنی حکومت میں کیسے اور کیوں دخیل بناتا ہے؟ تیسری کمزوری یہ ہے کہ جس روز شہزادہ غلاموں کی منڈی میں فروخت ہوتا ہے اسی دن ہی شام کو نیا بادشاہ آسمانی بجلی گرنے سے مار اجاتا ہے اور اسی شام بادشاہ گر سرداروں اور درباریوں کو یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ مرنے والے کے بارہ بیٹے تو بالکل احمق اور نااہل ہیں؟! اس افسانے میں

چوتھی کمزوری تو ایک ''معجزہ'' ہی معلوم ہوتی ہے، احمق درباری خریدار تاجر کو رستے ہی میں جا لیتے ہیں حالانکہ وہ سمندر میں کہیں دور تک جا پہنچا ہوگا اور پھر اسے بلا تردد اور کسی خوف یا خطرہ کے بغیر تخت پر بٹھا دیتے ہیں اور کہانی کی پانچویں کمزوری بھی ایک ''احمقانہ معجزہ'' ہے کہ تاجر کو قیمت واپس کرنے کے بجائے اسے یہ کہہ کر بھگا دیتے ہیں کہ ''جا کر لے جو کرنا ہے!'' اور وہ بادشاہ کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کر کے ان سے رقم وصول کر لیتا ہے(۲۶)!!

نجاشی اصحم کے والد کا قتل ہونا، شہزادہ کا غلام بنایا جانا اور پھر دوبارہ حبشہ کے تخت پر متمکن ہونا تو درست ہو سکتا ہے اور ہے بھی مگر کہانی کی باقی کمزوریاں افسانہ طرازی کا نتیجہ ہیں، لگتا ہے سنگدل چچا نے ہی نجاشی اصحم کے باپ کے قتل کی سازش تیار کی تھی اور پھر شہزادے کو قتل کرانے کی بجائے کمائی کرنے کے لئے اسے غلاموں کی منڈی میں فروخت بھی کروا دیا تھا پھر ایک مدت تک حکومت کرنے کے بعد چچا بادشاہ آسمانی بجلی کی زد میں آیا، اس کے بیٹوں نے اہل حبشہ کو مایوس کیا تو وہ نجاشی کو حجاز میں بنو ضمرہ کے تاجر سے واپس لے آئے اور تخت پر بٹھا دیا یوں ملک واقتدار کے مالک اور ذلت دینے والے قادر مطلق کا نظام ربانی رنگ لایا!!

یوں لگتا ہے کہ حضرت نجاشی حجاز میں بلاد بنو ضمرہ کے ضمری تاجر کی غلامی سے آزاد ہو کر حبشہ کے تخت شاہی پر تو متمکن ہو گئے تھے اور سرزمین حبشہ کو سرزمین عدل وانصاف بنائے رکھنے اور مملکت حبشہ کے نظام کو انسانیت دوست، امن وسلامتی کا گہوارہ اور آزادی و مساوات کا نقیب وعلمبردار بنائے رکھنے کا فریضہ انجام دے رہے تھے مگر ان کا دل سرزمین حجاز میں تھا اور نظر عقیدت ومحبت سرزمین حرم کے احوال وکوائف پر تھی، وہ ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے محبوب حجازی صلی اللہ علیہ وسلم سے غافل نہ تھے، ان کے فرستادہ سراغ رسان انہیں پل پل کی خبر دے رہے تھے، ان کے دل میں آرزو تھی تو صرف یہ کہ ہر آنے والا کل اسلام، اہل اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بہتر سے بہتر صورت احوال کا پیغام لے کر آئے، وہ

دل کی گہرائی سے تو یہ چاہتے تھے کہ ان کے کلمہ گو برادران اسلام جلد سے جلد اور روز بروز زیادہ سے زیادہ مقدار میں بلا خوف و خطر حبشہ آتے رہیں اور بالآخر اسلامی قافلہ، حجاز کے میر کاروان رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی ''ارض صدق'' (دوستی اور سچائی کی سرزمین) کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے مشرف فرمائیں مگر وہ انتہائی اخلاص و ایمان کے ساتھ صرف اسلام کی خیر خواہی اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی و راحت کو اصل مقصد سمجھتے تھے، یہ مقصد سرزمین حبشہ میں حاصل ہو یا وادئ یثرب کو یہ شرف نصیب ہو۔

عرب مہاجرین حبشہ کی بھی نظریں تو سرزمین حجاز کے تیزی سے بدلتے احوال اور اسلامی انقلاب کی طرف بڑھتے ہوئے اقدام پر ہی تھیں مگر ان کے کلمہ گو بھائی عاشق رسول نجاشی کے سرکاری وسائل ان سے زیادہ تیز اور پر اثر تھے، چنانچہ روئے زمین پر پہلے معرکہ حق و باطل غزوۂ بدر میں کفار مکہ کی کمر توڑ شکست اور اہل اسلام کی شاندار فتح کی خبر حبشہ میں سب سے پہلے شاہ حبشہ نے سنی اور اللہ کے حضور سربسجود ہو گیا اور ساتھ ہی یہ خوشخبری سنانے کے لئے اپنے کلمہ گو بھائیوں کو بھی شاہی محل میں بلا بھیجا، چنانچہ امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ مسلمان جب شاہی محل میں پہنچے تو اپنے عہد کا واحد بادشاہ عاشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مَسُوح (کھردرا صوفیانہ لباس) زیب تن کئے اور راکھ پر بیٹھے ہوئے حمد باری تعالیٰ اور درود مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں مصروف تھا! سب نے پوچھا: بادشاہ سلامت یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں؟ فرمایا بھائیو: ہمارے مقدس صحائف میں یہ تاکیدی حکم آیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے پر اپنا فضل و انعام فرمائے تو وہ بندہ بھی نہایت عاجزی کے ساتھ خاک نشین ہو کر اللہ کی حمد و ثناء کرے اور تشکر و تواضع کا مظاہرہ کرے! ہم اہل اسلام پر رب نے یہ احسان فرمایا ہے کہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دشمنوں پر شاندار فتح حاصل ہوئی ہے، یہ معرکہ ایک وادی میں برپا ہوا ہے جسے وادئ بدر کہتے ہیں، یہاں اراک کے پودے عام ہوتے ہیں اور میں یہیں پر اپنے عسری آقا عرب تاجر کے اونٹ اور بکریاں چرایا کرتا تھا!!

یہاں پر امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے نجاشی کے الفاظ بھی نقل کئے

ہیں، یہ الفاظ اور ان کا اردو ترجمہ دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا (۲۷):

وقد روی أن وقعة بدر حین انتهی خبرها إلی النجاشی وعلم بها قبل من کان عنده من المسلمین فأرسل إلیهم فلما دخلوا علیه إذا هو قد لبس مسوحا وقعد علی التراب والرماد، فقالوا! له ما هذا أیها الملكُ؟ فقال: ''إنا نجد فی الإنجیل: أن الله سبحانه إذا أحدث بعبده وجب علی العبد أن یحدث لله تواضعاو أن الله قد أحدث إلینا والیکم نعمة عظیمة وهی أن النبی محمدا، صلی الله علیه وسلم، بلغنی أنه التقی هو وأعداؤه بواد یقال له بدر کثیر الأراك کنت أرعی فیه الغنم علی سیدی وهو من بنی ضمرة، وأن الله قد هزم أعداءه فیه ونصر دینه! فدل هذا الخبر علی طول مکثه فی بلاد العرب، فمن هنا، والله أعلم، تعلم من لسان العرب، ما فهم به سورة مریم حین تلیت علیه حتی بکی واخضل لحیته، وروی عنه أنه قال: انا نجد فی الإنجیل أن اللعنة تقع فی الأرض إذا کانت إمارة الصبیان!

''یعنی مروی ہے کہ غزوۂ بدر کی خبر جب نجاشی کو پہنچی اور وہ اپنے ہاں کے مسلمانوں سے پہلے اس سے آگاہ ہو گیا تو اس نے انہیں بلا بھیجا، سو جب مسلمان اس کے پاس شاہی محل میں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ بادشاہ نے کھردرا لباس پہنا ہوا ہے اور وہ خاک اور راکھ پر بیٹھا ہے، مسلمانوں نے کہا: بادشاہ سلامت یہ کیا ہے؟ تو اس نے کہا کہ ''ہم انجیل میں دیکھتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لئے کچھ کرے تو بندے پر بھی واجب ہے کہ وہ بھی اللہ کے سامنے عاجزی و تواضع کرے اللہ تعالیٰ نے ہم پر اور تم پر بہت بڑا انعام فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ نبی کریم محمد ﷺ کے متعلق خبر ملی ہے کہ ایک

وادی میں ان کا دشمن سے مقابلہ ہوا ہے جسے وادیٔ بدر کہتے ہیں جہاں پیلو کے درخت بہت ہوتے ہیں، یہاں میں اپنے آقا کی بکریاں چراتا تھا جو بنوضمرہ سے تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمن کو شکست سے دوچار کیا ہے اور انہیں فتح و نصرت سے نوازا ہے!'' تو یہ واقعہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ نجاشی طویل مدت تک بلادِ عرب میں رہا اور یہیں پر۔ واللہ اعلم۔ اس نے عربی زبان سیکھ لی تھی جس سے اس نے سورت مریم آسانی سے سمجھ لی تھی جب اس کی اس کے سامنے تلاوت کی گئی تھی، حتیٰ کہ وہ رو پڑا اور آنسوؤں سے اپنی داڑھی بھگو لی تھی! نجاشی سے یہ بھی مروی ہے کہ انجیل میں آیا ہے کہ جب بچوں کی حکومت ہوتی ہے تو زمین پر لعنت برستی ہے!''

یہ مفصل واقعہ اور دیگر حقائق جو ہم پہلے بھی پڑھ چکے ہیں حضرت نجاشی کی زندگی اور ان کی شخصیت کو کافی حد تک واضح اور نمایاں کر دیتے ہیں، یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ نجاشی شاہ حبشہ سے سلطنت ایک بار چھن گئی تھی اور قدرتی حالات نے اسے دوبارہ تختِ شاہی پر لا بٹھایا تھا، اس کے والد کے قتل کے بعد اپنے چچا سے تعاون کے باوجود اسے سنگ دل چچا اور اس کے احمق بادشاہ گر درباریوں نے غلام بنا کر فروخت کر دیا تھا اس کا خریدار ایک عرب تاجر تھا جو قبیلہ بنوضمرہ سے تھا اور اس قبیلے کے لوگ وادیٔ بدر کے آس پاس مقیم تھے، نجاشی یہاں پر اپنے آقا کے مویشی چراتا رہا اور یہاں کے بدوی ماحول میں اس نے فصیح عربی بھی سیکھ لی تھی! مگر یہ بات واضح طور پر نہیں کھلتی کہ وہ مکہ مکرمہ میں کس طرح آتا جاتا ہوگا، بعثت سے قبل یا بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کب، کہاں اور کیسے ملا ہوگا؟ تاریخ نیم خاموش ہے مگر احوال کی شہادت اس نیم خاموشی کا پردہ چاک کرتی ہوئی نظر آتی ہے اور اندازہ ہوتا ہے کہ شہزادہ ایک سچا مسیحی تھا، تورات و انجیل پر اس کی نظر تھی، اس کی غلامی کے زمانے میں بلادِ عرب۔ یمن و حجاز سمیت۔ ہر جگہ نبی منتظر کے چرچے عام تھے، یہود و نصاریٰ کے مذہبی پیشوا۔ احبار و رہبان۔ یہ کہتے پھرتے تھے کہ وہ آنے والا اب آیا چاہتا

ہے جس کی تورات نے پیشین گوئیاں کر رکھی ہیں اور جس کی سیدنا مسیح علیہ السلام کی اناجیل میں بشارت موجود ہے، حجاز و یمن اور حبشہ کی ایک مشترک تاریخ بھی ہے، ان کے باہمی تعلقات اور لین دین بھی تھا، دانا و ذہین شہزادہ یہ سب کچھ بخوبی جانتا تھا، کوئی بھی ذہین و فطین اور عاقل و دانا انسان اپنے ماحول اور گردوپیش سے آگاہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا لیکن جب یہ عاقل و ذہین انسان ایک ایسا شہزادہ ہو جس کے باپ بادشاہ کو سگا چچا اس کی نظروں کے سامنے قتل کروادے اور بھتیجے کو غلاموں کی منڈی میں فروخت کروا کر وطن سے بے وطن کروادے وہ بلاد عرب کے روز بروز دیگر گوں اور تیزی سے تغیر پذیر حالات سے خصوصا نبی منتظر کے چرچے اور ذکر سے بھلا کیسے بے تعلق رہ سکتا تھا؟ جن صنادید قریش نے اس کے والد سے تجارتی اجازت نامے اور راہداریاں حاصل کی ہوں (جن میں حضرت ہاشم و حضرت عبدالمطلب بھی شامل تھے)، ان کے باہم دوستانہ اور قریبی تعلقات قائم رہے ہوں وہ شہزادہ اپنے بزرگوں اور اپنے والد کے دوستوں کو کیسے بھول سکتا تھا؟! یہود کے وہ احبار اور مذہبی پیشوا یک وقت آنے والے نبی کے انتظار میں بھی ہوں اور ان خدشات میں بھی مرے جارہے ہوں کہ آنے والا کہیں بنی اسرائیل کے بجائے کسی اور گروہ خصوصاً وادیٔ بطحا کے اسماعیلی عربوں کی اولاد سے نہ آجائے؟ اگر آجائے تو پھر اسے ماردو یا اسے ماننے سے ہی انکار کردو! پھر یمن و حجاز کے یہود رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو نشانیوں کے ذریعہ یوں پہچان لیں جس طرح وہ اپنے بچوں کو دیکھتے ہی پہچان لیتے ہیں مگر بایں ہمہ اسے نہ صرف ماننے سے انکار کردیں بلکہ اذیت رسانی اور شدید مخالفت (بلکہ ہلاکت و بیخ کنی پر بھی اتر آئیں جو یہود کی فطرت بن چکی تھی اور وہ انبیائے بنی اسرائیل کے قتل ناحق کے بھی مجرم ہوں!!؟) یہود کی اس ڈرامائی تبدیلی سے ذہین و فطین مصیبت زدہ شہزادہ کیسے لاشعور اور بے حس رہ سکتا تھا!؟ شہزادہ خود تورات و انجیل کا عالم تھا، اسے معلوم تھا کہ تورات میں مردِ حق مردِ خدا موسیٰ علیہ السلام جیسے ایک اولوالعزم نبی نے از روئے تورات وادیٔ بطحا سے مبعوث ہونا تھا اور مسیح علیہ السلام نے نبی منتظر کی بشارت بھی دے رکھی تھی مگر جب وہ آگیا تو یہود نے تو اس بات کی

بھی پرواہ نہ کی کہ ان کی کتاب مقدس کی پیشین گوئی حرف بحرف سچی ثابت ہوگئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت و رسالت کی بھی تصدیق ہوگئی، پھر یہود کی دیکھا دیکھی مسیحی رہبان بھی بشارت مسیح علیہ السلام کو بھلا بیٹھے! فوری تغیر کے اس منظر نے ذہین وفطین اور باشعور ''غلام شہزادہ'' کو جھنجوڑ کر نہیں رکھ دیا ہوگا؟

غلام شہزادہ مگر باشعور نوجوان حجاز و یمن خصوصاً مکہ مکرمہ میں حبشی غلاموں کے وجود سے بخوبی آگاہ تھا، اسے غربت و افلاس کے مارے اور مغرور معاشرہ میں پسے ہوئے حبشیوں کا بھی علم تھا جو سب کے سب آزادی اور مساوات کے لئے تڑپ رہے تھے مگر مکہ مکرمہ کے قریشی صادق و امین صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام توحید، وحدت و مساوات نسل انسانی اور آزادی نے جزیرۂ عرب ہی نہیں اپنے تمام گردو پیش میں ایک غلغلہ بلند کر دیا تھا؟! شہزادہ نجاشی کے لئے ان سب سے متاثر ہونا لازم تھا اور خواہی نخواہی ہر قیمت پر ان سب تک اس کی رسائی بھی لازم تھی!؟

ہجرت حبشہ کے لئے اپنے جانثاروں کو آمادہ کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پر اعتماد تسلی، شاہ حبشہ کے عدل و انصاف کی گواہی اور سرزمین حبشہ کو ارض صدق یعنی دوستی اور سچائی والی سرزمین قرار دینا، پھر ابن سعد کا یہ کہنا کہ سرزمین حبشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سب سے زیادہ پسندیدہ جائے ہجرت تھی! ان سب باتوں کا کوئی مطلب اور کوئی پس منظر تو یقیناً ہوگا؟! پھر حبشہ کے بھرے دربار شاہی میں نجاشی کا یہ اعلان کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، آپ ہی وہ نبی منتظر ہیں جن کی سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا مسیح علیہ السلام نے بشارت دی تھی! قریش کے سفارت کاروں کو روکھا سا جواب اور مسلمانوں کو اپنے معزز مہمان قرار دینا، اپنے راہبوں اور پادریوں کی پروا بھی نہ کرنا بلکہ بغاوت کی دھمکیوں کو بھی جوتے کی نوک پر لکھنا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جوتی بردار ہونے کی آرزو کرنا اور اپنا سگا بیٹا خدمت نبوی کے لئے حجاز روانہ کر دینا کسی تخت نشین بادشا کا موقف ہے یا ایک جانثار کی عقیدت مندی کا مظاہرہ! یہ سب واقعات اور مناظر کچھ مطلب رکھتے ہیں، ان کا کوئی بہت

گھرا، دور کا اور انوکھا پس منظر ہونا چاہیے!

اور دیکھئے وقت کی تین چار سپر طاقتوں میں سے ایک طاقت حبشہ کا بادشاہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح خواں بنتا ہے! دلہن رملہ بنت صخر ابوسفیان (ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا) کا حق مہر چار سو دینار بادشاہ اپنی جیب سے ادا کرتا ہے، صرف یہی نہیں بلکہ دعوت ولیمہ بھی بادشاہ کی طرف سے ہوتی ہے!!

ہوا یوں کہ عبید اللہ بن جحش قریش کی ایک محترم شاخ کا حلیف تھا، ابوسفیان کا داماد اور رملہ بنت صخر (حضرت ام حبیبہ) کا شوہر بن گیا تھا، بعض یورپی لال بجھکڑوں کے نزدیک تو وہ مکہ میں مسیحی پادری بن کر حضرت ورقہ بن نوفل کی جگہ لینے والا تھا، حضرت ام حبیبہ کے ساتھ اسلام کا حلقہ بگوش ہو گیا، میاں بیوی کو بنوامیہ کے لوگوں نے ابوسفیان کے اشارہ پر اس قدر تنگ کیا اور ستایا کہ دونوں میاں بیوی ہجرت حبشہ میں شامل ہو کر اپنا دین وایمان بچانے پر مجبور ہو گئے، عبید اللہ نے جب حبشی پادریوں کی شان وشوکت کو دیکھا تو جذبہ پادریت پھر سے بیدار ہو گیا، حضرت ام حبیبہ کے سمجھانے کے باوجود پادریوں میں جاملا، بیوی نے مرتد ہونے سے صاف انکار کر دیا، صدمے، پچھتاوے اور شراب خوری نے عبید اللہ بن جحش کی جان لے لی (۲۸)!

حضرت ام حبیبہ پردیس میں بیوہ ہو گئیں! ابوسفیان کو خبر دی گئی مگر سنگدل باپ نے پردیس میں بیوہ ہو جانے والی بیٹی کی کوئی پروا نہ کی! دراصل ام حبیبہ ام المؤمنین ایک انوکھی شخصیت کی مالک تھیں، یوں لگتا ہے کہ وہ اپنے آبائی خانوادہ بنوامیہ کے تکبر وغرور اور بنو ہاشم سے خواہ مخواہ کے بیر سے نالاں تھیں جبکہ ہاشمی خانوادہ کی تواضع اور انکساری، ملنساری اور حسن تربیت کو پسند فرماتی تھیں، اسلام کی اخوت ومساوات اور احترام آدمیت کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق اور حسن سلوک سے بھی متاثر تھیں، اسی لئے وہ ہمیشہ آل رسول سے وابستہ رہیں اور خاندان بنوامیہ کی کبھی بھی پروا نہ کی، رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام حبیبہ کے اس موقف سے بہت خوش تھے، اس لئے جب ان کے بیوہ ہونے اور ابوسفیان کی

سنگدلی کا علم ہوا تو ان کی خبر گیری کی، حضرت عمرو بن امیہ ضمری کو اپنا سفیر بنا کر نجاشی کے پاس بھیجا اور حضرت ام حبیبہ سے عقد نکاح کے لئے کہا، حضرت نجاشی نے حکم نبوی کی فوری تعمیل کی، اپنی ایک خاص لونڈی ابرہہ کو یہ خوشخبری سنانے کے لئے حضرت ام حبیبہ کے پاس بھیجا، یہ خاتون اسلام قبول کر چکی تھیں اس لئے انہوں نے شادی کے تمام کام خوشی سے انجام دیئے، جب ام حبیبہ مدینہ جا رہی تھیں تو بار بار ان سے درخواست کرتی جا رہی تھیں کہ اللہ کے رسول برحق سے میری مغفرت کی دعا کے لئے ضرور درخواست کرنا (خود نجاشی بھی ہر مدینہ جانے والے سے یہی درخواست کرتا تھا!!) حضرت نجاشی نے بھی بے بہا تحائف دے کر ام المؤمنین کو رخصت کیا (۲۹)!

یوں لگتا ہے کہ شاہ حبشہ کا اگر بس چلتا تو یا تو وہ رسول اللہ ﷺ سمیت تمام اہل حرمین کو حبشہ لے جاتے یا تمام اہل حبشہ کو مسلمان بنا کر حجاز لے آتے!! ابن الجوزی (تنویر الغبش۔۔۔ (۳۰)) اور امام سہیلی وغیرہ نے حبشہ سے آنے والے بے شمار وفود اور قافلوں کا ذکر کیا ہے! ایک حبشی نو مسلم غالبا یہ آرزو لے کر آیا تھا کہ نبی منتظر ﷺ اس کا جنازہ پڑھائیں اور وہ جنۃ البقیع میں صحابہ کرام کے ساتھ دفن ہو، جب خدا نے اس کی یہ آرزو پوری کردی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ:

لَهٰذَا الْعَبْدُ الْحَبشِيُّ جاء من أرضه وسمائه إلى الأرض التي خلق منها

"یعنی کتنی عجیب سی بات ہے کہ یہ حبشی اپنی زمین اور اپنی فضا چھوڑ کر اس زمین (جنۃ البقیع) میں آ کر دفن ہوا جہاں سے اس کا خمیر اٹھایا گیا تھا (۳۱)!!"

رسول حریت و مساوات ﷺ تو اللہ تعالیٰ کی اس کائنات میں توحید باری تعالیٰ کا بول بالا کرنے کے لئے اور ملت ابراہیمی (جو توحید خالص اور حنیفیت سے عبارت ہے اور بقول شاہ ولی اللہ دہلوی، رحمۃ اللہ علیہ، اس کا احیاء یکے از مقاصد اسلام ہے) کے احیاء کے لئے مبعوث ہوئے تھے، اس کا لازمی نتیجہ وحدت آدمیت یا وحدت نسل انسانی بھی ہے اس لئے

سفید مغرب کی نظر میں جو کالا افریقہ غلامی کے لئے مختص تھا اس کے لئے حضرت محمد ﷺ کی رسالت حریت و مساوات میں خصوصی کشش ہے (اور سیدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ اور سیدنا نجاشی رضی اللہ عنہ کے وارث افریقی انسان نے عالمی سطح پر بھی اپنا کردار ادا کرنا ہے مگر اسلامی اخوت و مساوات اور پیغامِ آزادی سے مزین ہو کر، ان شاء اللہ تعالیٰ!!) چنانچہ حبشہ سے اخوت و مساوات اور انسانی آزادی کے متوالے افریقی جو نجاشی سے متاثر ہوتے تھے اسلامی اخوت و مساوات اور انسانی آزادی کے مرکز اور سرچشمہ مدینۃ النبی ﷺ میں آکر اور رخِ مصطفی ﷺ کو دیکھ کر دیوانے ہو جاتے تھے، پھر مسجدِ نبوی میں پانچ وقت کی نماز میں "اذانِ بلالی" تو انہیں تڑپا دیتی تھی اور وہ خوشی سے جھوم اٹھتے اور اپنی زبان میں رسول اللہ ﷺ کی مدح کرتے ہوئے رقص کرنے لگتے تھے! ان کی سادہ زبانوں پر ایک ہی مصراع ہوتا تھا کہ "حضرت محمد ﷺ ہی بہترین انسان ہیں!!" سہیلی اور ابن الجوزی کے علاوہ دیگر سیرت نگاروں نے بھی مدینہ منورہ میں کئی ایک حبشی وفود کی آمد اور اظہار مسرت کے لئے افریقی رقص اور حبشیوں کی شمشیر زنی کے مناظر قلمبند کئے ہیں (ان میں وہ واقعہ یا منظر تو خصوصیت کا حامل ہے جس کے مطابق اماں عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کو سہارا اور پردہ بنا کر کھڑی ہو گئی تھیں اور کافی دیر تک دیکھتی رہی تھیں حتی کہ رسول اللہ ﷺ نے ازراہِ دل لگی و مداعبت پیار سے فرمایا تھا کہ "اَمَا شَبِعْتِ یَا حُمَیْرَاءُ؟!" "اے حمیرا! ابھی سیر نہیں ہوئی ہو؟!)

الصادق الامین ﷺ کے اسی حسن اخلاق نے تو نجاشی جیسے غلام شہزادہ کے دل میں گھر کر لیا تھا اور خصوصیت کے ساتھ آپ کی رسالت عدل و مساوات اور اخوت و آزادی نے تو نجاشی حبشی کو بلال حبشی بنا دیا تھا! اسی لئے تو وہ اسلام کی اشاعت و تقویت کا علمبردار اور رسالت محمدی علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کا گرویدہ بن گیا تھا، وہ چاہتا تھا کہ روئے زمین پر اسلام کا بول بالا ہو اور پوری کائنات میں رفعتِ مصطفی ﷺ کا ڈنکا بجے (اور یہ ہو کر رہے گا! حاسد جتنا چاہیں جل لیں، دشمن جتنا چاہیں زور لگا لیں! حضرت محمد ﷺ کی رسالت

عدل و مساوات، رحمت و سلامتی اور مساوات و برابری کا بول بالا ہو کر رہے گا! افریقہ کا ہر انسان پیغام عدل و امن اور آزادی و مساوات لے کر اٹھے گا! دنیا کی تمام دبی، پسی ہوئی اور مجبور و مقہور انسانیت اس پیغام کی علمبردار بنے گی اور دنیا کے ہر متکبر، ظالم اور مغرور کا حشر و حساب ہو گا اور یہ ہونا ہے اور ہو کر رہے گا! لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ الکافرون اس دین عدل و سلامتی کو اللہ تعالیٰ نے غالب کرنا ہی ہے خواہ منکر و مخالف ناپسند ہی کیوں نہ کرتے رہیں (۳۲)

حضرت عمرو بن عاص کا قبول اسلام بھی حضرت نجاشی کی زندگی اور سیرت کے عجائبات میں سے ہے بلکہ ان کے مفاخر و مناقب میں سے ہے، حافظ ابن کثیر سمیت دیگر سیرت نگار و مؤرخین نے بھی یہ واقعہ لکھا ہے کہ بدر، احد اور خندق کے معرکوں میں مسلم مجاہدین کی تلواروں سے بچ نکلنے کے بعد جب صلح حدیبیہ کی تکمیل ہوگئی تو عمرو بن عاص کو فکر لاحق ہوئی کہ اسلام تو روز بروز غالب آتا جا رہا ہے اور حضرت محمد ﷺ کا پرچم غیر معمولی طور سے بلند سے بلند تر ہوتا جا رہا ہے، اب کسی نہ کسی دن وہ فاتح بن کر مکہ مکرمہ میں داخل ہوا چاہتے ہیں، حضرت عمرو بن عاص نے اپنے مکی ساتھیوں کے مشورہ کے بعد نجاشی شاہ حبشہ کے ہاں پناہ لینے کا فیصلہ کیا کہ اگر حضرت محمد ﷺ فاتح ہوئے تو ہمیں امان مل جائے گی اور اگر قریش غالب آگئے تو ہم ان سے آن ملیں گے! آگے کی کہانی خود عمرو بن عاص کی زبانی یوں ہے: ''بادشاہ سے ملاقات اور تحائف پیش کرنے کے بعد ہم سب ساتھی باہر بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت عمرو بن امیہ ضمری سفیر نبوی بادشاہ سے مل کر باہر آئے، میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا: یہ عمرو بن امیہ ہے، اگر میں نجاشی کے پاس جا کر یہ آدمی مانگ لوں اور وہ مجھے دے بھی دے گا، تو میں اس کی گردن توڑ دوں گا، اس سے قریش کے لوگ بہت خوش ہوں گے کیونکہ یہ حضرت محمد ﷺ کا سفیر ہے گویا ان کے سفیر کے قتل سے میں قریش کا بدلہ لے لوں گا! چنانچہ میں نجاشی کے پاس گیا، حسب معمول اسے سجدہ کیا تو بادشاہ نے کہا: خوش آمدید دوست! تو اپنے وطن سے میرے لئے تحفہ لا چکا ہے نا؟ میں نے کہا ہاں بادشاہ

سلامت! آپ کو میرے تحفے بہت پسند آئے! یہ بہت سی دباغت شدہ کھالیں تھیں! آپ نے کچھ اپنے درباریوں میں بانٹ دی تھیں اور کچھ خزانہ شاہی میں جمع کر لی تھیں! آپ نے میرے تحائف بہت پسند فرمائے تھے! بادشاہ نے خوشی سے جواب میں کہا: ہاں ہاں! ٹھیک ہے! بادشاہ کا خوشگوار موڈ دیکھ کر عرض کیا کہ ابھی ابھی ایک شخص آپ سے مل کر گیا ہے، وہ ہمارے دشمن کا سفیر ہے جس کے ذمہ ہمارا خون ہے، اس نے ہمارے بہت سے شرفاء اور چیدہ چیدہ لوگوں کو قتل کیا ہے! یہ شخص میرے حوالے کر دیجیے میں اسے قتل کرنا چاہتا ہوں! بادشاہ بہت غضبناک ہو گیا اور ایک مکا میری ناک پر دے مارا، مجھے یوں لگا کہ میری ناک ٹوٹ گئی ہے، ناک سے خون کے فوارے پھوٹ پڑے اور میرے کپڑے خون سے سرخ ہو گئے، مجھے ذلت و رسوائی کا شدید احساس ہوا اور مارے ڈر کے میں کانپنے لگا کہ کاش مجھے زمین نگل لے! میں نے کانپتے ہوئے عرض کیا: بادشاہ سلامت! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ میری یہ بات آپ کو اس قدر ناگوار گزرے گی تو میں آپ سے کبھی نہ مانگتا! بادشاہ نے فرمایا: عمرو! شرم کرو! تو مجھ سے اس ہستی کا سفیر قتل کرنے کے لئے مانگ رہا ہے جس کے پاس وہ ناموس اکبر یعنی جبریل امین وحی لے کر آتا ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا کرتا تھا اور جو سیدنا مسیح علیہ السلام کے پاس آتا تھا! تب اللہ تعالیٰ نے میری کایا پلٹ دی اور اپنی جہالت اور کفر سے نکل آیا کہ میں اس ہستی کی مخالفت پر کمر بستہ تھا جس کی سچائی کو یہ بادشاہ بھی مانتا ہے اور عرب و عجم سب جان چکے ہیں!؟ پھر میں نے کہا: بادشاہ سلامت کیا آپ کا اس پر ایمان ہے؟ بادشاہ نے کہا: ہاں میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر ایمان لا چکا ہوں کہ وہ اللہ کے سچے رسول ہیں! عمرو! میری مانو اور ان پر ایمان لاؤ اور ان کی پیروی کرو! اللہ تعالیٰ کی قسم وہ سچے نبی ہیں اور وہ اپنے دشمنوں پر اسی طرح غالب آنے والے ہیں جس طرح موسیٰ علیہ السلام فرعون اور اس کے لشکر پر غالب آئے تھے! میں نے پھر عرض کیا: کیا آپ مجھ سے اسلام کی بیعت لے سکتے ہیں؟ بادشاہ نے کہا: ہاں! اور اپنا ہاتھ میری طرف بڑھا دیا اور مجھ سے انہوں نے اسلام کے لئے بیعت لی! پھر بادشاہ نے ایک تھال منگوایا، میرا خون خود صاف کیا اور مجھے خلعت عطا کی!

میرے کپڑے خون میں لت پت ہو چکے تھے جو میں نے ایک طرف پھینک دیئے اور باہر آ گیا! (اس کے بعد حضرت عمرو بحری جہاز میں سوار ہوئے، شعیبہ (جدہ) پہنچے اور مدینہ منورہ روانہ ہو گئے، راستے میں حضرت خالد بن ولید اور حضرت عثمان بن طلحہ سے ملے، وہ بھی قبول اسلام کی نیت سے دربار نبوی میں حاضری کے لئے مدینہ شریف جا رہے تھے (۴۳)!!

اس کہانی کو اگر اس کے بین السطور اشارات و مضمرات کے ساتھ دوبارہ غور سے پڑھیں گے تو آپ بھی اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ:

(1) اپنی غیر معمولی ذہانت وفطانت اور عربی عبقریت کے باوجود حضرت عمرو بن عاص بھی نجاشی کے قلب و ذہن کی گہرائیوں کو نہ پا سکے تھے! وہ یہی سمجھتے رہے کہ حضرت محمد ﷺ سے نجاشی کے روابط رسمی سے ہیں، جیسے ایک بادشاہ اور کسی مذہب یا تحریک کے بانی کے درمیان ہو سکتے ہیں اور بس!

(2) نجاشی اور صنادید قریش یا مکی سرداروں کے تعلقات کس قدر بے تکلفانہ تھے، وہ ہر بات بلا تکلف ایک دوسرے سے کہہ سکتے تھے! تو کیا نجاشی اور قریش کے صادق و امین نبی منتظر ﷺ کے درمیان ایسے تعلقات میں کوئی شے مانع تھی؟! یا دوسروں کی نسبت یہ تعلقات زیادہ گہرے، زیادہ پاکیزہ اور راز و نیاز کی معنی خیز حد تک ہو سکتے تھے؟ اور تھے!

(3) یہاں پر حضرت نجاشی کی غیرت ایمانی، صدق و وفا اور عقیدت و عشق مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ ساتھ معرفت حق اور شناسی مصطفیٰ ﷺ بھی اپنی بلندیوں پر نظر آتی ہے!!

(4) حضرت عمرو بن عاص پر پہلی بار منکشف ہوتا ہے کہ نجاشی قدیم الاسلام اور سابقین اولین میں سے ہیں اور صحبت نبوی سے سرفراز ہو چکے ہیں! اس لئے ان سے بیعت ہونا ایسے ہی ہے جیسے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کا شرف حاصل ہو گیا!

(5) حضرت نجاشی جان چکے تھے کہ مدینہ منورہ میں فروکش ہو جانے کے بعد حضرت محمد ﷺ کے "ارض صدق" حبشہ کو شرف بخشنے کی ضرورت نہیں رہی اور راز و نیاز کی

باتوں کے کھل جانے میں بھی اب کوئی حرج یا مضائقہ نہیں!

رسول اللہ ﷺ سے نجاشی کا گہرا لگاؤ اور محبت و عقیدت اللہ رب العزت کو اس قدر پسند آئی کہ اسے تاریخ کے صفحات میں محفوظ کر کے زندۂ جاوید اور غیر فانی بنا دیا ہے! یہ الگ بات کہ تاریخ کے یہ صفحات آج تک ہمارے سیرت نگاروں کی نظر سے اوجھل اور غالباً رسائی سے باہر تصور کیے جاتے رہے یا انہیں غیر ضروری سمجھ لیا گیا! البتہ ہمارے بعض قدیم مورخین و محدثین تشکر و تحسین کے مستحق ہیں کہ وہ انہیں کہیں بین السطور، کہیں اشارات میں اور کہیں کہیں کھلے لفظوں میں بھی محفوظ کر گئے ہیں جو آج بھی مسلم سیرت نگاروں اور مورخین کو دعوت تحقیق و تدقیق دے رہے ہیں!

اپنے محبوب حجازی ﷺ کے نام حضرت اصحم نجاشی شاہ حبشہ نے پہلے ہی خط میں ازراہ عجز و تواضع یہ عرض کر دیا تھا کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ کے اس غلام اور برائے نام بادشاہ کے بس میں اپنی ذات کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے! مگر نجاشی نے اپنا سب کچھ۔ اپنی دولت، اپنے اختیارات و وسائل، اپنا گھرانہ حتیٰ کہ اپنی بادشاہت و اقتدار۔ بھی اسلام، اہل اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی نذر کر دیا اور بالآخر حافظ ابن حجر کے الفاظ میں ''وحیدا بین قومه'' (اپنی قوم میں بالکل تنہا رہ گئے اور غالباً مسلمانانِ ہجرت حبشہ کی آخری جماعت (جس میں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ام المؤمنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بھی شامل تھیں) کو اکسوم سے رخصت کرنے کے بعد اکیلے ہی کسمپرسی کی حالت میں شہید کر دیے گئے (کیونکہ اماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں (۳۴) کہ ہمیں یہ بتایا جاتا تھا کہ نجاشی کی قبر سے نور کی کرنیں پھوٹتی ہوئی دکھائی دیتی تھیں اور یہ اعزاز اللہ تعالیٰ نے گروہ شہداء کے لئے مختص فرمایا تھا اس لئے کیا عجب کہ حضرت اصحم بن ابجر نجاشی شاہ حبشہ کو شہادت کی موت نصیب ہوئی ہو، اپنے محبوب حجازی ﷺ سے دور اور اپنے مرغوب و پسندیدہ مدفن خاک جنۃ البقیع سے محرومی کی حالت میں ان کا دنیا سے اٹھنا بھی نجاشی کو شہداء کے زمرے میں شمار کرنے کے لئے کافی ہے!؟)

چنانچہ اپنے نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے خط کے جواب کے ساتھ ہی جو حبشی وفد حجاز کے لئے حبشہ کی راجدھانی ''اکسوم'' سے روانہ کیا گیا تھا اس کے ساتھ نبوی گھرانہ کی خدمت کے لئے نجاشی نے اپنا بیٹا بھی روانہ کیا تھا مگر بحری جہاز ڈوب گیا اور فرزند نجاشی سمیت سب طالب دیدار حبشی بھی شہید ہو گئے تھے، نجاشی کے اس بیٹے کا نام ارھا، ارمی اور اریحا لکھا ہے مگر غالباً پہلا لفظ ہی درست ہوگا؟!

اس کے بعد بھی خود بھی حاضر ہو کر نعلین مبارک اٹھانے اور آنکھوں پر لگانے سے عاجز رہنے والے عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دو لختِ جگر یکے بعد دیگرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل بیت کی خدمت کے لئے بھیجے، ان میں سے ایک تو حضرت ابونیزر رضی اللہ عنہ ہیں جن کا تذکرہ کئی ایک تذکرہ نگاروں کے علاوہ ابوالعباس المبرد نے بھی اپنی کتاب الکامل میں کیا ہے اور ان کا ترجمہ (احوال زندگی) دیا ہے (۳۵)، حافظ ابن حجر نے بھی یہ ترجمہ اپنی الاصابہ میں درج کیا ہے کہ یہ ابونیزر حبشہ سے آئے، اسلام کے رنگ میں رنگے گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کا شرف پایا، پھر حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا اور پھر ان کی اولاد کی خدمت انجام دیتے رہے، البقیع میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کنوؤں پر کام کرتے رہے جن میں سے ایک تو آج بھی انھی کے نام سے ''عین ابی نیزر'' کہلاتا ہے، یہاں ابونیزر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کھانے پینے کا بندوبست بھی کیا کرتے تھے کیا عجب کہ یہ نجاشی کا وہی بچہ ہو جو حضرت جعفر کے بیٹے عبداللہ کا ہم عمر تھا! حضرت علی نے یہ دونوں کنویں وقف کر دئے تھے مگر اس شرط کے ساتھ کہ اگر حسن وحسین رضی اللہ عنہما کو کبھی ضرورت پڑ جائے تو وہ یہ وقف منسوخ کر کے اپنے کام میں بھی لا سکتے ہیں! کہا جاتا ہے کہ یہ ابونیزر بہت خوبصورت نوجوان تھے اور رنگ بھی کالا نہ تھا، جس طرح اہل حبشہ کو ایک دن ان کے والد اصحم بن ابجر نجاشی کی ضرورت پڑ گئی تھی، انہیں بنو ضمرہ کے تاجر سے آزاد کرا کر لے گئے تھے اور دوبارہ تاج و تخت کا مالک بنا دیا تھا اسی طرح حبشی ایک روز حضرت ابونیزر رضی اللہ عنہ کو بھی لینے آ گئے تھے اور انہیں ان کے والد کے تاج وتخت کا مالک بنانا چاہتے تھے، کیا عجب کہ جس طرح حبشہ کے

ان احمق بادشاہ گردرباریوں نے ایک دن ابونیزر کے دادا "ابجر" کو مارڈالا تھا اسی طرح ابو نیزر کے والد حضرت اصحم نجاشی کو بھی شہید کر کے ان کی جگہ کسی احمق کو تخت پر لا بٹھایا ہو مگر مایوس ہو کر حضرت ابونیزر رضی اللہ عنہ کو بھی لینے آگئے ہوں! مگر ابونیزر نے صاف انکار کر دیا اور فرمایا کہ تمہاری حبشہ کی بادشاہت پر میں آل مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کو ترجیح دیتا ہوں!

ترکی کے ایک قومی عجائب گھر کی زینت ایک خاص سیکشن ہے جس پر بورڈ لگا ہوا ہے: "مخلفات الرسول صلی اللہ علیہ وسلم" (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متروکات اور یادگاریں!) اس سیکشن میں ترک اہل ایمان اور محبان وعشاق رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق یا آپ سے منسوب اشیاء کو، جہاں جہاں بھی انہیں دستیاب ہوئیں، یک جا کر دیا ہے، ان آثار ومخلفات میں ایک تو "بردۂ نبوی" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ چادر مبارک ہے جو آپ نے "قصیدۂ بانت سُعاد" (یعنی سُعاد جدا ہوگئی) کے قائل حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمائی تھی، اسلام لانے سے پہلے کعب نے کچھ ہجویہ اشعار میں حضرت ابوبکر صدیق یارغار رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی کی تھی اور اسلام کا مذاق اڑایا تھا، آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے یارغار اور ہجرت کی رات شریک سفر کی یہ توہین بہت ناگوار محسوس ہوئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا خون بہانا مباح اور رائیگاں قرار دے دیا، کعب جان بچانے کے لئے کسی پناہ کی تلاش میں مارا مارا پھرتا رہا، اس کے بھائی حضرت بجیر بن زہیر، مسلمان ہو چکے تھے، انہوں نے مشورہ دیا کہ تمہاری پناہ اب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت اور عفو ودرگزر کے سوا اور کچھ نہیں! کعب نے اپنا لامیہ قصیدہ "بَانَتْ سُعَادُ فَقَلْبِی الْیَوْمَ مَتْبُوْلٌ" (سعاد جدا ہوگئی اس لئے میرا دل آج شکستہ ہے) نظم کیا، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی پناہ میں آئے پھر ایک دیہاتی عرب بن کر چادر سے منہ اور سر چھپا کر صبح کی نماز کے بعد حاضر خدمت ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا قصیدہ سنایا، پھر چادر اتار پھینکی تو نبی رؤف و رحیم کی شفقت جوش میں آئی اور اپنی چادر مبارک شاعر پر ڈال دی اور فرمایا: جا اللہ تعالیٰ کے تائب بندے! تجھے تیرے رب نے معاف فرما دیا(۳۶)!

بعد میں یہی چادر مبارک حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھاری قیمت ادا کر کے حضرت کعب کی اولاد سے خرید لی تھی جو اموی پھر عباسی خلفاء سے ہوتی ہوئی عثمانی خلفاء کے ذریعہ ترکی کے قومی عجائب گھر کے متعلقہ سیکشن کی زینت بن گئی اور آج بھی حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ کے بھیجے ہوئے نبوی عصا مبارک ''العنزہ'' و دیگر آثار نبوی، علی صاحبہا الصلوۃ والسلام سمیت موجود ہے اور عجائب گھر میں آنے والی خلق خدا کی نگاہوں کا مرکز ہے!

''العنزہ'' کی بھی اپنی ایک کہانی ہے جو دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ روح پرور اور عبرت آموز بھی ہے، عَنَزَۃ عربی زبان میں اس لاٹھی کو کہتے ہیں جو عصا سے بڑی مگر نیزہ سے چھوٹی ہوتی ہے، یوں کہہ لیجئے کہ آدھے نیزے سے کچھ زیادہ لمبی ہوتی ہے، اس کی نوک بھی نیزے کی انی یا نوک کی طرح ہوتی ہے جو لاٹھی کے نچلے حصہ میں ہوتی ہے اور بوڑھے بزرگ اس کو سہارے کے طور پر استعمال کرتے ہیں (تاج العروس ع ن ز)؛ سیرت طیبہ، علی صاحبہا الصلوۃ والسلام، کے واقعات کے مطابق حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ نے مہاجرین حبشہ کی آخری جماعت (جس میں حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ اور ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بھی شامل تھیں) کی اکسوم سے روانگی کے وقت حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو یہ عصا تحفہ کے طور پر دیا تھا جو انہوں نے مدینہ منورہ پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا تھا (عین ممکن ہے کہ یہ عصا نجاشی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر ہی بھیجا ہو مگر اس بات کی صراحت کہیں نہیں آئی!؟) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ عصا اپنے دست مبارک میں تھام کر خطبہ جمعہ اور خطبات عیدین ارشاد فرماتے تھے، جب آپ اپنے گھر سے برآمد ہوتے تو مؤذن مسجد نبوی یہ العنزہ اٹھائے ہوئے آگے آگے نکلتا اور چلتا تھا، جب آپ نماز پڑھاتے تو یہی عصا سترہ کے طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے زمین میں گاڑ دیا جاتا، بعد میں یہ العنزہ خلفائے راشدین کے پاس رہا اور حضرت امیر معاویہ تک پہنچا، پھر 244ھ میں جب عباسی خلیفہ متوکل شام کے دورہ پر دمشق گیا تو دیگر آثار نبوی (بردہ وغیرہ) سمیت یہ العنزہ بھی اموی خلیفہ کے بعض وارثوں سے اس کی حفاظت میں آ گیا مگر

دراصل یہ عصا بھی ہمارے ''دوسرے بلال'' اور ''دوسرے اویس'' حضرت نجاشی شاہ حبشہ کی حسین، پاکیزہ اور مقدس یادگار ہے جسے دست مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوا، محبت سے سنبھالا اور پھر اپنے خلفاء کے توسط سے اپنی امت کو تحفہ کے طور پر عطا فرمایا تھا کہ یہ یادگار قیامت تک محفوظ رہے، تمام خلق خدا اسے دیکھتی رہے! یوں ایک مؤمن صادق اور عاشق رسول نجاشی شاہ حبشہ سے بھی امت مسلمہ محبت کرتی رہے اور اس کا نام زندہ و پائندہ رہے! خدا رحمت کنداایں عاشقانِ پاک طینت را!!

صحابہ کرام مہاجرین کی جو آخری جماعت سنہ 8 ہجری میں فتح خیبر کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس پہنچی تو اس میں حبشی مؤمنین کا ایک وفد بھی نجاشی کے سفیر کے طور پر ساتھ تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اور حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام کو دیکھ کر بہت خوش تھے اور فرماتے جارہے تھے کہ معلوم نہیں ہوتا کہ میں آج فتح خیبر کی زیادہ خوشی مناؤں یا حضرت جعفر کی آمد کی! حبشی وفد کی خدمت میں خود مصروف ہو گئے تو صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! یہ کام ہمیں کرنے دیجئے مگر آپ فرماتے تھے کہ نہیں یہ میرے دوست نجاشی کے بھیجے ہوئے ہیں ان کی خدمت میں خود انجام دوں گا! حبشی وفد کے لوگوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ کے محب اور عقیدت مند نجاشی نے یہ التجا کی ہے کہ آپ ان کے لئے دعائے مغفرت فرمائیں چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند آواز سے فرمایا: ''اللّٰھم! اغفِرُ النَّجاشِیَ (کہ اے اللہ! نجاشی کی مغفرت فرما!) اس پر تمام صحابہ کرام حبشی وفد سمیت سب نے بلند آواز سے آمین کہا!

اسی سال یعنی آٹھ ہجری (اور ایک روایت کے مطابق سنہ نو ہجری) میں اصحم بن ابجر نجاشی شاہ حبشہ رضی اللہ عنہ اللہ کو پیارے ہو گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس عقیدتمند عاشق صادق کی وفات کی خبر بذریعہ وحی معلوم ہوئی (سبب وفات ذکر نہ فرمایا گیا!؟) تو آپ نے مدینہ میں اعلان کروادیا کہ آج تمہارا ایک بھائی مرد صالح اصحم بن ابجر نجاشی شاہ حبشہ فوت ہو گیا ہے، سب میرے ساتھ عیدگاہ چلو تاکہ اس مرد صالح مرد حق کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی

جائے! اس اعلان پر تمام مدینہ منورہ امڈ آیا اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے جاں نثار، عقیدتمند اور سچے عاشق کی نماز جنازہ پڑھائی اور امت مسلمہ کو اپنے پردیسی مرنے والوں کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھانے کی زندۂ جاوید سنت عطا فرمائی جو پندرہ صدیوں سے آج تک جاری ہے اور قیامت تک اہل ایمان اس سنت کو جاری رکھیں گے!

6

فرزندِ نجاشی حضرت عبداللہ ابو نیزر رضی اللہ عنہ

تاریخ کے پہلے مسلمان بادشاہ بلکہ واحد صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم بادشاہ حضرت اصحم نجاشی کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ وہ اپنے تین صحابی رسول بیٹوں کے والد ہیں اور ان کے علاوہ ایک صحابی رسول شہزادے (نمبر ۱) کے چچازاد بھائی بھی ہیں، لیکن اس حقیقت کو اگر ہم یوں سامنے لائیں تو زیادہ موزوں بات ہوگی کہ سیرت طیبہ، علی صاحبہا الصلاۃ السلام، کے عجائبات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ایک بادشاہ بھی آپ کے صحابی پھر اس کا ایک چچازاد بھائی شہزادہ اور تین بیٹے شہزادے بھی صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم قرار پاتے ہیں! یہ منفرد فضیلت نجاشی کے سوا اور کسی کو نصیب نہیں ہوئی!

حبشہ ہجرت کر کے جانے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قائد حضرت جعفر بن ابی طالب کے حوالے سے نجاشی کو جب سب سے پہلا مکتوب نبوی (یاد رہے کہ یہ وہ مکتوب نبوی نہیں تھا جو صلح حدیبیہ کے بعد نجاشی کے علاوہ دیگر بادشاہانِ وقت کے نام بھی بھیجے گئے تھے!) ملا تو انہوں نے اس مکتوب گرامی کو سرآنکھوں پر لگاتے اور چومتے ہوئے اپنے بھرے دربار میں آپ کی نبوت ورسالت کی تصدیق کی تھی اور بتایا تھا کہ آنے والے نبی منتظر کے متعلق جو پیشین گوئیاں، علامات اور روایات ہمارے صحفِ سماویہ میں موجود ہیں وہ سب آپ پر ہی صادق آتی ہیں پھر اس موقع پر عاجزی اور تواضع سے لبریز جو جوابی خط نجاشی نے آپ کی خدمت میں لکھا تھا اس میں یہ بھی ذکر کیا تھا کہ میں اپنے سب سے بڑے بیٹے (اریحا) (یا ارھا اور اری؟!) کو بھی خدمت نبوی کے لئے ایک حبشی وفد کے ہمراہ بھیج رہا ہوں (۱)، مگر حبشی وفد کے ساتھ بحیرہ احمر میں کشتی ڈوب جانے کے باعث وہ بھی شہید ہو گئے تھے (۲)! اس کے بعد نجاشی نے خدمت نبوی کے لئے اپنا دوسرا بیٹا بھی بھیج دیا (۳) تھا! ہجرت حبشہ کے دوران میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ہاں جب

حضرت عبداللہ بن جعفر پیدا ہوئے تو اسی موقع پر نجاشی کے ہاں بھی ایک بیٹا پیدا ہوا تھا، بادشاہ نے حضرت جعفر سے ان کے نومولود کا نام پوچھ کر اپنے فرزند کا نام بھی عبداللہ رکھا تھا، نجاشی نے یہ بھی درخواست کی تھی کہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا زوجہ جعفر، نجاشی کے بیٹے کو اپنا دودھ پلا کر رضائی فرزند بنالیں، حالات کی گواہی یہ ہے کہ اس طرح یہ عبداللہ بن نجاشی بنو ہاشم کے رضاعی فرزند بھی بن گئے تھے اور ہوسکتا ہے کہ یہ عبداللہ ہی ابو نیزر رہوں؟! نجاشی نے اپنے اس سب سے چھوٹے بیٹے کو یہ تاکیدی وصیت بھی کی تھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے گھرانے کی خدمت کو اپنا شعار بنالے اور اسے بادشاہت پر ترجیح دے! چنانچہ بیٹے نے اپنے باپ کی وصیت کو حکم سمجھا اور اس پر صدق دل سے پورا پورا عمل بھی کیا! وہ صبح وشام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمات انجام دیتے رہے، وصال نبوی کے بعد انہوں نے اپنے آپ کو خاندان نبوت اور اہل بیت کی خدمت کے لئے وقف کردیا، جب تک حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا بقید حیات رہیں حضرت، ابو نیزر ان کے غلام بیدام بن کر گھر کی خدمات انجام دیتے رہے (۳)، پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے خادم فرمان بردار و فادار بن کر ان کی خدمت انجام دیتے رہے، مدینہ منورہ کے آس پاس حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جو کنویں اور کھیت تھے ان کی حفاظت، اور انتظام والنصرام بھی حضرت ابو نیزر کے سپرد رہا، مکی تاجر سے خرید کر انہیں آزاد کرنے والے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی تھے اس لئے ابو نیزر سے ان کا رشتہ ولاء قائم تھا، اسی لئے آج بھی وہ کنویں اور کھیت جہاں آبار علی (یعنی حضرت علی کے کنویں) کہلاتے ہیں وہاں یہی کنویں آبار ابی نیزر کے عنوان سے بھی جانے جاتے (۴) ہیں، نبوی اور علوی گھرانوں کی یہ خدمت حضرت ابو نیزر کے لئے عقیدت ومحبت کا قابل فخر سرمایہ تھا، انہوں نے اپنے والد گرامی حضرت نجاشی کی وصیت وتلقین کو حرز جان ودل بنائے رکھا اور اس منصب کو حبشہ کی بادشاہت پر

ہمیشہ ترجیح دی، آل نبی کی بیدام غلامی کو اپنے والد کی بادشاہت سے افضل و برتر جانا! امام سہیلی نے حضرت ابونیزر رضی اللہ عنہ کا تذکرہ قدرے تفصیل سے کیا (۵) ہے، وہ جو کہا جاتا ہے کہ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے، چنانچہ جس طرح حضرت نجاشی کے والد کے قتل کے بعد ان کا قاتل چچا بھی آسمانی بجلی گرنے سے بھسم ہو گیا تھا اور پھر اس کے احمق بیٹے حبشی سلطنت کو نہیں سنبھال سکے تھے اس لئے حبشی سرداروں کے وفد کے لوگ حضرت نجاشی کو بنوضمرہ کی غلامی سے آزاد کروا کر پھر سے تاج وتخت کا مالک بنانے کے لئے لے گئے تھے بالکل اسی طرح حضرت ابونیزر کے والد حضرت اصحم رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حبشی سردار نجاشی خانوادہ کی سلطنت کو سنبھال نہ پائے تو ایک بار پھر حبشی سرداروں کا وفد حضرت ابونیزر رضی اللہ عنہ کو بھی تخت وتاج سنبھالنے کی درخواست لیکر مدینہ منورہ آیا تھا مگر حضرت ابونیزر نے اس پیشکش کو ٹھکرا دیا تھا اور سہیلی کے الفاظ میں حبشی وفد کو صاف انکاری جواب دیتے ہوئے فرمایا تھا (۶): ماکنت لاطلب الملك بعد ان من الله علی بالاِ سلام یعنی مجھے تو اللہ تعالیٰ نے نعمت اسلام سے نواز دیا ہے اس لئے مجھے اب کسی سلطنت یا بادشاہت کی ضرورت نہیں ہے!''

سہیلی نے ابن اسحاق کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ حضرت ابونیزر رضی اللہ عنہ، جو سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ، کے موالی (آزاد کردہ غلاموں) میں سے تھے وہ نجاشی شاہ حبشہ کے فرزند تھے، حضرت علی نے انہیں ایک عرب تاجر کی ملکیت میں دیکھا تھا اور یہ جاننے کے بعد کہ وہ ایک ایسے بادشاہ کے بیٹے ہیں جس کے اہل اسلام پر بڑے بڑے احسانات ہیں، ابونیزر کی قیمت ادا کر کے انہیں آزاد کر دیا تھا، ابن اسحاق نے یہ بھی بتایا ہے کہ حضرت ابونیزر طویل قدوقامت والے، بے حد محتشم، وجیہ اور خوبصوت نوجوان تھے، ان کا رنگ بھی حبشیوں والا نہ تھا بلکہ دیکھنے والے کو وہ ایک عرب کے رنگ روپ میں ہی دکھائی (۷) دیتے تھے۔

کتاب الکامل فی اللغۃ والادب کے مصنف ابو العباس المبرد متوفی ۲۸۵ھ نے بھی اپنی اس کتاب میں حضرت ابونیزر رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کیا ہے، بلکہ حافظ ابن حجر وغیرہ نے بھی ان کے متعلق بیشتر معلومات المبرد سے ہی اخذ کی ہیں، مبرد نے اپنے ایک راوی اور شیخ سند ابو محلم محمد بن ہشام، جو تاریخ وادب کے معروف اور ثقہ راویوں میں سے ہیں، اسی ابو محلم کا کہنا یہ ہے کہ یہ بات بالکل درست اور کسی شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ ابونیزر رضی اللہ عنہ، نجاشی شاہ حبشہ ہی کا بیٹا ہے اسے کم عمری ہی سے اسلام سے بڑا شغف تھا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خدمت کیلئے حاضر ہوا تھا اور اسلام اور خدمت نبوی سے مشرف ہوا تھا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور امہات المؤمنین کی خدمت بھی کرتا رہا۔ وصال نبوی کے بعد وہ حضرت خاتون جنت فاطمۃ الزہراء اور شیر خدا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے گھرانے سے وابستہ ہو گیا اور تمام عمر آل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں غلام بیدام بنکر مصروف رہا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مدینہ منورہ میں دو مشہور کنویں (۸) اور ان سے ملحق باغ اور کھیت تھے جو حضرت ابونیزر کے سپرد تھے، ان کا مکمل انتظام وانصرام انہی کے پاس رہتا تھا، حضرت علی کے یہ کنویں اب بھی حضرت ابونیزر کے نام سے بھی جانے پہچانے جاتے ہیں (۹)، حضرت شیر خدا کبھی کبھی کام دیکھنے کے لئے وہاں تشریف لے جاتے تھے، حضرت ابونیزر بیان کرتے ہیں کہ ایک دن آپ کنویں پر تشریف لائے اور فرمایا: ''ابونیزر! تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے؟'' تو میں نے عرض کیا کہ ہے تو سہی مگر میرے خیال میں امیر المؤمنین کے شایان شان نہیں ہے! میں نے اپنے کھیت کے کدو چربی میں پکا رکھے تھے، انہوں نے فرمایا کہ تو پھر وہی لے آو، تب آپ نے چشمے کے پانی سے ہاتھ دھوئے، اور ماحضر تناول فرمایا، جب فارغ ہوئے تو دوبارہ چشمے کے پانی سے ہاتھ دھوئے، پھر ریت ہاتھوں پر ملی (کہ چربی صاف ہو جائے)، ہاتھ صاف کرنے کے بعد آپ نے اپنے ہاتھوں سے پانی کے چند گھونٹ لئے اور الحمد للہ پڑھتے ہوئے فرمانے لگے: ''دیکھو ابونیزر! ہاتھ انسان کے لئے سب سے زیادہ پاک صاف برتن ہوتے ہیں''۔

یوں لگتا ہے (اور حافظ ابن حجر نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے) (۱۰) کہ مسلمان مہاجرین حبشہ کی آخری جماعت (جس میں ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رملہ بنت ابی سفیان بھی شامل تھیں، اس آخری جماعت کو بھی رسول اللہ ﷺ کے حکم سے حضرت عمرو بن امیہ ضمری سفیر نبویؐ ہی لینے کے لئے گئے تھے اور اس کی قیادت حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے سپرد تھی) کو پروقار طریقے سے روانہ کرنے اور الوداع کہنے کے بعد حبشہ کے باا ثر پادریوں اور حبشی سرداروں نے حبشہ کی عیسائی سلطنت کے لئے خطرہ تصور کرتے ہوئے نجاشی کو بھی اسی طرح شہید کردیا تھا جس طرح پہلے ان کے والد کو قتل کرادیا گیا تھا اور نوجوان اصحم نجاشی کو غلاموں کی منڈی میں فروخت کردیا گیا تھا اور وہ غلام بنکر حجاز کے بلاد بنوضمرہ میں پہنچ گئے تھے، حضرت ابونیزر کو والد کی نصیحت تھی کہ کسی طرح حجاز پہنچ کر رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اہل بیت کی خدمت کرنا اور اسے سب سے بڑا شرف سمجھتے ہوئے بادشاہی پر بھی ترجیح دینا!

وہ جو کہتے ہیں کہ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی رہتی ہے؟ اہل حبشہ کو نجاشی کی شہادت کے بعد بھی وہی صورت احوال سامنے آئی مگر نئی کہانی میں اتنا فرق ضرور پڑا کہ ابونیزر کا خریدار بنوضمرہ کا تاجر نہ تھا بلکہ مکی تاجر انہیں خرید کر لے گیا، غالباً حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھتیجے حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما نے اپنے رضاعی بھائی ابونیزر عبداللہ نجاشی رضی اللہ عنہ کو مکی تاجر کی غلامی میں دیکھ کر پہچان لیا تھا جس پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان کی قیمت ادا کر کے انہیں فوراً آزاد کردیا تھا!

اگر آپ ہجرت حبشہ، اہل حبشہ اور شاہ حبشہ حضرت نجاشی، رضی اللہ عنہ، کے حوالے سے کتب سیرت وتذکرہ اور اسلامی تاریخ خصوصاً ابن الجوزی کی کتاب تنویر الغبش فی فضل السودان والحبش اور امام سیوطی کی کتاب رفع شأن الحبشان کا گہرا اور بالاستیعاب (۱۱) مطالعہ کریں گے تو آپ کو ایک دلچسپ مظاہرہ (فینا منا) اور ایک روح پرور منظر بلکہ مناظر دیکھنے کو ملیں گے! افریقہ خصوصاً حبشہ یا اتھوپیا سے آنے والا ہر حبشی آپ کو رسول

صلی اللہ علیہ وسلم پر دل و جان سے فدا اور جذبہ ایمان کے ساتھ خادم و غلام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بننے کی آرزو کرتا ہوا نظر آئے گا، شاید یہی وجہ تھی کہ روضہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھاڑو دینے والے صفائی کے ذمہ دار بھی ہمیشہ حبشی ہی ہوتے تھے، یہ خوشی سے راضی ہو جائے تھے اور روضہ نبوی کے آس پاس حجروں میں رہتے تھے، انہیں تمام عرب اور مسلمان ''باشا'' (باشا جمع بشوات) کہتے تھے (راقم نے خود ان بشوات کو روضہ نبوی کی خدمت کرتے ہوئے دیکھا ہے، شاہ فیصل مرحوم نے اپنے عہد میں ان کالے خدام کو خصی کرنے کی بری رسم کو ممنوع قرار دے دیا تھا) لیکن جو شفقت رحمت اور محبت و مہربانی ان حبشیوں یا ''بلالی دنیا'' کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں تھی وہ تو قابل فخر و قابل رشک ہے! جو احترام و شفقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی رضاعی ماں حضرت ام ایمن اور حضرت ثُوَیبہ رضی اللہ عنہما کے لئے تھی وہ بھی قابل توجہ اور قابل قدر ہے! حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ، حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ، حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ اور حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ کی جو قدر و منزلت، احترام و محبت اور شفقت و رحمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں تھی وہ تو آج بھی ''بلالی دنیا'' کے لئے ایک سبق، ایک عبرت اور ایک زندۂ جاوید پیغام ہے پانچ وقت کی اذان کے لئے بلال کا عشق و خلوص اور محبت و ایمان سند قرار پائے تھے حالانکہ وہ (اشہد) کے شین کو سین بولتے تھے، پیغمبر عدل و مساوات کے خزانہ دار بھی بلال حبشی رضی اللہ عنہ ہی تھے۔ فتح مکہ والے دن بیت اللہ کی چھت پر موجود بتوں کو توڑنے اور اذان سے توحید کا ڈنکا بجانے کے لئے بھی کسی ہاشمی عربی کو نہیں چنا گیا تھا بلکہ یہ شرف بھی بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو عطا ہوا، آپ کو یاد ہوگا کہ سیرت طیبہ کے حوالے سے ایک مسلمان ملک میں ایک فلم بنائی گئی تھی، ان دنوں امریکہ میں کالوں کی وہ عزت نہ تھی جو آج اوبامہ صاحب کی ہے۔ اس فلم میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے مناظر دیکھ کر اس وقت کے تمام فلم بین کالے اور کالیاں اسلام قبول کرنے لگے تھے، امریکہ کی صیہونی لابی لرز اٹھی تھی اس لئے فوراً یہ فتویٰ لگا کر فلم شو ممنوع ہو گئے کہ اسلام میں تو اس کی اجازت ہی نہیں کہ اس طرح فلم کے ذریعہ سیرت کے واقعات لوگوں کے سامنے لائے جائیں! یوں برِاعظم

افریقہ کی بلالی دنیا کو سیرت پاک کے یہ حقائق جاننے سے محروم رکھا جارہا ہے (جس طرح ہمارا الھو رام کالے اچھوتوں کو ان حقائق سے بے خبر رکھنے کے جتن کرتا رہتا ہے! مگر تابہ کے؟! سچ تو نہ چھپ سکتا ہے نہ مرسکتا ہے آخرایک نہ ایک دن تو یہ حقائق عدل وانصاف اور مساوات سے محروم آدمی کا بول بالا کرنے والے نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغامِ انسانی برابری اور اسلامی برادری کے لئے عام ہونا ہے!

تاہم حضرت ابونیزر عبداللہ نجاشی رضی اللہ عنہ کا وجود اور ان کا عملی کردار ہم سب کے لئے ایک معروضی حقیقت ہے، رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور بلالی دنیا کی باہمی محبت واحترام کے لئے ایک واضح ثبوت بھی ہے لیکن اپنے والد حضرت اصحم بن ابجر نجاشی رضی اللہ عنہ کے ایمان صادق، خلوصِ دل، عشقِ رسولؐ اور شہادت حق کے لئے بھی وہ ایک سند ہیں! ابونیزر نے اپنے والد کی نصیحت پر عمل کر کے بلالی دنیا کی سچائی، حقیقت شناسی، ثابت قدمی اور وفاداری پر خصوصاً آل نبی اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و وفاداری پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے!

رضی اللہ عنہ وارضاہ!

ہجرتِ حبشہ: تاریخ اور عبرتیں

قدیم ملکِ حبشہ (آج کے صلیبی مغرب کی زبان میں ایتھوپیا، جدید عربی میں اثیوبیا اور قدیم یونانیوں اور رومیوں کے ہاں ابے سینیاAbyssenia) کے لیے مسلمانوں (اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی مکہ مکرمہ سے ہجرت ایک بہت بڑا تاریخی واقعہ ہے کیونکہ یہ اسلام کی تاریخ میں پہلی ہجرتِ فی سبیل اللہ ہے اور ہجرت فی سبیل اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کی خاطر اپنا وطن اور گھر بار خود بخود چھوڑ جانا بھی جہاد فی سبیل اللہ (اللہ تعالیٰ کی راہ میں کوشش، ہمت اور جان تک قربان کر دینا) ہے، اسلامی اخوت اور انسانی مساوات (یا دوسرے لفظوں میں اسلامی برادری اور انسانی برابری) کی طرح قرآنی فکر کے آفاقی نظریات میں سے ایک آفاقی نظریہ ہجرت بھی ہے، جس طرح ارشادِ نبوی کی رو سے جہاد فی سبیل اللہ خاص شروط کے ساتھ فرض کفایہ ہے اور قیامت تک جاری رہنا ہے (خواہ کسی رنگ اور کسی بھی شکل میں ہی ہو)، یا جس طرح اسلامی اخوت و برادری مسلمانوں کی قوت، وحدت اور بقا کی ضمانت ہے یا جس طرح قرآنِ کریم کا عطا کردہ نظریہ وحدتِ نسلِ انسانی یا انسانی برابری ایک دائمی معاشرتی ضرورت ہے اسی طرح ہجرت فی سبیل اللہ بھی تا قیامت باقی و زندہ نظریہ حیات کی حیثیت سے مسلمانوں کی ضرورت اور ان کا امتیاز رہے گا اور "ہر ملک، ملکِ ما است کہ ملکِ خدائے ما است" پر عمل کرتے ہوئے اہل اسلام کے لئے زمین کا چپہ چپہ بلکہ کائنات کا گوشہ گوشہ وطنِ عزیز اور احترام والا مسکن و معاد ہے، بقول اقبال (۱):

مسلم استی دل باقلیمے مبند گم مشو اندر جہانِ چون و چند
می نگنجد مسلم اندر مرز و بوم در دلِ او یاوہ گردد شام و روم!

(یعنی اگر تو مسلمان ہے تو پھر اپنے دل کو کسی ایک ملک یا علاقے سے مت جکڑ کر باندھ، کیسے اور کتنے کا حساب رکھنے والی دنیا میں خود کو گم نہ کر دے! مسلمان کسی ایک خطے یا علاقے میں نہیں سمایا کرتا! مسلمان کے وسیع و عریض دل میں تو کسی ایک شام یا کسی ایک روم

(وطن) کی حیثیت کچھ بھی نہیں ہوتی!)۔

اقبال کا فرمان تو یہ بھی ہے کہ:(۲)

مذھب او قاطعِ ملک و نسب ازقریش و منکر از فضلِ عرب!

درنگاہِ اُو یکے بالا و پست باغلامِ خویش بریک خواں نشست

(یہ اقبال کے الفاظ میں ابوجہل کا واویلا ہے): یعنی مصطفیٰ ﷺ کے دین اسلام نے تو وطنیت اور نسل پرستی کی جڑیں ہی کاٹ دی ہیں، آپ اگرچہ عرب کے معزز ترین قبیلہ قریش سے ہیں مگر آپ نے تو عربوں کے دعوائے فضل و برتری کو ہی ٹھکرا دیا ہے، ان کی نظر میں آقا و غلام، اعلیٰ اور ادنیٰ، امیر و غریب سب برابر ہیں! انہوں نے تو ایک دسترخوان پر اپنے ہی غلام کے ساتھ کھانا کھا کر اخوت و مساوات کا عملی درس بھی دے دیا ہے!!)۔

حضرت علامہ، رحمۃ اللہ علیہ، نے تو اسلام کے فلسفہ ہجرت فی سبیل اللہ کی بھی خوب تشریح اور توجیہ فرمائی ہے، ارشاد ہوتا ہے(۳):

قصہ گویاں حق زماپوشیدہ اند معنئ ہجرت غلط فہمیدہ اند

ہجرت، آئینِ حیاتِ مسلم است ایں زاسبابِ ثباتِ مسلم است!

(یعنی واقعات و روایات کے گورکھ دھندے میں الجھنے والوں نے ہم سے حقیقت حال چھپائے رکھی ہے، ان لوگوں نے ہجرت کا مفہوم اور معنی ہی غلط سمجھے ہیں! جبکہ ہجرت تو مسلمان کی زندگی کا ایک ضابطہ اور آئین ہے، یہی ہجرت ہی تو مؤمن کے ثبات و دوام کے اسرار و اسباب یا وسائل اور ہتھیاروں میں سے ایک وسیلہ اور ہتھیار ہے!!)

یہ تو اسلام میں ہجرت کا وہ پس منظر اور معنی و مفہوم ہے جو شاعر اسلام حضرت علامہ محمد اقبال نے سمجھا اور اس سے اہل اسلام کو آگاہ فرمایا مگر ہمارے مہربان صیہونی مستشرقین یورپ و امریکہ اور ان کے زیر اثر صیہونیت زدہ صلیبی مغرب کے بعض متعصب دانشور چونکہ اسلام، قرآن کریم اور پیغمبر اسلام ﷺ کیلئے ۔ معاذ اللہ ۔ کوئی رسالت و نبوت کا وصفِ ربانی اور اعزاز روحانی برداشت کرنے کے لئے تیار ہی نہیں اس لئے وہ تجاہل عارفانہ سے

کام لیتے ہوئے ہجرت مدینہ کو بھی۔ معاذ اللہ۔ ایک فرار (Flight) کا نام دیکر اپنی ذلیل حقارت ونفرت کی بھڑاس نکالتے رہتے ہیں! مگر یہ لوگ ہجرتِ حبشہ کو تو بالکل ہی پسِ پشت ڈال کر پاس سے ہی گذر جاتے ہیں!؟ وہ تو اسے صرف ایک کاروبار، ایک معاملہ یا لین دین ہی سمجھتے ہیں (۴)، تاہم ان ''اہل علم وفضل'' کا یہ انکار ایک حقیقت اور حق سچ کی دنیا کو پوشیدہ رکھنے کی منظم اور ارادی کوشش ہے کیونکہ اس کی گہرائی میں جانے سے بہت سے حقائق اور عبرتوں سے پردہ اٹھتا ہے اور انہیں ماننے سے اسلام کا بول بالا ہوتا ہے! مگر یہ بات نہ صیہونیت کے لئے قابل برداشت ہے اور نہ صلیبیت کو گوارا ہے! مگر عصر حاضر کے مسلمان محققین کو کیا ہوا ہے کہ وہ بھی اس ہجرت حبشہ کے پاس سے چپ چاپ یونہی گذر جاتے ہیں؟! وہ تو یہ بھی پڑھتے اور لکھتے تو ہیں کہ کفار مکہ کی حد سے بڑھتی ہوئی اذیت سے بچنے کے لئے پناہ کی ضرورت پڑی تو فوراً خود بخود اور بے تکان نگاہِ مصطفیٰ ﷺ حبشہ کی طرف بلند ہوئی اور دست مبارک نے اشارہ بھی کیا تھا: پھر یہ بھی ارشاد ہوا تھا کہ وہاں ایک ایسا حق پرست اور منصف بادشاہ حکمران ہے جو اپنے ہاں کسی پر بھی ظلم نہیں ہونے دیتا! اس کا ملک تو سچائی اور دوستی کی سرزمین (انها ارض صدق) (۵) ہے پھر ابن سعد تو اس پر یہ گرہ بھی لگا دیتا ہے کہ ''وكانت (الحبشة) أحب الأرض إليه أن يهاجر قِبَلَها'' (یعنی رسول اللہ ﷺ کے لئے ہجرت کر جانے کی پسندیدہ ترین سرزمین تو حبشہ تھا!) ہم یہ بھی پڑھتے اور لکھتے چلے آتے ہیں کہ حضرت جعفر طیار کی عربی میں تقریر سنکر نجاشی بلا تردد حق کا قائل ہوگیا تھا اور پھر جب انہوں نے سورت مریم کی تلاوت فرمائی تھی تو نجاشی نے براہ راست تلاوت سن کر آنسوؤں سے اپنی ڈاڑھی بھگولی تھی، نجاشی نے یہ عربی کہاں سے سیکھی تھی؟!

اس زمانے کی تین بڑی طاقتوں (فارس، روم اور حبشہ میں سے) ایک کا حکمران نجاشی تھا مگر جن جن بادشاہوں کو خط لکھے گئے تھے (ان میں سے ایک حقیر سا عرب حکمران حارث غسانی خط کا جواب تو کیا دیتا اس مردود نے تو سفیر نبوی کو بھی شہید کروا دیا تھا!) مگر یہ صرف شہنشاہ حبشہ نجاشی ہی تھا جس نے ادب وتواضع کے ساتھ جواب بھی دیا اور لکھ بھیجا تھا کہ اگر

سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہو تو میں ابھی چل کر حاضر خدمت ہو جاؤں اور نعلین مبارک سر آنکھوں پر اٹھاؤں؟(۶) پھر اپنے بڑے بیٹے اریحا بن اصحم کو خدمت کے لئے مدینہ منورہ بھیج دیا تھا مگر رستے میں جہاز غرق ہو جانے کی وجہ سے وہ خدمت نبوی کے لئے نہ پہنچ سکا تو شاہ حبشہ نے اپنا دوسرا بیٹا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لئے بھیج دیا تھا، کیوں؟!۔

نجاشی نے اپنے وفد کے ذریعہ نبی برحق کی زبان مبارک سے اپنی مغفرت کے لئے دعا کی درخواست بھی کر بھیجی تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند آواز سے گویا اپنے اصحاب کو گواہ بنا کر فرمایا تھا کہ ''اللّٰھم اغفر النجاشی'' پھر جب نجاشی کو شہادت کی موت نصیب ہوئی تھی تو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھائی تھی! آخر نجاشی میں کیا تھا؟! کون سی ایسی بات تھی اس میں؟! یہ اور اس قسم کے درجنوں سوالات ہیں جن کا جواب تاریخ سے لینا ضروری تھا، صیہونی اور صلیبی ''اہل علم وفضل'' ان سوالات کے جواب خوب جانتے اور سمجھتے ہیں مگر وہ تکبر اور نفرت کے نرغے میں ہیں، مگر جدید دور کے مسلم مفکرین ومحققین نے بھی تو اب تک ان کا جواب ڈھونڈھا ہی نہیں، الا ماشاء اللہ، یہ ان کی غفلت اور کوتاہی ہے؟! منٹگمری واٹ بہت معتبر برطانوی مستشرق اور سیرت نگار سمجھا جاتا ہے مگر وہ بھی ہر بات میں کیڑے نکالنے کا خوگر ہے حتی کہ وہ تو ہجرت حبشہ کو ہجرت مانتا ہی نہیں، بلکہ وہ تو اسے ''حبشی معاملہ Abyssenian Affair'' کے عنوان سے ذکر کرتا ہے اور حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ کا اسم پاک تو اس کی نوک قلم پر آتا ہی نہیں، آخر کیوں؟ صرف اس لئے کہ حضرت نجاشی بیک وقت صدیقی اور بلالی خصائص سے متصف تھے! اللہ تعالیٰ نے انہیں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی سی حب رسول اور فداکاری سے نوازا تھا اور وہ حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ جیسے سچے عاشق رسول بھی تھے!! وہی بلال جنہوں نے مدح نبوی میں اپنی حبشی زبان میں ایک شعر کہا تھا اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے اس کو عربی شاعری کا لباس پہنانے کے لئے منت کی تھی، یہ اکلوتا بلالی شعر گویا تمام حبشیوں کے عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نمائندگی کرتا ہے، حضرت حسان نے حضرت بلال کے اس اکلوتے شعر کو یوں عربی جامہ پہنایا تھا(۷):

إذِ المکارمُ فی آفاقنا ذُکِرَتْ فیکَ فیناً یُضْرَبُ المثلُ

(یعنی ہم حبشیوں کی دنیا میں جب مکارم اخلاق کا ذکر آتا ہے تو پھر ہم یہی کہتے ہیں کہ جیسے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں! ہمارے ہاں ضرب المثل تو یارسول اللہ! آپ ہی کے مکارم اخلاق ہیں نا!!)

خیر یہ تو ہیں یورپ کے صیہونی یا صیہونیت زدہ صلیبی مستشرقین اور ہمارے معاصر مسلم محققین کے معاملات لیکن قرآنی فکر کی ضوفشانی اور اسلامی تاریخ کے بولتے ہوئے حقائق اور عبرتوں کو مغرب کی نفرت وتکبر دبا سکتا ہے نہ اسلامی مشرق کی غفلت اور کوتاہی ان پر پردہ ڈال سکتی ہے!

یہ بعثتِ نبوی، علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام، کے پانچویں سال کی بات ہے جب قرونِ وسطیٰ کی رومنوں اور یہودیوں کی ستائی ہوئی مسیحیت کی فریاد رسی کرنے والے نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مظلوم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو وقت کی ایک ایسی عیسائی سلطنت میں پناہ لینے کی تلقین فرمائی تھی جس کا عادل حکمران دل سے مسلمان اور سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کا عاشق و گرویدہ بن چکا تھا اور حالات گواہی دیتے ہیں کہ نجاشی نے حجاز کے علاقہ بنوضمرہ میں غلام کی حیثیت سے قیام کے دوران میں نہ صرف عربی زبان سیکھی اور عربوں کو جانا اور پہچانا تھا بلکہ آفتاب قریش حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعارف ہونے کے علاوہ نبی منتظر کی آمد آمد کا وہ غلغلہ بھی سنا تھا جو اس وقت شام وفلسطین کے علاوہ حجاز اور یمن کے یہودی اور مسیحی حلقوں میں بھی بلند ہو رہا تھا! نوجوان غلام شہزادہ اصحم نجاشی رضی اللہ عنہ نہ صرف یہ کہ مکہ مکرمہ میں موجود اپنی ہم وطن حبشی غلاموں کی کمیونٹی سے متعارف وشناسا تھا جو اپنے آقاؤں کی اجازت سے باہم مل بیٹھ کر کبھی کبھی مکہ میں خوشیاں مناتے تھے بلکہ قریش کے اس نوجوان صادق وامین صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی آگاہ تھا جو معاشرتی عدل وانصاف کا داعی اور حبشی غلاموں کا غمخوار ومددگار بھی مسلّم تھا بلکہ وہ تو اپنے مکارمِ اخلاق کے طفیل اہل مکہ کے ہاں صادق و امین (صلی اللہ علیہ وسلم) کے القاب ہی سے یاد کیا جاتا تھا، وہ جب یثرب میں اپنے والدگرامی

حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کی قبر اور ابواء کے مقام پر اپنی والدہ ماجدہ کی قبر کی زیارت کے لئے تشریف لے جاتے تھے تو آتے جاتے بلاد بنو ضمرہ میں موجود حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ اور بنو ضمرہ کے غلام شہزادہ اور حضرت عمرو بن امیہ ضمری کے جگری یار یعنی غلام شہزادہ حضرت اصحم بن ابجر رضی اللہ عنہما سے بھی ان کی ملاقات رہتی ہوگی (؟!) اسی پر اعتماد دوستی کی فضا میں غار حراء سے اقرأ کی عالمتاب کرنیں پھوٹ پڑی ہوں گی اور کیا عجب کہ جب غلام شہزادہ کو مایوس اہل حبشہ دوبارہ شہزادہ مان کر تاج وتخت کا مالک بنانے کے لئے بلاد عرب سے لینے کے لئے آئے ہوں گے تو حبشہ جانے سے پہلے نجاشی مکہ مکرمہ میں ضرور حاضر خدمت ہوا ہوگا اور ملاقات کے راز و نیاز میں رازداری کے عہد و پیمان کے ساتھ یہ بھی طے ہوا ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان متکبر اور سرکش ابوجہلوں اور حیلہ جو ابوسفیانوں کو چھوڑ کر اپنے ساتھیوں کے ہمراہ حبشہ ہی کو اپنا ''دارالہجرت'' ہونے کا شرف عطا فرما دیں گے! اور شاید ابن سعد کے مذکورہ (۸) قول کا بھی یہی پس منظر ہو؟! محب، نجاشی رضی اللہ عنہ، اور محبوب، مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے باہمی اعتماد، بے تکلفی اور روح پرور نامہ و پیام کا سبب بھی شاید یہی ہو جسے ''صدور الاحرار قبور الاسرار'' (شرفا کے سینے تو اسرار کی قبریں ہوتے ہیں) کے اصول کے مطابق دل میں ہی محفوظ رکھا گیا ہو؟! اس رازدارانہ مفاہمت پر دلالت کرنے والے متعدد قرائن موجود ہیں جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ محب، (حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ) اور محبوب، (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کے درمیان مفاہمت، اعتماد اور عقیدت و احترام کے تعلقات موجود تھے جو سینوں میں ہی محفوظ رہے مگر یہ نتائج کی صورت میں سامنے بھی آتے رہے تھے! چنانچہ جب مکہ مکرمہ سے ہجرت ضروری ہوگئی تو حضرت نجاشی کا حبشہ ہی مسلمانوں کا ''اولین دارالہجرت'' قرار پایا تھا! مسلمانوں نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باقاعدہ اجازت سے بلکہ آپ کے حکم اور تلقین سے حبشہ کے لئے ہجرت کی مگر مغرب کے صیہونی اور صلیبی مستشرق اسے فرار Flight اور معاملہ Affair قرار دینے پر مصر (۹) ہیں اور یہ صرف اس لئے کہ اسے ہجرت ماننے سے یہ بھی لازماً ماننا پڑتا ہے کہ صحابہ کرام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

نے بھی اپنا عقیدہ اور ایمان بچانے کے لئے اسی طرح ہی جائے پناہ تلاش کی تھی جس طرح انبیائے سابقین اور ان کے ماننے والے ظلم سے تنگ آ کر اور اپنا عقیدہ وایمان بچانے کے لئے محفوظ جگہ کے لئے ہجرت کرتے رہے تھے! یہ ''بیچارے'' صیہونی اور ان کے گماشتے صلیبی مستشرقین نما پادری اور احبار، گمان یہ کرتے ہیں کہ اگر وہ اس مشابہت صادقہ صحیحہ کو مان لیں گے تو وہ اسلام کی روز افزوں اشاعت کو کیسے روک سکیں گے (جواب کسی سے بھی کسی حال میں بھی رکنے والی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہی وعدہ اور یہی مرضی بھی ہے!)

زمانہ قبل از اسلام میں مکہ مکرمہ اور اہل مکہ کے حبشہ اور اہل حبشہ سے مسلسل تاریخی روابط اور تعلقات رہے تھے، حبشہ سے اور حبشہ کے ذریعہ باقی افریقہ سے غلام لائے جاتے تھے اور یہ سب کے سب ''حبشی غلام'' ہی کہلاتے تھے حتیٰ کہ ''حبشی'' کا لفظ کالے افریقی کے مترادف ہو کر رہ گیا تھا، دنیا بھر کی طرح مکہ میں بھی یہ حبشی غلام ظلم اور بدسلوکی کا شکار تھے اور جانوروں سے بھی کمتر بلکہ بدتر سمجھے جاتے تھے۔ ظہور اسلام کے وقت بھی (آج کی طرح ہی) کالوں کی مکہ مکرمہ میں ایک خاص تعداد تھی جو اکثر غلام اور فقراء ہی ہوتے تھے، نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مظلوم طبقہ کے ساتھ حسن سلوک فرمایا اور اس کا حکم بھی دیا اور رنگ ونسل کی تفریق کو ممنوع قرار دے دیا تھا اسی لئے اس ''بلالی طبقہ'' یعنی اہل افریقہ میں ہمیشہ ہی عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شدت اور کثرت رہی ہے اور بفضل خدا آج بھی ہے اور ہمیشہ رہے گی!

بحیرہ احمر میں کشتی رانی کی سہولت نے عرب اور حبشہ کو بہت قریب کر دیا تھا اس لئے حبشہ اور حجاز ویمن کے درمیان اقتصادی وسیاسی تعلقات کی بھی اپنی اپنی تاریخ ہے، مکہ کے حبشہ کے ساتھ تجارتی تعلقات کی بڑی اہمیت تھی، یمن پر حبشیوں کی حکمرانی رہی ہے اور حبشہ پر یمنی نسل کے عرب بھی صدیوں حکمران رہے ہیں، مکہ پر حملہ آور یمن کا حاکم ابرھہ بھی اصلاً اور نسلاً حبشی تھا، شاہان حبشہ نے سرداران قریش کو تجارت کے لئے خصوصی مراعات بھی دے رکھی تھیں (۱۰) جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا حضرت عبدالمطلب اور ان

کے والد حضرت ہاشم کے نام بھی شامل ہیں، مکہ اور حبشہ کے درمیان تجارتی اسفار ایک معمول کی بات تھی! حجاز و یمن سے حبشہ کے لئے جانوروں کی کھالیں جاتی تھیں اور حبشہ سے اہل عرب غلام خرید کر لاتے تھے (اور اس کی روشن مثال خود حضرت اصحم نجاشی ہیں جنہیں بنوضمرہ کا ایک عرب تاجر خرید لایا تھا!!)

مسلمانوں کو ہجرت حبشہ کی ترغیب ایک تو ان سیاسی و تجارتی تعلقات سے ہوئی لیکن ہجرت حبشہ کا سب سے بڑا سبب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ کی عقیدت و محبت اور شاید دونوں ہستیوں کی باہمی مفاہمت اور خصوصی تعلقات تھے! ہجرت حبشہ جہاں حضرت نجاشی اصحم بن ابجر رضی اللہ عنہ کے عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، ان کی اسلام دوستی اور مسلم امت کی اولین شاہی سرپرستی کی یاد دلاتی ہے وہاں ایک بیرونی ملک اور قوم سے مسلمانوں کے اولین اجتماعی رابطہ اور تعلق کی بھی زندہ جاوید بلکہ خوشگوار و قابل فخر یادگار ہے! یہ اس بات کی بھی دائمی شہادت ہے کہ اسلام دین امن اور وفا ہے اور مسلمان ایک امن پسند، انسان دوست اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ایک قابل اعتماد، وفادار اور مشکل میں کام آنے والی اور ثابت قدم و شکر گذار قوم ہیں! یہ اس قرآنی فکر کی روشنی میں بڑھنے والا پہلا مسلم قدم بھی ہے جو ہجرت فی سبیل اللہ کیلئے ایک ہمہ گیر، دائمی اور آفاقی نظریہ زندگی کی نمائندگی کرتا ہے! یہ ہجرت اب امت مسلمہ کا جہاد بھی ہے، سفر وسیلہ ظفر کی دعوت بھی اور حسن عمل کے لئے راہ دکھانے والا خدائی وعدہ بھی ہے!

قرآن کریم ہجرت فی سبیل اللہ کو قانون و عہد خداوندی، تاریخ ساز اقوام کا سلاح و وسیلہ اور سنت انبیائے کرام قرار دیتا ہے اور اس کے ساتھ ہی کفر و باطل کو ٹھکرا کر اللہ تعالیٰ کی وسیع سرزمین میں تلاش امن و سلامتی اور طلب رزق حلال کا پرعزم ولولہ بھی عطا کرتا ہے، مسلمانوں کے لئے ہجرت میں رغبت اور تائید خداوندی کی واضح دعوت کا آئینہ تو سورت عنکبوت دکھاتی ہے جو نبوت کے پانچویں چھٹے سال میں نازل ہونے والی مکی وحی ربانی میں سے ہے مگر اسی عرصہ میں نازل ہونے والی دیگر تین سورتوں۔ شعراء تا قصص۔ میں حضرت

ابراہیم، لوط اور موسیٰ علیہم السلام کی ہجرتوں کی روداد بھی ہے، پہلی وحی کے نزول کے فوراً بعد ہی عہد نبوی کے قریشی ماہر تورات وانجیل حضرت ورقہ بن نوفل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جس سنت انبیاء کرام کا احساس دلایا تھا اس سنت پر عمل کرنے کے لئے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور امت مسلمہ کو ذہنی اور شعوری طور پر تیار کیا گیا چنانچہ سورت شعراء، نمل اور قصص میں حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہجرتوں کے واقعات، باطل پر حق کی آخری اور فیصلہ کن فتح پانے کی کہانیاں عبرت کا مرقع ہیں، سورت عنکبوت کی خصوصی اہمیت اس لئے بھی ہے کہ اس میں حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہ السلام کی ہجرت، ہجرت الی اللہ یا دوسرے لفظوں میں ہجرت فی سبیل اللہ کا بیان ہے جس میں اخلاص نیت کے ساتھ دین وایمان بچانے کے لئے اور محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے گھر بار چھوڑ کر جائے امن اور رزق حلال کے لئے نکلنا مقصود ہوتا ہے، اسلام چونکہ ملت ابراہیمی کا احیاء بھی ہے اس لئے حضرت ابراہیم اور ان کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کی ہجرت الی اللہ کا ذکر کر کے مسلم امہ کو ان کی سنت پر عمل کے لئے تیار رہنے کا پیغام بھی دیا گیا ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی سورت کی آیت ۵۶ میں یہ پیغام بھی دیا جارہا ہے کہ اہل مکہ کے ہاتھوں ناقابل برداشت اذیت اٹھانے اور ایمان سے پھر جانے کے لئے مجبور کئے جانے والے مسلمانوں کو اللہ کی طرف سے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ ''میری سرزمین بہت وسیع ہے (اس لئے باطل کے سامنے جھکنے کے بجائے) صرف میری ہی عبادت کرنا ہے میرے ہی بندے بن کر رہنا ہے(۱۱)!'' اور اسی سورت کے اختتام پر ہجرت فی سبیل اللہ یا جہاد فی سبیل اللہ کے لئے نکلنے والے مومنین صادقین سے یہ وعدہ بھی کیا(۱۲) جارہا ہے کہ ''جو لوگ ہمارے لئے مشقت اٹھائیں گے یا مشکل میں پڑیں گے تو ہم انہیں اپنے رستے ضرور دکھائیں گے، اور اللہ تعالیٰ تو یقیناً حسن عمل کرنے والوں کے ساتھ ہیں!''

ان آیات کریمہ میں ہجرت کر کے امن وسلامتی کی خاطر اور رزق حلال کی تلاش کے لئے گھر بار چھوڑنے کی طرف واضح اشارات بلکہ دعوات موجود ہیں اور یہ اسی سورت کے ہی

نزول کا زمانہ ہے جس میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، کو ہجرت حبشہ کا حکم ہوتا ہے! مگر اس ہجرت فی سبیل اللہ کے اعلان و تلقین سے پہلے تاجدار خلق عظیم، رحمۃ للعالمین، تعمیر کردار وانسان سازی کے معلم اولین وآخرین (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے پیروکاروں کی سب سے پہلی جماعت مقدس کو فکر و عمل کی زندگی میں قدم رکھنے کا عزم بالجزم عطا کرنے سے پہلے تزکیہ نفس اور کتاب وحکمت کی تعلیم و تربیت دیکر باطل کے ہر طوفان کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار فرما چکے تھے! صحابہ کرام کی اس اولین جماعت مقدس کے دلوں کو نغمۂ توحید اور وحدت نسل انسانی پر ایمان سے آباد کرنے کے ساتھ ساتھ اخوت و مساوات کے انسانیت دوست جذبہ پاک سے بھی سرشار کر چکے تھے! ''وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ'' (ان کے تمام معاملات تو باہمی مشاورت سے طے پاتے ہیں)، اللہ رب العزت نے اپنے انسانیت کے نام اولین وآخرین پیغام حق قرآن کریم میں یہ پاکیزہ جمہوری روش والی صفت بھی اسی اولین جماعت مقدس کی تو بیان فرمائی ہے اور کیا خوب فرمائی (۱۳) ہے:

> ''اے میرے حبیب مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے بندوں (کی اس مقدس جماعت) کو یہ خوشخبری سنا دیجئے کہ جو (اپنے ہر رکن اور ساتھی کی) بات کان لگا کر غور سے سنتے ہیں، پھر (ان کہی گئی باتوں میں سے) بہترین بات ہی کی پیروی کرتے ہیں! یہی تو وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے سیدھا رستہ سُجھا دیا ہے اور یہی تو وہ لوگ ہیں جو پختہ عقل سلیم والے ہیں!!''

یہ تزکیہ نفوس اور کتاب وحکمت کی تعلیم و تربیت چپ چاپ خاموشی کے ساتھ مکہ مکرمہ کی ایک حویلی کے اندر انجام پائی تھی جسے تاریخ اسلام نے ''دارارقم'' کے نام سے جانا اور پہچانا ہے، اسلام کی ہمہ گیر تحریک شروع کرنے سے پہلے تربیت یافتہ کارکنوں کی جماعت مقدس اسی تربیت گاہ ہی میں تیار کی گئی تھی! اسلام کے اس پرآشوب ابتدائی دور میں صحابہ کرام کی تربیت فرمائی گئی تھی اور انہیں عملی زندگی کے طوفانوں کا سامنا کرنے کے لئے تیار کیا گیا تھا، پھر دنیا نے دیکھ بھی لیا کہ اسی اولین مٹھی بھر مقدس جماعت نے صرف ربع صدی

کے اندر ہی اس وقت کی دو سپر طاقتوں فارس و روم کو زیر نگیں کر کے دنیا میں ایک ہمہ گیر انقلاب برپا کر کے دکھا دیا تھا، اس تربیت اور اس کے نتائج کا ایک نقشہ علامہ اقبال نے اپنے ایک خوبصورت فارسی شعر میں کھینچا ہے اور کیا خوب کھینچا (۱۴) ہے:

بانشہء درویشی در ساز و دما دم زن
چوں پختہ شوی خودرا بر سلطنتِ جم زن!

(یعنی درویشانہ مستی کے ساتھ تیاری اور تربیت حاصل کرتے رہو اور جب اپنے کام میں پختہ تجربہ حاصل کر لو تو پھر جمشید کی سلطنت پر ضرب لگا دو!)

یہ بھی قدرت ربانی کا انوکھا کرشمہ ہے کہ ہجرتِ حبشہ (اور پھر ہجرتِ مدینہ) کے وقوع پذیر ہونے سے پہلے ہی تاریخ انسانی کے سب سے بڑے پر امن انقلابی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے دنیا کو بدلنے سے پہلے انسانیت کو بدلا تھا! اسی لئے اس انتہائی سست رفتار زمانے میں بھی بے انتہا تیزی اور سرعتِ رفتار کے ساتھ مختصری مدت میں اس انقلاب نے دنیا کے نقشے بدل کر رکھ دئے تھے اور وقت کے خاموش سمندر میں اس انقلاب محمدی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) نے وہ تلاطم پیدا کیا جس کے مدوجزر آج بھی دنیا محسوس کر رہی ہے اور یہ زاویے بدل بدل کر، اور نئے سے نئے ولولے کے ساتھ رخ بدل بدل کر ہر طوفان باطل کا مقابلے کرتے ہوئے بڑھا ہی چلا جاتا ہے اور لیظھرہ علی الدین کلہ کی آخری اور فیصلہ کن فتح تک جاری رہے گا، باذن اللہ!

دنیا کی تاریخ نے اس انقلابِ عدل و امن کی ابتدایوں دیکھی کہ عورت، جسے لوگوں نے کمزور جانا اور مانا (اور آج بھی یہی جانا اور مانا جا رہا ہے؟!) اسی عورت کے عزم و حوصلے سے لبریز چند الفاظ نے اس داعی انقلاب کی ہمت بندھائی تھی! نبوت و رسالت اور انسانیت کی ہدایت و قیادت کی بھاری ذمہ داری اٹھائے ہوئے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ جب غار حراء سے اتر کر گھر تشریف لائے تھے تو اس بھاری بوجھ کی وجہ سے بہت فکر مند تھے مگر اماں خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا، کے ان غیر فانی الفاظ اور دل افروز تسلی نے نقشہ ہی بدل دیا

تھا! اب بھی اگر کوئی عورت کو کمزور سمجھتا ہے تو یہ اس کی بھول ہے اور اگر عورت بھی خود کو کم تر اور کمزور سمجھتی ہے تو یہ اس کی اپنی مرضی ہے! حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو ایسا ہرگز نہیں مانتے! عورت آج بھی اگر اسلام کا علَم تھام لے تو اپنے حقوق بھی لے سکتی ہے، قائد بھی بن سکتی ہے، فاتح بھی بن سکتی ہے اور اپنا معاشرتی کردار بھی ادا کر سکتی ہے، اس کے لب شیریں سے ادا ہونے والے تسلی بخش کلمات آج بھی شوہر کو فولادی عزم کا پہاڑ بنا سکتے ہیں! بالکل ایسے ہی جیسے اماں خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے پر تاثیر غیر فانی کلمات تھے! مگر یہ مرد اور عورت کی برابری کی بات ہے! دارارقم میں مساوات مرد وزن کے ساتھ ساتھ آقا و غلام امیر و غریب کی برابری بھی قانون بن گئی تھی، صدیق اکبر، عثمان غنی، زید بن حارثہ اور بلال حبشی رضی اللہ عنہم بھی بھائی بھائی اور برابر قرار پاگئے تھے، عرب و عجم، کالے گورے اور چھوٹے بڑے سب بھائی بھائی اور برابر قرار دے دیئے گئے تھے! مکہ مکرمہ کے دارارقم میں بھی اہل ایمان کو رشتہ اخوت میں پرو دیا گیا تھا (مواخات صرف مدینہ میں ہی نہیں (۱۵) ہوئی تھی!؟)، حبشہ کی طرف ہجرت فی سبیل اللہ کے لئے روانہ کرنے سے پہلے ہی ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کی اس اولین جماعت مقدس کو اخوت و مساوات سے آراستہ کرنے کے ساتھ ساتھ دستور مشاورت بھی عطا فرما دیا تھا! تمام روئے زمین کو مومن کا وطن قرار دے دیا گیا تھا تا کہ اس جماعت کے افراد میں کسی قسم کی تفریق و امتیاز، اجنبیت اور بیگانگی باقی نہ رہے (۱۶)!۔

یوں گویا ہجرت فی سبیل اللہ اصول خداوندی بھی ہے، دستور فطرت بھی، سنت انبیاء بھی اور تاریخ کا فیصلہ بھی! اسی لئے روز اول ہی سے بائبل کے ماہر اور حق شناس ورقہ بن نوفل نے عہد نامہ قدیم و جدید میں مذکور علامات و نشانات نبوتِ خاتمہ کی بنیاد پر رسول اولین و آخرین صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لیا تھا اور تسلی دیتے ہوئے فرما دیا تھا کہ غار حراء میں پیغام حق لانے والا جبریل امین وہی ناموس قدسی ہے جو سیدنا موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام پر بھی اللہ تعالیٰ کا نازل ہونے والا پیغام برحق لے کر آتا رہتا تھا مگر ساتھ ہی یہ پیشین گوئی بھی کر دی تھی کہ کفار مکہ بت پرستی اور شرک میں ڈوبے ہوئے ہیں اس لئے پیغام توحید ربانی اور وحدت نسل انسانی

سے بدک جائیں گے اور اپنے ہادی برحق کو ہجرت کرنے پر مجبور کر دیں گے، چنانچہ وہی ہوا اور وحی ربانی نے درجہ بدرجہ قدم بقدم ہادی برحق ﷺ اور ان کے جاں نثار ساتھیوں کو اس فیصلہ کن مرحلے کے لئے عزم وہمت کے ساتھ ذہناً وقلباً ہجرت حبشہ اور بالآخر ہجرت مدینہ کے لئے تیار کر دیا تھا، اس ناگزیر مرحلے سے آگاہ کر دیا گیا تھا، اور اہل اسلام اس کے لئے پوری طرح تیار ہو گئے تھے، بت پرستوں کو خدا پرستی گوارا نہ تھی اس لئے داعیٔ اسلام کی راہ میں رکاوٹیں ڈالنے، مسلمانوں کی اذیت رسانی اور بڑھتی ہوئی اشاعت اسلام سے خوف کھانے میں آخری حد تک چلے گئے تھے، رسول اللہ ﷺ کو ان کے ماننے والوں سمیت شہید کرنے پر بھی تل گئے تھے! بنی ہاشم کا مقاطعہ کر کے انہیں شعب ابی طالب میں محدود ومحصور بھی کر دیا گیا تھا تاہم بنو ہاشم کے ڈر سے وہ رسول اللہ ﷺ پر دست درازی کا تو حوصلہ نہیں پا رہے تھے مگر مسلمانوں کی اذیت رسانی میں انتہا کر دی گئی تھی اور بعض کی جان لینے سے بھی باز نہیں آ رہے تھے، رسول اللہ ﷺ کے لئے بھی ساتھیوں کا دفاع مشکل ہو گیا تھا، چنانچہ ایک روز آپ کی رحمۃ للعالمینی جوش میں آ گئی اور حکم ربانی سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فرمایا گیا کہ ''تفرقوا'' یعنی روئے زمین پر پھیل جاؤ! سب نے دلی آمادگی کے ساتھ عرض کیا تھا کہ یارسول اللہ! ہم کدھر جائیں؟! سرکار ﷺ نے اپنے دست مبارک سے ملک حبشہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ''ادھر! اور اس حبشہ کی سرزمین کی طرف ہجرت کرنا رسول اللہ ﷺ کو سب سے زیادہ پسند تھا'' (وکانت احب الارض الیہ ان یہاجر قبلہا) (۱۷)۔

یہ الفاظ ابن سعد کے ہیں، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حبشہ کی سرزمین ہجرت کے لئے آپ کو کیوں پسند تھی؟ کیا آپ نے اپنے صحابہ کرام سے کہیں کبھی اس کا ذکر نہیں فرمایا ہو گا؟ تبھی تو یہ بات آگے چلی ہو گی اور الواقدی کے واسطہ سے امام زہری اور ان سے ابن سعد نے اسے نقل کیا ہو گا (۱۸)!؟ ابن ھشام نے تو یہ نہیں بتایا کہ حبشہ پسندیدہ سرزمین ہجرت تھی، اس کے ہاں تو ''تفرقوا'' کے الفاظ بھی نہیں، البتہ اس نے حبشہ کے لئے سرزمین دوستی یا

سچائی کی سرزمین (وھی ارض صدق؟) کے الفاظ کا اضافہ ضرور کیا ہے اور بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ لوخرجتم الی أرض الحبشۃ فإن بھا ملکا لا یظلم عندہ أحد وھی أرض صدق (اگر تم لوگ سرزمین حبشہ کی طرف نکل جاؤ تو وہاں ایک ایسا بادشاہ حکمران ہے جس کے ہاں کسی پر ظلم نہیں کیا جاتا اور وہ سچائی یا دوستی کی سرزمین بھی ہے)(۱۹)۔

ابن سعد اور ابن ہشام اس بات پر متفق ہیں کہ حبشہ کی ہجرت اولی میں جو گیارہ مرد اور چار خواتین شامل تھیں ان میں سب سے پہلے روانہ ہونے والے حضرت عثمان بن عفان اور ان کی شریکہ حیات حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا تھیں، اس طرح گویا حضرت عثمان اس ہجرت اولیٰ کے قائد اور امام تھے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے کہ:

''لوط علیہ السلام کے بعد اپنی اہلیہ کے ہمراہ ہجرت فی سبیل اللہ کے لیے سب سے پہلے گھر چھوڑنے والے عثمان بن عفان ہیں''، یہ سورت عنکبوت (۲۰) میں مذکور حضرت لوط علیہ السلام کی ہجرت الی اللہ (انی مھاجر الی ربی!) کی طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے، مؤرخین، سیرت نگاروں اور صحابہ کرام کے تذکرہ نویسوں کی اکثریت کی رائے یہ ہے کہ پہلی ہجرت حبشہ نبوت کے پانچویں سال کے ماہ رجب کا واقعہ ہے، امام بیہقی کے الفاظ ہیں کہ(۲۱):

أَمَرَهُمْ رسولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم حین دَخَلَ الشِّعْبَ مَعَ بنی عبد المطلبِ بالخروجِ الی أرضِ الحبشةِ

''یعنی جب رسول اللہ ﷺ بنو عبد المطلب کے ہمراہ شعب (ابی طالب) میں محصور ہوگئے تو آپ نے اپنے صحابہ کرام کو سرزمین حبشہ چلے جانے کا حکم فرمایا تھا!''

یہ بیان صیہونیت زدہ مستشرقین کے اس زعم کو بھی باطل ٹھیراتا ہے جو ہجرت حبشہ کو ہجرت مانتے ہی نہیں بلکہ اسے محض لین دین اور کاروبار کا ایک معاملہ قرار دیتے ہیں (۲۲)، اس زعم باطل کے معاندانہ جھوٹ کو تو یہ بات بھی عیاں کردیتی ہے کہ ایک ضعیف سی روایت کے مطابق سورت النجم کے نزول پر ایک شیطانی مغالطے کے باعث ولید بن مغیرہ سمیت تمام

کفار مکہ بھی سجدہ ریز ہو گئے تھے جب حرم بیت اللہ میں انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے سورت النجم کی تلاوت سنی تھی اور مکہ میں یہ مشہور ہو گیا تھا کہ تمام سجدہ ریز ہونے والے مشرک مسلمان ہو گئے ہیں اور جب یہ غلط خبر حبشہ پہنچی تھی تو مسلمان واپس آ گئے تھے مگر واپسی پر کفار مکہ نے ان پر پہلے سے بھی زیادہ سختی اور تشدد شروع کر دیا تھا (ہمارے نزدیک تو یہ واقعہ بعض معاندین وملحدین کا گھڑا ہوا ہے مگر بعض مستشرقین اسے درست، معتبر اور یقینی مانتے ہیں) اگر بات صرف کاروباری ہوتی تو مہاجرین واپس نہ آتے اور اگر کفار کے مظالم نہ بڑھتے تو دوسری ہجرت حبشہ اور پھر قریش کی سفارت کاری کا چکر بھی نہ چلتا!

دوسری ہجرت حبشہ کے بعض واقعات واضح طور پر ثابت کرتے ہیں کہ یہ سفرِ ہجرت پہلے سے طے شدہ تھا اور اس کے لئے باقاعدہ مشاورت اور منصوبہ بندی کی گئی تھی، اس ضمن میں ابن سعد کا بیان مفصل اور قابل توجہ واہتمام ہے (۲۳) کہ:

> ''جب اصحاب رسول اللہ ﷺ، پہلی ہجرت حبشہ سے مکہ مکرمہ واپس آ گئے تو ان کی قوم نے ان پر پہلے سے زیادہ سختیاں شروع کر دیں، ان کے خاندانوں والے ان پر ٹوٹ پڑے تھے اور انہیں سخت ترین اذیتیں پہنچانے لگے تھے، تب رسول اللہ ﷺ، نے انہیں دوبارہ ہجرت حبشہ کی اجازت فرما دی، مگر یہ دوسری بار کی ہجرت پہلی ہجرت سے بھی زیادہ تکلیف دہ تھی، قریش مکہ نے ان سے سخت برتاؤ کیا اور شدید اذیت پہنچائی، کفار مکہ کی اس شدید بدسلوکی کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ یہ جان کر وہ شدید برہم تھے کہ شاہ حبشہ نجاشی نے ان سے بہت اچھا سلوک کیا ہے!''

چودہ یا پندرہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اس پہلی جماعت مہاجرین حبشہ میں خواتین کا شامل ہونا، خصوصاً حضرت رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ کا شامل ہونا، پھر جلدی میں حجاز کی بندرگاہ شعیبہ (اب جدہ) سے تجارتی کشتی میں سوار ہو جانا بتاتا ہے کہ وہ عقیدہ بچانے اور کفار مکہ کی اذیت سے نجات پانے کے لئے گھروں سے نکلے تھے، کتب تاریخ وسیرت کے

صفحات ان حق پرستوں کی جدہ یا شعیبہ سے روانگی کو تو ریکارڈ کرتے ہیں مگر حبشہ پہنچنے کی کیفیت کے بارے میں خاموش ہیں، غالباً اللہ کے یہ نیک بندے حبشہ کی واحد بندرگاہ مُصَوَّع ہی پر اترے ہونگے (جو آج کل مسلم اکثریت کے وطن اریٹیریا کی بندرگاہ ہے مگر صلیبی مغرب نے مسلم اکثریت کے اس علاقے کو ایتھوپیا کی عیسائی سلطنت میں ضم کروادیا ہے تاکہ اس عیسائی مملکت کو سمندری رستہ مل جائے!! حالانکہ اریٹیریا کے مسلمان آزادی کے لئے چالیس پچاس سال تک لڑتے رہے ہیں مگر وہ مشرقی تیمور کے جزیرہ کے مٹھی بھر عیسائیوں کی طرح مسلم ملک انڈونیشیا سے آزادی نہیں مانگ رہے تھے بلکہ مشرق کی ایک عیسائی مملکت میں ضم نہیں ہونا چاہتے تھے اس لئے انہیں اس آزادی کا حقدار نہ سمجھا گیا!)

صحابہ کرام کی اس مختصر سی جماعت میں حضرت رقیہ اور ان کے شوہر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما، کو دیکھ کر حضرت نجاشی بہت خوش ہوئے ہونگے اس لئے ان کے ساتھ حسن سلوک سے حبشہ کے عیسائی راہب اپنے بادشاہ کے عقیدہ پر شک کرنے لگے تھے، اس کے علاوہ حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ اپنے خاص الخاص حلقے میں اسلام کی تبلیغ اور اشاعت میں بھی کوشاں تھے، نجاشی نے اپنے انہی ہموطن حبشی مسلمانوں پر مشتمل ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مکہ مکرمہ میں بھی بھیجا تھا اور اس میں بعض راہب بھی شامل تھے جو یہ تصدیق کرنے کے لئے آئے تھے کہ آیا آپ نجاشی کے بیان کے مطابق وہی نبی منتظر ہیں جن کے متعلق بائبل میں حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی پیشین گویاں موجود ہیں؟ اور پھر تسلی کے بعد یہ حبشی وفد جب واپس ہونے لگا تھا تو ابوجہل ملعون نے ان سے تعرض کیا تھا اور رستے میں روکتے ہوئے انہیں طعنہ بھی دیا تھا، قرآن کریم اور کتب سیرت میں اس واقعہ کے متعلق اشارات موجود (۲۴) ہیں؛ غالباً اسی لئے نجاشی کے خلاف پہلی بغاوت ہوئی تھی لیکن بادشاہ نے کتمانِ ایمان اور توریہ سے کام لینے کی تدبیر سے اس بغاوت کو ٹھنڈا کر (۲۵) دیا تھا!

لیکن حقیقت یہ ہے کہ حبشہ کے لئے اس پہلی ہجرت سے صحابہ کرام کی اس مختصر سی جماعت کی واپسی کا اصل سبب یہ تھا کہ حضرت حمزہ جیسے شمشیر زن اور بہادر شہسوار اور حضرت

عمر بن الخطاب، جیسے پر ہیبت اور رعب دار قریشی لیڈر کے قبول اسلام نے کفار مکہ پر خوف طاری کر دیا تھا اور انہوں نے، وقتی طور پر ہی سہی، مسلمانوں پر تشدد اور سخت گیری بند کر دی تھی، مسلمان بیت اللہ میں آزادانہ عبادت کرنے لگے تھے، یہ خبر سن کر پہلی ہجرت حبشہ کے مسافر واپس مکہ مکرمہ آ گئے تھے، مگر ان مہاجرین کے پہنچنے سے پہلے ہی قریش کے فرعون صفت ابوجہلوں کی پرانی روش لوٹ آئی تھی اور تشدد اور اذیت رسانی میں اضافہ ہو گیا تھا، بنو ہاشم کے مقاطعہ اور شعب ابی طالب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا محصور ہو جانا قریش مکہ کے عناد، رعونت اور دعوتِ حق کی مخالفت کا عروج تھا، مہاجرین کو اپنے اپنے رشتہ داروں اور خیر خواہوں کی ضمانت اور پناہ میں آ کر ہی مکہ مکرمہ میں داخلہ مل سکا تھا! اگر یہ لوگ محض کاروبار کے لئے گئے ہوتے تو اپنے اپنے گھر میں آنے والوں کو کسی کی پناہ اور ضمانت (یا ویزہ) کی ضرورت نہ پڑتی!

گویا حبشہ کی پہلی ہجرت سے مسلمانوں کی واپسی کا سبب دراصل ان کا یہ اطمینان تھا کہ حضرت حمزہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے قبول اسلام کے نتیجہ میں قریش کے لوگ رعب میں آ گئے ہیں، اب مسلمانوں کو بیت اللہ میں کھلے عام عبادت کی بھی آزادی حاصل ہو گئی ہے اور اب اشرار مکہ اسلام اور مسلمانوں سے تعرض کی جرئت بھی نہیں کر رہے مگر قریش کے اس نرم رویہ کا سبب وہ نہیں تھا جس کا ابھی اوپر ذکر ہوا اور جو بعض معاندین اسلام اور ملحدین نے گڑھ لیا تھا کہ سورت النجم کی آیات میں معاذ اللہ کفار کے بتوں کی ستائش اور خوبی بھی آ گئی ہے! صیہونیت زدہ بعض مستشرقین اور دشمنان اسلام اسے لے اڑے ہیں! حالانکہ ثقہ علمائے امت اور بلند پایہ محققین اس من گھڑت کہانی کو مسترد کر چکے ہیں، امام بیہقی اور محمد حسین ہیکل نے اسے دلائل کے ساتھ جھٹلایا (۲۶) ہے، پھر یہ الفاظ اور تراکیب عربی معیار بلاغت سے بھی گری ہوئی ہیں عہد نبوی میں اور (بعد کے زمانوں میں بھی) آج تک اس قسم کی گھٹیا تک بندیاں ملحدین گھڑتے چلے آتے (۲۷) ہیں، آج کے دور میں بھی شام ولبنان کے بعض عرب عیسائی اور ملحد اعجاز قرآنی کا بزعم خویش جواب لانے میں لگے رہتے ہیں مگر

خود ان کے اپنے اہلِ وطن، اہلِ زبان اور اہلِ مذہب ان کی ان گھٹیا، اور بچگانہ تنگ بندیوں اور معاندانہ ''تخلیقات'' کو پرکاہ کے برابر بھی نہیں سمجھتے! نزول قرآن کے وقت عرب کے فصحاء و بلغاء اور دنیائے انس و جن کو جو کھلا چیلنج دیا گیا تھا وہ آج بھی اسی طرح قائم اور دائم ہے مگر سب دنیا والے اعجاز قرآن کے اس چیلنج کا مقابلہ کرنے اور جواب لانے سے قطعی عاجز ہیں اور عاجز ہی رہیں گے، کیا خوب کہا شاعر نے:

مَضَتِ الدُّهُوْرُ فَمَا اَتَيْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَقَدْ اَتٰى فَعَجَزْنَ عَنْ نَظْرَائِهٖ

یعنی زمانے بیت گئے مگر اس کی مثال نہ لا سکے اور وہ اب آ گیا ہے تو اس کی نظیر لانے سے بھی عاجز ہیں اور یہ بھی خوب کہا گیا ہے کہ:

مثل اس کا کبھی تھا نہ ہے نہ ہوگا جواب اس کا کبھی تھا نہ ہے نہ ہوگا!

اس کے بعد دوسری ہجرت حبشہ کے موقع پر جو مشاورت ہوئی (اغلباً دار ارقم میں!) تو اس میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، سے ایک بڑا ہی معنی خیز سوال کرتے ہیں، امام ہجرت اولی نے اس موقع پر عرض کیا (۲۸) تھا،

''یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) نجاشی کے ہاں ہماری پہلی ہجرت میں بھی آپ ہمارے ساتھ تشریف نہ لائے تھے مگر اب ہم دوسری بار نجاشی کے ہاں ہجرت کر کے جا رہے ہیں مگر اب کے بھی آپ ہمارے ہمراہ نہیں تشریف لا رہے ؟!'' تب رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم، نے فرمایا تھا: تم سب لوگ در اصل اللہ تعالیٰ اور میرے لئے ہی ہجرت کر رہے ہو، یہ دونوں ہجرتیں تم نے ہی کرنا ہیں! اس پر حضرت عثمان نے عرض کیا تھا کہ: فَحَسْبُنَا يَا رَسُولَ اللهِ! تو پھر ہمارے لئے یہی کافی ہے اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)!''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عثمان کی اس گفتگو سے تین چار باتیں واضح طور پر مترشح ہوتی دکھائی دیتی ہیں

(۱) یہ کہ وامرھم شوری بینھم (ان کا معاملہ تو باہمی مشاورت سے ہی طے ہوتا ہے)

کے اصول قرآنی کے مطابق مکہ مکرمہ کو آخر کار خیر باد کہہ دینے کی بات پہلے کہیں ہو چکی تھی اور نجاشی کے حبشہ میں ہجرت کر کے جانے کی تجویز بھی آئی ہوگی، اسی لئے حضرت عثمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کر رہے ہیں کہ پہلی ہجرت میں تو آپ ہمارے ہمراہ تشریف نہ لا سکے تھے مگر اب کے اس دوسری ہجرت میں بھی ہمیں آپ کی معیت کا شرف نہیں نصیب ہو رہا؟!

(۲) غار حراء میں پہلی وحی کے بعد ہی کتاب مقدس کے قریشی ماہر حضرت ورقہ بن نوفل نے مسلمانوں کے مکہ سے نکالے جانے کی جو پیشین گوئی کر دی تھی وہ دراصل سنت انبیاء کی یاددہانی تھی جس کے لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، ذہنی اور دلی طور پر تیار تھے اور یہ گویا خدا اور رسول کی طرف سے باقاعدہ اعلان اور منصوبہ بندی ہی تھی۔

(۳) لگتا ہے کہ مکی عہد میں ہی نجاشی کے ہاں سے جو حبشی وفود آتے رہے تھے ان سے حضرت نجاشی کی عقیدت ومحبت نبوی اور دین اسلام سے رغبت بھی ایک حقیقت بنکر سامنے آچکی تھی، اس لئے یہ قدرتی بات تھی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت حبشہ کا حکم دیا ہوگا تو اس موقع پر قرآنی فکر کے مطابق مشاورت بھی ضرور ہوئی ہوگی، اسی مشاورت میں حبشہ کے لئے ہجرت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی رغبت ظاہر فرمائی ہوگی، ابن سعد کا یہ قول بھی اسی بات کا غماز ہے کہ وکانت الحبشۃ احبُّ الارضِ الیہ اَنْ یُّھَاجِرَقِبَلَھا (ہجرت کے لئے حبشہ کی سرزمین آپ کو سب سے زیادہ پسند تھی!)

(۴) یہ فرمان نبوی کہ تمہاری حبشہ کے لئے یہ دونوں ہجرتیں دراصل اللہ ورسول کے لئے ہجرتیں ہیں تو اس سے جہاں ہجرت فی سبیل اللہ مسلمان کا مستقل عقیدہ اور ایمان ثابت ہوتی ہے وہاں اس میں یہ پیشین گوئی بھی فرمائی گئی ہے کہ مسلمان حبشہ سے جب مدینہ آئیں گے تو یہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی ہجرت ہوگی یوں حبشہ کی دونوں ہجرتیں دراصل خدا اور اس کے رسول کی طرف ہجرتیں ثابت ہوتی ہیں!!

ابن سعد کا بیان (۲۹) یہ ہے کہ کسی ایک غلط فہمی کی بنیاد پر حبشہ سے واپس آنے والوں پر دخول مکہ سے پہلے ہی یہ بات عیاں ہوگئی تھی کہ کفار مکہ کے نرمی اختیار کرنے یا قبول اسلام والی خبر درست نہیں تھی، اس لئے تمام مہاجرین اپنے کسی نہ کسی رشتہ دار اور خیر خواہ کی پناہ اور سرپرستی میں ہی مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے (غالباً مشاورت میں یہ طے ہوا ہو گا کہ ہجرت کی صورت میں ہر مہاجر اپنا حق وطن کھو دے گا اس لئے دنیا بھر میں مسلّم دستور کے مطابق واپس آنے والے کو اپنی جان پہچان والے کسی خیر خواہ کی پناہ میں ہی یہ حق مل سکے گا، غالباً اسی لئے اسی قاعدہ کے مطابق طائف سے واپسی پر رسول اللہ ﷺ بھی مطعم بن عدی کی ضمانت پر دوبارہ مکہ میں تشریف (۳۰) لائے تھے، (یہ ضمانت، یہ جوار یا پناہ دراصل اس زمانے کا گویا مروج اجازت نامہ اور ویزہ یا حمایت سمجھا جاتا تھا؟!) سوائے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے سب صحابہ کرام کو یہ سرپرستی یا ویزہ لینا پڑا تھا، اور غالباً اسی لئے مکی نہ ہونے کی وجہ سے ابن مسعود دوبارہ حبشہ لوٹ گئے تھے۔

دوسری ہجرت حبشہ کب شروع ہوئی؟ اس میں اختلاف ہے، بعض سیرت نگار دوسری ہجرت حبشہ کو مقاطعہ قریش اور شعب ابی طالب میں محصور ہونے کے بعد کا واقعہ بتاتے ہیں لیکن بعض نے اس کی صراحت ہی نہیں کی جبکہ بعض ہجرت ثانیہ کو مقاطعہ سے پہلے کا واقعہ بتاتے ہیں بظاہر یہی زیادہ قرین صواب لگتا ہے، قریش کے لوگوں کو جب یہ پتہ چلا تھا کہ حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں سے بہت اچھا سلوک کیا تھا تو وہ جل اٹھے تھے اور انہیں یہ اندازہ بھی ہوگیا تھا کہ اب ہماری حبشہ سے تجارت خطرہ میں پڑ جائے گی، اسی لئے رسالت مآب ﷺ کے قتل کی منصوبہ بندی کی گئی مگر بنو ہاشم کے ڈر سے وہ لوگ دب گئے تھے دوسری ہجرت حبشہ کے لئے نکلنے والوں کا تعاقب بھی بڑا شدید تھا مگر منصوبہ قتل اور تعاقب دونوں میں قریش ناکام ہو گئے تھے اس لئے اب سب یہی چاہتے تھے کہ بنو ہاشم اور حضرت ابو طالب کو رسول اللہ ﷺ کی حمایت سے دست برداری پر مجبور کیا جائے مگر انہیں مایوس ہونا پڑا اور پھر مقاطعہ کا ظالمانہ صحیفہ یا عہد نامہ لکھا (۳۱) گیا۔

ابن ہشام اور دیگر سیرت نگاروں اور مؤرخین نے دوسری ہجرت حبشہ کی کہانی اور مہاجرین کی تعداد کی تفصیل بھی دی ہے حتی کہ تمام مہاجرین حبشہ کے اسمائے گرامی بھی تحریر کئے گئے ہیں اور بتایا گیا ہے کہ بچوں کے علاوہ مہاجر خواتین وحضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کل تعداد تراسی (۸۳) تھی، البتہ حضرت عمار بن یاسر اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ دونوں بھی ان مہاجرین کی تعداد میں شامل ہیں یا یہ ان کے علاوہ تھے، تاہم حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا نام دوسری ہجرت حبشہ میں شامل ہے (۳۲)، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ مکی نہیں بلکہ یمنی ہیں مگر پھر بھی ان کو ہجرت حبشہ کے ساتھ ساتھ ہجرت مدینہ کا بھی شرف عطا ہو گیا، بیان کیا جاتا ہے کہ غالباً لاعلمی میں وہ بحیرہ احمر میں رواں جس کشتی پر مدینہ منورہ کی بندرگاہ پر جانے کے لئے سوار ہوئے تھے وہ انہیں سمندری طوفان کے باعث حبشہ کی بندرگاہ مُصوّع لے گئی، ادھر مہاجرین حبشہ بھی مدینہ منورہ جانے کی تیاریاں کر رہے تھے، یہاں ابوموسیٰ کی ملاقات حضرت جعفر بن ابی طالب سے ہوئی اس لئے حضرت ابوموسی مہاجرین کے پاس رک گئے اور نجاشی نے جو دو جہاز ان کے لئے تیار کروائے تھے ان میں ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ بھی سوار ہو گئے اور فتح خیبر کے موقع پر سنہ آٹھ ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کا شرف پا گئے (۳۳)۔

اگر یہ درست ہو (اور اس کی صحت میں تو کوئی شک ہی نہیں) کہ پہلی ہجرت حبشہ ماہ رجب سنہ پانچ نبوی (یا دوسرے لفظوں میں ہجرت سے آٹھ سال قبل) کا واقعہ ہے اور دوسری ہجرت حبشہ بھی اسی سنہ نبوی کا واقعہ ہے، تو پھر یہ بھی مان لیا جائے (اور نہ ماننے کی کوئی وجہ ہی نہیں) کہ سنہ آٹھ ہجری میں غزوہ خیبر کے موقع پر سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی قیادت میں مہاجرین حبشہ (مع نجاشی کا فرستادہ حبشی وفد) کی آخری جماعت کو ہجرت مدینہ منورہ کا شرف بھی حاصل ہو گیا تو پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ حبشہ میں حضرت نجاشی کے محترم اور محفوظ مہمانوں کی حیثیت سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تقریباً پندرہ سولہ سال حبشہ میں مقیم رہے تھے! اور یہ ایک مدۃ العمر ہے۔ اس دوران میں متعدد اور متنوع واقعات پیش

آئے۔ اس عرصہ میں کئی ایک مہاجر خاندانوں کے ہاں بچے پیدا ہوئے، بچے جوان ہوئے، جوان بزرگ ہوئے، ایک آدھ فوت بھی ہوا، شادیاں بھی ہوئیں، کئی ایک سیاسی اور سفارتی مہمات بھی سامنے آئیں اور دیگر وقائع وحوادث بھی پیش آئے جو ہجرت حبشہ کی تاریخ بناتے ہیں اور ان سب کا جائزہ لئے بغیر ہجرت کی تاریخ مکمل ہوتی ہے نہ تمام عبرتیں سامنے آتی ہیں!

مکہ مکرمہ میں پیش آنے والے واقعات میں سے پہلی ہجرت حبشہ سے واپس آنے والوں کے ساتھ بدسلوکی اور اذیت رسانی میں شدت اور پھر دوسری ہجرت حبشہ کے لئے راہِ حق کے مسافروں کی روانگی قابل توجہ ہے، جو لوگ ''غریب الوطنی'' سے واپسی پر اپنے اپنے کسی خیر خواہ یا رشتہ دار کی ضمانت (ویزہ) یا سرپرستی (جوار) کی یقین دہانی کے بعد مکہ میں داخل ہوئے تھے ان میں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ بھی تھے، ان کا موقف اور ان سے کفار مکہ کی بدسلوکی بھی قابل توجہ ہے، وہ اپنے قبیلہ بنو مخزوم کے سردار ولید بن مغیرہ (والد حضرت خالد سیف اللہ) کے جوار اور ضمان پر مکہ میں داخل ہوئے تھے، مگر ایک تو انہیں یہ گوارا نہ ہوا کہ وہ خود تو عافیت میں رہیں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام قریش کے غیظ وغضب اور اذیت رسانی کا شکار رہیں، پھر وہ ایک قلندر منش عابد و زاہد اور الوالعزم موحد بھی تھے اور نہیں چاہتے تھے کہ وہ اللہ ورسول کی پناہ کے بجائے کسی مشرک کی پناہ میں رہیں، اس لئے بیت اللہ میں برسر عام ولید بن مغیرہ کے جوار اور ضمانت کو واپس کر دیا تھا، اسی اثناء میں لبید بن ربیعہ العامری اپنا کلام سناتے ہوئے دکھائی دئے، جب انہوں نے پہلا مصراع پڑھا کہ (۳۴): الا کل شئی ماخلا اللہِ باطل۔

یعنی سن لو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر شئی باطل اور بے حقیقت ہے، تو اس پر حضرت عثمان بن مظعون نے داد دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ صَدَقْتَ (تو نے سچ کہا ہے) مگر جب لبید نے دوسرا مصراع پڑھا کہ:

وکل نعیم لا محالۃ زائلٌ

یعنی ہر نعمت لامحالہ فانی اور مٹ جانے والی ہے، تو اس پر موحد و زاہد حضرت عثمان بول اٹھے کہ کَذَبْتَ! نَعیمُ الجنۃِ لن یزول (تو جھوٹ بول رہا ہے! جنت کی نعمتیں غیر فانی اور دائمی ہیں!)

اس پر شاعر لبید نے (جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے) برا منایا اور اسے اپنی بے قدری اور توہین سمجھا، چنانچہ ایک شریر کافر نے حضرت عثمان کی آنکھ پر ایک زور کا گھونسا دے مارا جس سے ان کی آنکھ خراب ہوگئی، ولید بن مغیرہ نے ازراہ طنز یہ کہا کہ بچے! میں تجھے دوبارہ بھی اپنی پناہ (جوار) میں لے سکتا ہوں مگر زاہد و موحد صحابی رسول نے یہ پیشکش بھی ٹھکرا دی تھی!

حضرت عبد اللہ بن مسعود بھی پہلی ہجرت حبشہ میں شامل تھے مگر ایک تو ویسے بھی وہ قریش مکہ میں سے نہیں تھے دوسرے وہ بھی غیر اللہ کی پناہ اور جوار کو اپنے عقیدہ و ایمان کے منافی سمجھتے تھے، چنانچہ وہ چپ چاپ عادل بادشاہ کے ملک میں اور ایک کاتم ایمان (ایمان پوشیدہ رکھنے والے) مرد مومن اور عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ میں سکون و اطمینان پانے کے لئے حبشہ (۳۵) لوٹ گئے تھے!

اسی اثناء میں عرصہ پندرہ سال کے دوران میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں پیش آنے والے واقعات پر سرسری نظر ڈالنا بھی فائدہ سے خالی نہیں ہوگا مگر یہ واقعات سیرت نبوی کا چونکہ حاصل اور نچوڑ ہیں، اس لئے ان کی تفصیل دینا ممکن نہیں ہے تاہم خلاصہ یہ ہے کہ اسی دوران میں بنی ہاشم کے مقاطعہ کا ظالمانہ عہد نامہ تحریر ہوا اور وہ شعب ابی طالب میں محصور ہو گئے، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفاتِ حسرتناک کا المیہ سامنے آیا، حضرت ابو طالب بھی دنیا سے رخصت ہو گئے، سفر طائف پیش آیا اور حضرت حمزہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے اور بالآخر حکم ربانی ہوا کہ حبشہ جانے کے بجائے اب یثرب جانا ہے جو دار الہجرت بنکر مدینۃ النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور مدینہ منورہ کہلائے گا، اوس و خزرج کے سعادتمند اہل ایمان مہاجرین بھائیوں پر سب کچھ نچھاور کر کے انصار النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے

لقب سے نوازے گئے، غزوہ بدر، پھر غزوہ احد، صلح حدیبیہ اور آٹھ ہجری میں فتح خیبر کے موقع پر پندرہ سولہ سال بعد حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ، کے محترم اور محفوظ مہمانان گرامی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آن ملتے ہیں، بادشاہ نے دوشاہی کشتیوں میں ان سب مہمانوں کو سفیر رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمرو بن امیہ ضمری، رضی اللہ عنہ، کی آمد کے بعد اور اپنے حلقہ ایمان کے حبشی وفد کے ہمراہ بھیجتے ہوئے اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف ایک التجا کر بھیجی تھی کہ میرے لئے مغفرت کی دعاء فرمائی جائے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر اپنے جان نثار وفدا کار بادشاہ عادل وفقیر کے لئے اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور حبشی اہل ایمان (صحابہ کرام!؟) کے مجمع عام کو گواہ بناتے ہوئے بلند آواز سے دعا فرمائی تھی کہ اللھم! اغفر النجاشی!(۳۶) (اے میرے اللہ! نجاشی کی مغفرت فرمانا) (تو ہے کوئی اور ایسا خوش نصیب انسان جس کے لئے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی التجا کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے یوں علی الاعلان اس کے لئے اپنے رب سے بخشش مانگی ہو؟! اس دعاء کی قبولیت اور اس خوش نصیب انسان کے مقام ومرتبہ کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟

پہلی ہجرت حبشہ کے دوران میں مسلمانوں کے ساتھ حضرت نجاشی کے حسن سلوک کی خبر نے کفار مکہ کو پریشان کر دیا تھا مگر دوسری ہجرت حبشہ کے لئے مسلمانوں کے عزم سفر نے تو مکہ کے درو دیوار کو ہلا دیا تھا، قریش کو اپنی حبشی تجارت خطرہ میں نظر آنے لگی تھی، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ صنادید قریش میں سے بعض اس حقیقت سے بھی آگاہ ہوں کہ بنوضمرہ کا غلام حبشی شہزادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعارف ہی نہیں بلکہ ان کا معتمد علیہ بھی تھا، ان دو ہستیوں کے باہمی اعتماد وتعارف کا بھی علم ہو اور نجاشی کی حمایت اسلام سے بھی وہ ڈرتے ہوں، (یمن کے حبشی حاکم ابرہہ کی مکہ مکرمہ پر چڑھائی کا منظر بھی ان کے سامنے تھا!) اور شاید یہ مفروضہ بھی ان کے ذہنوں میں ہو جیسا کہ بعض مستشرقین نے حبشہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دلچسپی کو یہی معنی پہنائے ہیں کہ آپ نجاشی کی مدد سے مکہ فتح کر کے قریش کو زیر کرنا چاہتے تھے؟! ظاہر ہے کہ یہ بدگمانی محض زعم باطل ہے کیونکہ فوجی غلبہ یا فتوحات تو

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا کبھی مقصد ہی نہیں رہا تھا بلکہ فتح مکہ کے موقع پر بھی آپ کا داخلہ فاتحانہ نہیں بلکہ عاجزانہ تھا اور مکی زندگی میں نہ ہجرت کے بعد انسانیت کی عمومی ہدایت اور دین حق کی اشاعت اور غلبہ ہی آپ کا منصب رسالت تھا، اس کا سب سے بڑا ثبوت تو یہ ہے کہ ہجرت اور ریاستِ مدینہ منورہ کے قیام کے بعد بھی بلکہ ابوسفیان کی غارت گری اور للکار کے باوجود بھی آپ اپنے ساتھیوں کو تلوار اٹھانے سے منع ہی کرتے رہے اور غالباً اسی لئے تمام اہم غزوات کے میدان بھی مدینہ منورہ کے آس پاس رہے تھے اور آپ کا اندازِ جہاد فساد کے لئے نہ تھا بلکہ صرف جارحیت کا جواب اور سدِ باب تھا! اگر ابوسفیان جیسے دشمن اسلام کی شرارتیں نہ ہوتیں تو آپ کا منصب تو ابلاغ رسالت وحفاظت قرآن کریم اور آپ کا ہتھیار صرف شفقت ورحمت اور حسن اخلاق ہی تھا!

پہلی ہجرت حبشہ کے قائدوامام تو حضرت عثمان بن عفان تھے (جنہیں غلطی اور بدگمانی سے عثمان بن مظعون سمجھ لیا گیا؟!) تاہم دوسری ہجرت حبشہ کی قیادت خطیب بنی ہاشم حضرت جعفر طیار کو سونپی گئی اور وہ حبشہ سے آخری مہاجر کی واپسی تک حبشہ میں ہی رکے رہے تھے، پھر سنہ آٹھ ہجری میں رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے آپ کے سفیر باتدبیر حضرت عمرو بن امیہ ضمری کے ہمراہ جب وہ کامیاب وکامران لوٹے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی کی کوئی حد نہ رہی تھی اور آپ فرماتے جارہے تھے کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آج میں جعفر کی واپسی سے زیادہ خوش ہوں یا فتح خیبر سے (ما ادری اناً بقدوم جعفر ام بفتح خیبر!) (۳۷)۔

ہجرت حبشہ سے قریش کی حبشی تجارت خطرات کی زد میں نظر آرہی تھی مگر اب ہجرت نبوی اور مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست کے قیام سے شام کی تجارت بھی خطرے میں پڑگئی تھی، پھر غزوہ بدر میں کفار مکہ کی شکست فاش سے ان کی مایوسی اور پریشانی مین اضافہ ہوگیا تھا، اس لئے قریش کی رائے ٹھیری کہ مسلمانوں کے خلاف اقدامات کی اصل کنجی اور حقیقی کامیابی کا سامان تو حبشہ میں ہے، چنانچہ فیصلہ ہوا کہ نجاشی کے پاس سفارت بھیجی جائے اور

اس مرتبہ بھی سب کی نظر ”قریش کے مرد دانا (رجل حکیم) عمرو بن العاص پر پڑی مگر اب کے ان کا (۳۸) معاون عبداللہ بن ابی ربیعہ کے بجائے عمارہ بن ولید مخزومی تھا۔

پہلی مرتبہ جب وہ عبداللہ بن ابی ربیعہ کے ہمراہ سفارت کاری کے لئے گئے تھے تو قریش نے نجاشی اوران کے درباریوں اورراہبوں کے لئے قیمتی تحائف دیکر بھیجا تھا؛ قریش کے سرداروں نے اپنے سفارت کاروں کو یہ نصیحت بھی کی تھی کہ پہلے حبشہ کے پادریوں اور نجاشی کے درباریوں کو تحائف پیش کر کے انہیں اپنا ہمنوا بنالیا جائے اور کوشش یہ کی جائے کہ بادشاہ مسلمانوں کی بات سنے بغیر انہیں قریش کے حوالے کردے، اس تجویز سے بھی یہ اندازہ ہوتا ہے کہ صنادید قریش جانتے تھے کہ نجاشی ایک منصف مزاج بادشاہ ہے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ متاثر بھی ہے اس لئے اگراس کے سامنے حقیقت کھل گئی تو وہ اپنا فیصلہ مسلمانوں اوراسلام کے حق میں دے سکتا ہے (چنانچہ یہی کچھ ہوا بھی!)۔

پہلی مرتبہ نجاشی نے قریش کے سفارت کاروں کی بہت عزت کی تھی، عمرو بن عاص کو تختِ شاہی پر اپنی دائیں طرف اور ابن ابی ربیعہ کو اپنی بائیں طرف بٹھایا اور پھر آنے کی غرض وغایت دریافت کی تھی تو عمرو نے عرض کیا (۳۹):

> ”بادشاہ سلامت! آپ کے ہاں ہمارے کچھ نادان لوگ آئے ہوئے ہیں، وہ ہمارے مذہب سے پھر گئے ہیں مگر انہوں نے آپ کا مسیحی مذہب بھی اختیار نہیں کیا بلکہ کوئی نیا مذہب ہی اختیار کر چکے ہیں، آپ انہیں ہمارے ساتھ بھیج دیجئے ہم انہیں ان کی اپنی قوم کے سپرد کردیں گے کیونکہ وہی ان کی اصل حقیقت کو جانتے ہیں اورانہیں کوئی بہتر راہ دکھا سکتے ہیں!“

اس پر تمام پادری اوردرباری یک زبان ہوکر بولے:

”ہاں! عالی جاہ! یہ ٹھیک کہتے ہیں، آپ ان نوواردوں کو ان کے سپرد کردیجئے کیونکہ ان کے حقیقی معاملات کو ان کی قوم کے لوگ ہی بہتر جان سکتے ہیں!“

سفارت کاروں کی طرف سے مطالبہ میں عجلت اوردرباریوں کی طرف سے اس مطالبہ

کی فوری تائید اور پرزور حمایت میں جلد بازی کو دیکھ کر حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ فوراً سمجھ گئے کہ اس عجلت اور جلد بازی کے پیچھے ضرور کوئی سازش اور ملی بھگت کام کر رہی ہے؟ لہٰذا فوری طور پر مگر قدرے جوش بلکہ غیظ و غضب کے ساتھ فرمانے لگے (۴۰):

لَا وَاللّٰہِ! نہیں خدا کی قسم! میں ان لوگوں کو ان سفارت کاروں کے سپرد اس وقت تک نہیں کروں گا جب تک میں ان کی خود بات نہیں سن لیتا اور حقیقت حال سے آگاہ نہیں ہو جاتا!۔

مگر معاملے کو الجھتا دیکھ کر عمرو بن العاص نے کہا:

''جناب یہ لوگ اس شخص کے پیروکار ہیں جو حال ہی میں ہمارے سامنے آیا ہے، اور ہم آپ کو بتائیں گے کہ یہ لوگ کس طرح بے عقلی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور حق کی مخالفت کرتے ہیں! یہ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا نہیں مانتے، اور ابھی یہ آئیں گے تو آپ کے سامنے اس طرح سجدہ ریز بھی نہیں ہونگے جس طرح دوسرے لوگ آپ کی عظمت کے سامنے سرنگوں ہوتے ہیں!''

نجاشی نے حضرت جعفر اور ان کے ساتھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، کو بلا بھیجا، مگر انہوں نے حسب توقع اور حسب معمول بادشاہ کو سجدہ کرنے کے بجائے صرف سلام کیا، عمرو بن العاص نے بادشاہ سے کہا: جناب نے دیکھا؟ میں نے بھی آپ کو یہی بتایا تھا نا؟! یہ لوگ آپ سے فائدہ تو اٹھانا چاہتے ہیں مگر یہ آپ کی تعظیم اور فرمان برداری نہیں کریں گے! چنانچہ نجاشی نے تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے مسلمانوں سے پوچھ ہی لیا کہ آپ کون ہیں؟ مجھے بتاؤ تو سہی کہ تم ہو کون؟ تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ تمہارا مذہب کیا ہے؟ تم نصاری ہو؟ انہوں نے جواب میں کہا نہیں، تو کیا تم لوگ پھر یہودی ہو؟ انہوں نے اس کا بھی نفی میں جواب دیا، بادشاہ نے پوچھا تو آخر تمہارا دین ہے کیا؟ صحابہ کرام نے بتایا کہ ہم تو مسلمان ہیں اور ہمارا دین اسلام ہے! بادشاہ نے پوچھا: اچھا تو یہ اسلام ہے کیا؟ سب نے کہا کہ ہم لوگ تو صرف اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کرتے ہیں اور اس

کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھیراتے! اس موقع پر شاہی دربار میں خطیب بنی ہاشم اور قائد مہاجرین حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے اپنی تقریر میں فرمایا تھا (۴۱):

"بادشاہ سلامت! ہم لوگ جاہلیت کے اندھیروں میں ڈوبے ہوئے تھے، بتوں کی پرستش کرتے تھے، مردار جانور کا گوشت کھالیتے تھے، گندے کام کرتے تھے، ہم قطع رحمی کا ارتکاب کرتے تھے، اپنے پڑوسی سے برا سلوک کرتے تھے، ہم میں سے طاقتور کمزور کو کھا جاتا تھا، یوں ہم لوگ اسی حال میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے ہمیں میں سے ایک رسول بھیجا، ہم اس کے حسب ونسب سے واقف تھے، اس کے صدق وامانت اور پاکدامنی سے آگاہ تھے، اسی رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا کہ ہم اسے وحدہ لاشریک لہ مانیں، صرف اسی کی عبادت کریں، ان پتھروں اور مورتیوں کی پرستش چھوڑ دیں جنہیں ہمارے بزرگ پوجتے تھے، اس رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سچی بات کہنے، امانت ادا کرنے، صلہ رحمی اختیار کرنے اور ہمیں پڑوسی سے حسن سلوک کا حکم دیا! حرام کھانے اور خون بہانے سے منع کیا، اس نے ہمیں جھوٹ بولنے، برے کام کرنے، یتیم کا مال کھانے اور پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانے سے منع کیا؛ اس نے ہمیں صرف اللہ کی عبادت کرنے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیرانے کا حکم دیا، اس رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز، روزہ اور زکوٰۃ کا حکم دیا، چنانچہ ہم نے اس کی تصدیق کی، اس پر ایمان لائے اور اس کی پیروی کی! اس پر ہماری قوم کے لوگوں نے ہم پر دست درازی کی، اذیت پہنچائی اور ہمیں ورغلایا تا کہ ہم پھر سے مورتیوں کو پوجیں اور وہی گندی چیزیں کھائیں جو پہلے کھاتے تھے مگر ان لوگوں نے جب ہمیں اپنے ظلم سے مغلوب کرلیا اور ہمارے دین میں رکاوٹ ڈالی تو ہم آپ کے ملک میں آگئے ہیں، ہم نے آپ کو دوسروں پر ترجیح دی ہے اور آپ کے سایہ میں رہنے کی آرزو تھی اور ہمیں امید تھی کہ آپ کے ہاں ہم پر کوئی ظلم نہ کر سکے گا، بادشاہ سلامت!"

حضرت جعفر نے یہ تقریر عربی زبان میں کی تھی، کتب تاریخ وسیرت میں اس تقریر کے الفاظ میں معمولی سا اختلاف پایا جاتا ہے مگر اس اختلاف سے کوئی لمبا چوڑا فرق نہیں

پڑتا۔ البتہ قابل توجہ بات یہ ہے کہ بادشاہ نے اسے براہ راست عربی میں سنا اور کسی مترجم کے بغیر ہی اسے سمجھ لیا، متاثر بھی ہوا اور اپنے تاثرات سے اہل دربار کو بھی آگاہ کیا،

حضرت جعفر نے جب سورت مریم کی ابتدائی آیات کی تلاوت فرمائی تو تمام دربار پر وجد طاری ہو گیا اور بادشاہ کے علاوہ راہب بھی جھوم اٹھے اور سب کے آنسو جاری ہو گئے، عمرو بن عاص کا خیال تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق مسلمانوں کا عقیدہ معلوم کر کے بادشاہ ان کے خلاف ہو جائے گا مگر جب حضرت جعفر نے گونجتی گرجتی آواز میں فرمایا کہ (۴۲):

''وہ روح اللہ ہیں وہ اس کنواری پاکدامن مریم کو عطا کیا گیا، جسے کسی بشر نے کبھی چھوا تک بھی نہ تھا اور جس پر بچے کا بوجھ نہ ڈالا گیا تھا!'' یہ سن کر بادشاہ نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور کہا:

''اے حبشہ والو! پادریو اور راہبو! سن لو کہ جو کچھ یہ بتا رہے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہی کچھ تھے، ان کے اس بیان میں اور عیسیٰ علیہ السلام کی حقیقت میں اس تنکے کے برابر بھی فرق نہیں ہے، اس لئے میں تمہیں اے مسلمانو! اور جنہوں نے تمہیں میرے پاس بھیجا ہے سب کو خوش آمدید کہتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں! یہ وہی نبی ہیں جن کا ذکر ہم انجیل میں پاتے ہیں، یہ وہی رسول ہیں جن کی بشارت سیدنا مسیح ابن مریم نے دی تھی! اے مسلمانو! میں تمہیں امان دیتا ہوں، تمہاری رہائش، لباس، کھانا میرے ذمہ ہے، جو تم سے تعرض کرے گا اسے سزا اور جرمانہ ہوگا''

بادشاہ کا یہ اعلان سن کر پادری ناک چڑھانے لگے مگر نجاشی نے کہا کہ ''مجھے تمہارے غصہ اور ناک چڑھانے کی بھی پروا نہیں! قریش کے تحائف واپس کر دیئے جائیں! مجھے اگر سونے کا پہاڑ بھی دے دیا جائے تو وہ بھی نہیں لوں گا! میرے اللہ نے مجھے بادشاہت لوٹاتے ہوئے کسی کی مانی تھی اور نہ رشوت یا تحفہ قبول کیا تھا اس لئے حق کا اعتراف کرتے ہوئے میں بھی کسی کی مانوں گا نہ رشوت لوں گا!!''

واقعات کی یہ تفصیل وہ ہے جو شامی اور بیہقی وغیرہ سیرت نگاروں نے ابن اسحاق، ابن

ہشام، ابن سعد اور الواقدی سے لی ہے اس لئے سفارتِ قریش کی آمد اور اس کے نتیجہ میں دربار نجاشی میں پیش آنے والے واقعات اور ان سے مرتب ہونے والے نتائج کے ضمن میں بہت سے مؤرخین کے متضاد اقوال و آراء پر مفصل بات کرنا چاہیے مگر ان تفاصیل میں جانے سے پہلے قریش کی اس سفارتِ اولی کی آمد اور اس کے نتیجہ میں رونما ہونے والے واقعات کے حوالے سے حضرت اُم المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا (جو مہاجراتِ حبشہ میں سرفہرست ہیں اور اپنے پہلے شوہر حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تھیں) کا مستند بیان بھی قابل غور ہے جسے حافظ ابن کثیر نے بھی نقل کیا ہے، ہم یہاں اس بیان کا لفظ بلفظ ترجمہ پیش کرنے پر اکتفا کریں گے پھر بعد میں ان اختلافی الفاظ و تفاصیل کا ذکر کریں گے، وہ فرماتی ہیں (۴۳):

''جب اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مکہ کی سرزمین تنگ ہوگئی، کفار کی اذیت رسانی بڑھ گئی دین کی راہ میں آزمائش اور مشکلات بھی شدت اختیار کر گئیں اور اندازہ ہوگیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کا دفاع نہیں کر سکتے جبکہ بنو ہاشم اور حضرت ابوطالب کے رعب کی وجہ سے کفار قریش آپ پر دست درازی نہیں کر سکتے مگر جو مشکلات آپ کے جان نثاروں کو پیش آرہی ہیں آپ ان سے تو بچے ہوئے ہیں اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا کہ سرزمین حبشہ کا بادشاہ انصاف کرتا ہے اور اس کے ہاں کسی پر ظلم نہیں ہوسکتا، اس لئے تم بھی اس کے ملک میں چلے جاؤ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان مشکلات سے تمہیں نجات دلا دے جن میں آپ لوگ اس وقت مبتلا ہیں، چنانچہ ہم لوگ ٹولیوں کی شکل میں مکہ سے نکل پڑے اور حبشہ میں جا کر اکٹھے ہوگئے ہمیں وہاں گویا بہترین دیس اور بہترین پڑوسی میسر آگیا، ہمارا دین بھی محفوظ ہوگیا اور ہمیں کسی کے ظلم کا ڈر بھی نہ رہا! جب قریش کو اس کا پتہ چلا کہ ہمیں اپنے لیے ایک دیس اور امن کی زندگی نصیب ہوگئی ہے تو وہ ہم پر حسد کرنے لگے، قریش کی یہ رائے ٹھیری کہ ہمیں وہاں سے نکالنے کے لئے نجاشی کے پاس سفارت بھیجیں تاکہ وہ ہمیں اپنے ملک سے نکال دے اور ہمیں قریش کے حوالے کر دے، تب انہوں نے عمرو بن عاص اور عبد اللہ بن ابی ربیعہ پر مشتمل سفارت بھیجی قریش

نے نجاشی اور اس کے درباری پادریوں کے لئے تحائف اکٹھے کر لئے، ہر آدمی کے لئے الگ الگ تحفے تیار کر دئے اور سفارت کاروں سے کہا کہ بادشاہ سے بات کرنے سے پہلے ہر ایک پادری اور درباری کو تحفہ دیکر اسے اپنا ہمنوا بنا لینا پھر بادشاہ کو تحائف پیش کرنا، کوشش کرنا کہ بادشاہ مسلمان مہاجرین سے بات کئے بغیر ہی انہیں تمہارے سپرد کر دے۔

''چنانچہ سفارت کار جب حبشہ پہنچے تو بادشاہ سے ملنے سے پہلے ہی تمام پادریوں اور درباریوں کے تحفے پیش کر کے انہوں نے سب کو اپنا ہمنوا بنا لیا تھا، پھر سفارت کاروں نے ان سے کہا کہ ہم آپ کی خدمت میں اس لئے حاضر ہوئے ہیں تا کہ آپ کو بتا سکیں کہ ہمارے کچھ بے عقل لوگ اپنی قوم اور اپنے مذہب کو چھوڑ کر یہاں آ گئے ہیں مگر انہوں نے آپ لوگوں کا مذہب (عیسائیت) بھی اختیار نہیں کیا، اس لئے ہمیں ہماری قوم نے یہاں بھیجا ہے تا کہ آپ کا بادشاہ انہیں واپس ان کی قوم کے پاس بھیج دے، تو ہم جب بادشاہ سے بات کریں تو آپ بھی ہماری تائید کرتے ہوئے اسے یہی مشورہ دیں، پھر ان سفارت کاروں نے بادشاہ کو مکہ مکرمہ سے آنے والے پسندیدہ ترین تحفے پیش کئے جو دباغت شدہ چمڑے سے عبارت تھے، موسیٰ بن عقبہ نے مزید یہ بھی لکھا ہے کہ اس کے علاوہ ایک گھوڑا اور ریشمی جبہ بھی تحائف میں شامل تھا، بادشاہ کے تحائف جمع کرا دینے کے بعد سفارتی نمائندوں نے بادشاہ سے کہا کہ ہمارے کچھ نادان نوجوانوں نے آپ کے ملک میں پناہ لے رکھی ہے جو اپنی قوم کے مذہب کو ترک کر چکے ہیں مگر انہوں نے آپ کا مذہب بھی نہیں اپنایا بلکہ ایک نیا مذہب گھڑ لیا ہے، ان بے عقل نوجوانوں کے خاندانوں (ان کے والدین اور قریبی رشتہ داروں) نے ہمیں آپ کی خدمت میں بھیجا ہے تا کہ آپ انہیں ان کے حوالے کر دیں کیونکہ وہی ان کے متعلق بہتر جانتے ہیں! چونکہ وہ آپ کے مذہب میں تو داخل ہی نہیں ہوئے کہ آپ ان کا بچاؤ کرتے، بادشاہ نے ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ''بخدا میں انہیں اس طرح واپس نہیں کروں گا، پہلے میں انہیں بلاؤں گا، ان سے بات چیت کروں گا اور ان کے معاملہ کی چھان بین کروں گا، ان لوگوں نے میرے ملک

میں پناہ لی ہے دوسروں کے بجائے میری سرپرستی کو ترجیح دی ہے اگر تو وہ تمہارے بیان کے مطابق ہوئے تو انہیں واپس کردوں گا، بصورت دیگر ان کا تحفظ میرا فرض ہے!''

''موسیٰ بن عقبہ نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ بادشاہ کے درباریوں نے بھی مہاجرین کو واپس بھیجنے کا مشورہ دیا تھا مگر بادشاہ نے کہا کہ نہیں! بخدا جب تک میں ان کی بات سن نہیں لیتا اور ان کے مذہب کے متعلق معلوم نہیں کر لیتا اس وقت تک میں کوئی فیصلہ نہیں کروں گا، چنانچہ مسلمان جب بادشاہ کے دربار میں داخل ہوئے تو انہوں نے سلام کیا مگر سجدہ نہ کیا! بادشاہ نے پوچھا کہ بھئی! تم لوگوں نے مجھے اس طرح تعظیمی سلام نہیں کیا جس طرح تمہاری قوم کے دوسرے لوگ ہمارے پاس آتے اور مجھے سلام کرتے ہیں؟! مگر تم یہ تو بتاؤ کہ تم حضرت عیسیٰ کے متعلق کیا کہتے ہو؟ مسلمانوں نے کہا: ہمارا مذہب اسلام ہے! اچھا تو اسلام ہے کیا انہوں نے بتایا کہ ہم صرف اللہ کی عبادت کرتے ہیں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں مانتے!، اچھا تو یہ مذہب تمہارے لئے کون لایا ہے؟ کہا کہ یہ مذہب ایک ایسا شخص لایا ہے جو ہم ہی میں سے ہے، اس کے حسب ونسب کو ہم بخوبی جانتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اسے ہمارے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے جیسا کہ ہم سے پہلے (مثلاً یہود ونصاریٰ) لوگوں کے پاس اس نے اپنے رسول بھیجے تھے! اس رسول خدا نے ہمیں نیکی، سچائی، وفاداری، اور امانت داری کا حکم دیا ہے ہمیں مورتیوں کو پوجنے سے منع کیا ہے، اور صرف اللہ کی عبادت اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیرانے کا حکم دیا ہے، ہم اس پر ایمان لائے اور ہمیں یقین ہو گیا کہ جو کچھ وہ لایا ہے وہ من عند اللہ ہے! چنانچہ اس وجہ سے ہماری قوم کے لوگ ہمارے دشمن بن گئے، وہ اللہ کے نبی صادق وامین ﷺ کے بھی دشمن بن گئے، انہیں جھٹلایا اور انہیں قتل کرنا چاہا! وہ چاہتے تھے کہ ہم پھر سے مورتیوں کو پوجنے لگیں مگر ہم اپنی قوم کے ظلم واذیت سے تنگ آکر بھاگ آئے ہیں اور اپنا دین وایمان اور جان بچانے کے لئے آپ کی پناہ میں آگئے ہیں، اس پر بادشاہ نے کہا کہ یہ تو بعینہ وہی نور ایمان کی بات ہے جو سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوا تھا!''

''پھر حضرت جعفر نے اسے مزید بتایا کہ ہدیہ وسلام کے ضمن میں رسول اللہ ﷺ نے ہمیں یہ بتا رکھا ہے کہ اہل جنت کا ہدیہ سلام بھی یہی ہوگا، چنانچہ ہم نے آپ کو بھی اسی طرح کا ہدیہ سلام پیش کیا ہے جس طرح ہم رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق ایک دوسرے کو ہدیہ سلام پیش کرتے ہیں، رہے عیسیٰ علیہ السلام تو وہ ابن مریم ہیں، اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں۔ وہ کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں، جو کنواری نیک پاک مریم کو عطا ہوئے اس پر نجاشی نے فرش سے ایک تنکا اٹھایا اور کہا کہ سنو! ابن مریم اس تنکے کے برابر اور زیادہ کچھ بھی نہ تھے! اس پر حبشہ کے بڑوں نے بادشاہ سے کہا کہ اگر آپ کی یہ بات حبشہ والوں نے سن لی تو آپ کو ہر صورت میں تخت سے اتار دیں گے! مگر نجاشی نے کہا کہ میں تو عیسیٰ کے متعلق اس کے سوا اور کچھ بھی نہیں کہوں گا! کیونکہ میرے اللہ نے اس وقت لوگوں کی نہیں مانی تھی جب اس نے مجھے میرا تخت وتاج لوٹایا تھا اس لئے میں بھی اب اللہ کے دین کے ضمن میں لوگوں کی بات نہیں مانوں گا! یونس نے ابن اسحاق سے یہ بھی روایت کیا ہے کہ جب نجاشی نے مسلمانوں کو بلا بھیجا تھا تو اس وقت عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ کے لئے اس سے بڑھ کر اور کوئی بات ناپسندیدہ نہ تھی کہ نجاشی ان سے براہ راست بات چیت کرے، مسلمانوں کو جب نجاشی کا بلاوا آیا تھا تو انہوں نے باہمی مشاورت میں یہ سوال اٹھایا تھا کہ ہم نجاشی کو کیا بتائیں اور کیا کہیں گے؟! تو سب نے اس پر اتفاق کیا تھا کہ ہم تو سچ سچ بتا دیں گے اور وہی کچھ کہیں گے جو دین کے معاملات کے ضمن میں ہمیں رسول اللہ ﷺ نے بتا رکھا ہے! خواہ کچھ بھی ہو جائے ہم تو وہی بتائیں گے جو کچھ رسول اللہ ہمارے لئے لائے ہیں!''

آخر میں نجاشی نے حضرت جعفر سے پوچھا کہ ''کیا آپ کو اس میں سے کچھ یاد ہے جو رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا ہے؟ تو جعفر نے کہا: ہاں یاد ہے؟ تو اس نے کہا کہ پھر جو یاد ہے وہ پڑھ کر سنایئے، اس نے اپنے پادریوں کو بھی بلا لیا تھا جو اپنے صحیفے لیکر آ گئے، اور انہیں کھول کر بیٹھ گئے تھے، حضرت جعفر نے سورت مریم (کھیعص) کی ابتدائی آیات کی

تلاوت کی تو بادشاہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے حتی کہ اس کی ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی، پادری بھی رو دیے اور آنسوؤں سے اپنے صحیفے بھگو لیے!''

''ابن ہشام کے علاوہ دیگر سیرت نگاروں نے بھی لکھا ہے کہ جب نجاشی نے اپنے پادریوں اور درباریوں کی پروانہ کرتے ہوئے مسلمانوں کو اپنے ہاں پناہ دینے کا اعلان کیا اور تین مرتبہ کہا کہ جو تمہیں تنگ کرے گا یا برا بھلا کہے گا، اس پر جرمانہ ہو گا اور ساتھ ہی قریش کے تحائف بھی لوٹا دینے کا حکم دے دیا اور کہا کہ مجھے اس سلسلے میں اگر کوئی سونے کا پہاڑ بھی دے دے تو قبول نہیں کروں گا، کیونکہ میرے اللہ نے جب مجھے میری بادشاہت لوٹائی تھی تو مجھ سے بھی کوئی رشوت نہیں لی تھی تو معاذ اللہ میں اب اللہ تعالیٰ کے دین کے ضمن میں ان لوگوں کے تحائف بطور رشوت کیسے قبول کر لوں! پھر ان دونوں کو دھتکار کر کہا جاؤ تم دونوں میرے ملک سے نکل جاؤ (۴۴)!''

ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اسی ضمن میں مزید بیان فرمایا کہ ''اس کے بعد ہم نے نجاشی کے سایہ عاطفت وانصاف میں ایک مدت بسر کی اور ہمیں پر امن اور خوشگوار ماحول نصیب ہوا، پھر ایک دن خبر آئی کہ کسی حبشی سردار نے نجاشی سے اقتدار چھیننے کے لئے بغاوت کر دی ہے اور لشکر لیکر مقابلہ کے لئے صف آراء ہو چکا ہے۔

حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ، ایک حق شناس مرد مومن، وفادار مخلص اور سچے عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے، غالباً انہیں بدر واحد اور غزوہ خندق میں اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی کا بخوبی علم ہو چکا تھا اور انہیں یہ اندازہ بھی ہو گیا تھا کہ اب ایک نہ ایک دن پورے جزیرہ عرب پر اسلام کا فاتحانہ علم لہرانے کو ہے اور مہاجرین حبشہ بھی چند روزہ مہمان ہیں، جلد سے جلد اولین اسلامی نبوی دار الہجرت مدینہ منورہ کے لئے لوٹ جائیں گے، شاید اس کے دل میں بھی یہ حسرت ہو کہ وہ خود بھی اس کاروان مہاجرین کے واپسی کے سفر میں شریک ہو کر ایک بار پھر دیدار مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرف یاب ہو کر اپنی وہ پرانی آرزو بھی پوری کر سکیں کہ ''میں آپ کے نعلین مبارک اپنے سر آنکھوں پر رکھ سکوں!'' اس لئے از راہ احتیاط و دور اندیشی نجاشی

نے دو کشتیاں تیار کروادی تھیں کہ اگر میں واپس نہ آسکوں تو آپ لوگ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روانہ ہوجائیں گے اور تمام صورت احوال سے انہیں آگاہ کردیں گے!

حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ کی اس مشکل آزمائش پر صحابہ کرام، رضوان اللہ علیہم اجمعین، کے دکھ درد اور اپنے عظیم میزبانِ مہربان نجاشی سے ہمدردی کا کیا عالم ہوگا؟ اس کا کچھ اندازہ حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے ان الفاظ سے بھی ہوسکتا ہے، وہ فرماتی ہیں: (۴۶)

فَوَاللهِ مَا عَلِمْنَا حَزِنَّا حَزَنًا قَطُّ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ، فَرَقًا مِنْ اَنْ يَظْهَرَ عليه ذلك الملكُ فَيَأْتِي ملكٌ لَا يَعْرِفُ مِنْ حَقِّنَا مَا كَانَ يَعْرِفُه، فجعلنا نَدعُو اللهَ وَنَسْتَنْصِرُه للنجاشِيّ

''یعنی اللہ کی قسم! ہم نے اس جیسا غم پہلے نہ دیکھا تھا ہمیں ڈر یہ تھا کہ اگر وہ باغی حبشی غالب آگیا تو کوئی ایسا بادشاہ آجائے گا جو ہمارے حقوق کا اس طرح خیال نہ رکھے گا جس طرح نجاشی خیال رکھتا تھا! چنانچہ ہم نے نجاشی کی فتح و نصرت کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگنا شروع کردی تھیں!''

''اس موقع پر باہمی مشاورت سے صحابہ کرام نے یہ بھی طے کیا تھا کہ ہم براہ راست تو نجاشی کے ساتھ شریک جنگ نہیں ہونگے، البتہ ہماری دعائیں اس کے ساتھ ہونگی تاہم یہ ضرور چاہیں گے کہ اس جنگ کے انجام سے ہم فوری طور پر آگاہ ہوجائیں تاکہ بروقت نجاشی کی وصیت پر عمل کرسکیں، حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ، جیسے دلیر صحابی اس وقت نوجوان اور سب سے کم عمر تھے اس لئے وہ تیار ہوگئے، رستہ میں چونکہ دریائے نیل پڑتا تھا اس لئے اسے عبور کرنے کے لئے ایک مشکیزہ میں ہوا بھر کر انہیں دے دیا گیا، وہ تیر کر میدان جنگ میں پہنچ گئے، اللہ تعالیٰ نے اس معرکہ میں نجاشی کو فتح نصیب فرمائی، باغی قتل ہوگیا اور اس کا لشکر بھی تباہ ہوگیا، حضرت زبیر، رضی اللہ عنہ، فوراً واپس ہوئے اور دور ہی سے صحابہ کرام، رضی اللہ عنہم، کو اپنی چادر سے فتح کا اشارہ دیا، اماں ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بخدا ہمیں نجاشی کی اس فتح سے بھی اس قدر خوشی ہوئی کہ ایسی خوشی ہم نے اس غریب الوطنی میں کبھی بھی نہ دیکھی تھی! پھر

ہم نجاشی کے ہاں ٹھہرے رہے حتیٰ کہ ہم میں سے بعض لوگ مکہ چلے گئے اور کچھ وہیں رہے، آخر کار نجاشی نے ہمیں عمرو بن امیہ ضمری کے ہمراہ رخصت کیا!''

ہجرت مدینہ منورہ کے حکم ربانی سے تاریخ کا رخ حبشہ سے مدینہ منورہ کی طرف مڑ گیا تھا اور یہ فیصلہ ہو گیا تھا کہ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والا کاروان اسلام کسی بھی وقت مدینہ منورہ کی طرف پلٹ جائے گا، اپنی شاندار فتح سے پہلے حضرت نجاشی نے اس کاروان حق کی مدینہ واپسی کے لئے ازراہ احتیاط دو کشتیوں کا انتظام کر دیا تھا، غزوہ خندق میں تاریخ ساز فتح ونصرت نے جہاں کفار کے لشکر جرار کو شکست دیکر کفار مکہ کی عسکری جارحیت کی کمر توڑ دی تھی وہاں یہودی سازشیوں کو بھی جزیرہ عرب سے دیس نکالا دینے کا سامان کر دیا تھا، حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی بیوگی اور غریب الوطنی کی زندگی کے علاوہ ان کی والد ابوسفیان صخر بن حرب کی اپنی لخت جگر سے بے اعتنائی کی خبروں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فکر مند بنا دیا تھا، اس لئے اپنے سفیر باتدبیر حضرت عمرو بن امیہ ضمری کو ایک بار پھر نجاشی کے پاس بھیجا کہ ام حبیبہ سے ان کے نکاح کا انتظام کر دیں اور جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی قیادت میں قافلہ مہاجرین حبشہ کو بھی مدینہ منورہ بھیج دیں، چنانچہ نجاشی نے خود نکاح پڑھایا، پانچ ہزار دینار حق مہر اپنی جیب سے ادا کیا اور شاہی ولیمہ کا بندوبست بھی خود کیا، دلہن کے لئے بیش بہا تحائف اور لوازمات کا بھی انتظام کیا، پھر اس قافلہ مہاجرین کو بھی خود الوداع کہا اور یوں تاریخ نے نجاشی کی وفاداری اور خدمت گذاری کو ریکارڈ کیا اور ہجرت حبشہ کی آخری جماعت کو مدینہ منورہ روانہ کر دیا گیا، یہ سنہ آٹھ ہجری کی بات ہے، جب یہ قافلہ مدینہ منورہ پہنچا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر فتح کر چکے تھے چنانچہ حبشہ سے آنے والے بھی خیبر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی اور آپ فرماتے جاتے تھے کہ (۴۷):

ما ادری بایھما أنا أسر؟ بفتح خیبر أم بقدوم جعفر؟!

''یعنی سمجھ میں نہیں آتا مجھے دونوں میں سے کس کی خوشی زیادہ ہے؟ فتح خیبر سے یا جعفر کی آمد سے!'' واپس آنے والے مہاجرین حبشہ کے ہمراہ حضرت نجاشی کے ایک بھائی،

نخر اناسی، اور حبشی عشاق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک وفد بھی شامل تھا جنہیں بادشاہ نے خاص طور پر بھیجا تھا، ان کے استقبال اور خدمت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود لگ گئے تو صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یہ کام آپ ہمیں کرنے دیجئے! مگر آپ نے فرمایا کہ نہیں یہ میرے مہمان ہیں جو میرے ایک ایسے دوست کے بھیجے ہوئے ہیں جس نے میرے ساتھیوں کی خدمت، احترام اور تحفظ میں کوئی کمی نہیں چھوڑی، اب میری باری ہے کہ اپنے دوست کے بھیجے ہوئے ان ساتھیوں کی خدمت میں خود کر کے اس عظیم دوست کا شکریہ ادا کرسکوں! اس حبشی وفد کے لوگوں کی خوشی کی کوئی حد نہ تھی، انہوں نے بہادری کے حبشی کرتب دکھائے اور گیت گائے، ایک سادہ سا گیت ایسا تھا جو ہر حبشی کی زبان پر تھا اور جس کا مطلب تھا کہ ''حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی اچھے آدمی ہیں! (۴۸)''۔

عرب اور حبشہ کے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مشترکہ عظیم الشان مجمع تھا، ان میں سے کسی نے نجاشی کی التجا کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ یا رسول اللہ! آپ کے جاں نثار اور وفادار دوست اصحم بن ابجر نجاشی کی یہ التجا تھی کہ آپ ان کے لئے مغفرت کی دعا فرمائیں، آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت نے جوش مارا اور اتنی بلند آواز میں فرمایا کہ اس کی گونج تمام مجمع نے دور دور تک سنی!، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرِ النَّجَاشِیْ (اے میرے اللہ! نجاشی کی مغفرت فرمانا) (۴۹):

یہ تو سنہ آٹھ ہجری کے واقعات ہیں، سنہ نو ہجری میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، کو بتایا کہ آج حبشہ میں تمہارا بھائی مرد صالح اصحم بن ابجر نجاشی فوت ہو گیا ہے، آؤ ہم سب جنازہ گاہ چلتے ہیں تاکہ تمہارے اس محسن بھائی کا جنازہ پڑھیں اور اس کے لئے بخشش کی دعا مانگیں!

نجاشی کی وفات کیسے اور کیوں ہوئی؟! اس بارے میں واضح طور پر معلوم نہیں، شاید انہیں شہید کیا گیا تھا؟ کیونکہ مسلمان مہاجرین کے چلے آنے کے بعد ابن حجر کے قول کے مطابق وہ تنہا رہ گئے تھے! شاید حبشہ کے سنگدل اور تنگ نظر لوگ ان کے وجود کو برداشت نہ

کر سکے ہوں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حبشہ سے آنے والے لوگوں کی زبانی روایت کرتی ہیں کہ اس عاشق رسول مرد مومن کی قبر سے لوگوں کو روشنی دکھائی دیتی تھی اور یہ وہ شرف واعزاز ہے جو شہداء فی سبیل اللہ کا مقدر ہے، واللہ اعلم بالصواب!

ہجرت حبشہ کے حوالے سے ہماری یہ گفتگو چند ایک توضیحات کی محتاج ہے اور ان توضیحات کے بغیر یہ نامکمل سی لگتی ہے، ان میں سے پہلی ضروری توضیح تو حضرت نجاشی کے اس بیان سے تعلق رکھتی ہے جو انہوں نے قریش مکہ کے سفارتکاروں کے تحائف واپس کرتے وقت اور مسلمانوں کو اپنے معزز مہمان کے طور پر شاہی سرپرستی اور ان کے لئے امداد کا اعلان کرتے ہوئے دیا تھا کہ "میری سلطنت مجھے دلاتے ہوئے میرے رب نے کسی کی بات مانی تھی نہ رشوت طلب کی تھی اس لئے اب میں بھی اللہ تعالیٰ کے دین حق کی حمایت کرتے وقت نہ کسی کی بات مانوں گا اور نہ قریش کے تحائف بطور رشوت قبول کروں گا!"

نجاشی کے اس بیان کا تعلق ان کے والد کے قتل ہونے اور ان کے غلام بنائے جانے پھر غلامی سے نجات پا کر دوبارہ تاج وتخت کا مالک بنائے جانے کے تاریخی پس منظر سے ہے جو ایک دردناک اور عبرت ناک کہانی ہے، نجاشی اپنے والد کا اکلوتا شہزادہ تھا، ظالم، سنگدل اور احمق چچا نے (جس کے بارہ احمق بیٹے بھی تھے!؟) اپنے سگے بھائی کو حبشی سرداروں سے ساز باز کر کے قتل کروا دیا تھا مگر ظاہر یہ کیا تھا کہ یہ حبشی سرداروں کا کام تھا، میں تو اس سے بالکل بری ہوں، چونکہ اس کے اپنے بارہ بیٹے تو سب احمق تھے اس لئے کاروبار سلطنت کے لئے اسے اپنے عقلمند اور ذہین بھتیجے نجاشی کی مدد لینا پڑی تھی، حبشی سرداروں نے جب دیکھا کہ نئے بادشاہ نے اپنا سب کام اپنے بھتیجے کو سونپ دیا ہے اور وہ کاروبار مملکت پر چھا گیا ہے تو انہیں تشویش ہوئی کیونکہ نئے بادشاہ نے اپنے بھائی کے قتل کی تمام ذمہ داری ان پر ڈال دی ہے اور دوسری طرف سلطنت کی ذمام کار نوخیز نجاشی کے ہاتھ میں دے دی ہے، ہوسکتا ہے کسی دن نجاشی بادشاہ بن جائے اور ہم مارے جائیں، اس لئے ان حبشی سرداروں نے اصرار کیا کہ لڑکے کو بھی قتل کر کے اس کے باپ سے ملا دیا جائے مگر

سنگدل اور لالچی چچا نے اپنے بھتیجے کو قتل سے بھی بدتر سزا دی اور اسے پکڑ کر غلاموں کی منڈی میں فروخت کروا دیا، یوں نوجوان مگر ذہین وفطین نجاشی بنوضمرہ کے ایک عرب تاجر کے ہاتھ فروخت ہو کر حجاز میں بنوضمرہ کے علاقے میں پہنچ گیا غزوہ بدر کا مقام بھی اسی علاقے میں ہے اور یہیں ابواء کا مقام بھی ہے جہاں حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا کی قبر ہے، کچھ عرصہ بعد نجاشی کا چچا آسمانی بجلی کی زد میں آ کر مارا گیا، اس کے احمق بیٹے تو کسی قابل تھے ہی نہیں، چنانچہ حبشی سرداران سے مایوس ہو کر بلاد عرب سے نجاشی کو آزاد کرانے پر مجبور ہو گئے اور اسے عرب تاجر سے آزاد کرایا اور تخت شاہی پر لا بٹھایا، یوں غلامی سے حکمرانی تک کا سفر ختم ہوا اور وہ اپنے مقتول باپ کے تاج وتخت کا مالک بنا دیا گیا، یہ گویا تقدیر کا ایک کھیل تھا جو گزشتہ انسانی تاریخ میں شاہوں اور شہزادوں کے ساتھ جاری رہتا تھا اور آج بھی کسی نہ کسی رنگ میں جاری ہے! مالک الملک تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے وہ جسے چاہے عزت دے جسے چاہے ذلت سے دوچار کر دے!

اس کہانی کا ایک سیاق یا ورشن Version یہ بھی کہتا ہے کہ نجاشی کے والد کو بھائی نے قتل نہیں کروایا تھا بلکہ خود بادشاہ نے طبعی موت مرتے دم اپنے بھائی کو سلطنت کی نگرانی کے ساتھ ساتھ اپنے اکلوتے شہزادے نجاشی کا بھی خیال رکھنے کے لئے کہا تھا مگر سنگدل چچا نے اپنے بھتیجے کو غلاموں کی منڈی میں فروخت کروا دیا تھا پھر کچھ عرصہ بعد جب غاصب چچا مر گیا اور اس کے بارہ احمق بیٹوں نے حبشی سرداروں کو مایوس کر دیا تو وہ عرب تاجر سے نجاشی کو آزاد کرا لائے اور حبشہ کے تخت پر بٹھا دیا، کہانی کا یہ سیاق (Version) کچھ معقول اور درست تو لگتا ہے، لیکن مشکوک ہے اس کہانی کا ایک تیسرا ورشن بھی ہے جو کافی حد تک نامعقول اور مضحکہ خیز لگتا ہے، اس (۵۰) میں بتایا گیا ہے کہ:

''نجاشی تو اپنے باپ کا اکلوتا بیٹا تھا مگر اس کے چچا کے بارہ بیٹے تھے، حبشی سرداروں نے سوچا کہ اگر نجاشی اور اس کا باپ دونوں مر گئے تو ہمیں اپنا نیا بادشاہ ڈھونڈھنا پڑ جائے گا جبکہ اس کے بھائی کے تو بارہ بیٹے ہیں، اگر وہ بادشاہ بن جائے تو اس کے بارہ بیٹے طویل عرصہ تک

کام آتے رہیں گے اور ہم بے فکر رہیں گے اس لئے نجاشی کے باپ کو قتل کر کے اس کے چچا کو بادشاہ بنا دیتے ہیں تاکہ ایک لمبی مدت تک اہل حبشہ نیا بادشاہ تلاش کرنے کے درد سر سے محفوظ ہو جائیں، چنانچہ حبشی سرداروں نے نجاشی کے باپ کو قتل کر ڈالا، مگر چچا نے تخت نشینی کے بعد اپنے احمق بیٹوں سے کام لینے کے بجائے اپنے ذہین و فطین بھتیجے نجاشی سے کام لینے کا فیصلہ کر لیا، مگر نجاشی جب اپنے حسن انتظام کے طفیل حکومت پر چھا گیا تو حبشی سرداروں کو یہ خوف کھانے لگا کہ اگر یہ لڑکا کل کو بادشاہ بھی بن گیا تو ہماری خیر نہیں! چنانچہ سرداروں نے نئے بادشاہ کو مشورہ دیا کہ نجاشی کو بھی قتل کروا دیا جائے مگر چچا نے یتیم بھتیجے پر ''ترس کھاتے ہوئے'' اسے غلاموں کی منڈی میں فروخت کروا دیا جسے ایک عرب تاجر چھ سو دینار میں خرید (۵۱) کر لے گیا، مگر کہانی کے اس ورشن کا تتمہ بھی ہے جو بہت نامعقول اور مضحکہ خیز ہے اور وہ یوں ہے کہ جس دن نجاشی فروخت ہوا اور اس کا عرب آقا کشتی میں ڈال کر اسے لے گیا تو اسی شام چچا بادشاہ بارش میں نہانے کے لئے نکلا تو آسمانی بجلی نے اسے بھسم کر دیا، سرداروں نے جب مرنے والے کے بیٹوں کو آزمایا تو وہ سب کے سب احمق نکلے اس لئے سردار بہت پچھتائے اور فیصلہ کیا کہ نجاشی کو واپس لایا جائے، چنانچہ شہزادے کو چھڑالانے کے لئے دوڑیں لگ گئیں اور عرب تاجر کو رستے میں ہی جا لیا اور نجاشی کو واپس لا کر تخت پر بٹھا دیا! لطف کی بات یہ ہے کہ سرداروں نے تاجر کو رقم دینے سے بھی انکار کر دیا، تاجر نے نجاشی سے شکایت کی تو اس نے تاجر کے حق میں فیصلہ دیتے ہوئے سرداروں سے کہا کہ اس تاجر کو رقم واپس کر دو ورنہ غلام اپنا ہاتھ اپنے آقا کے ہاتھ میں دے دے گا پھر تم بادشاہ کہاں سے لاؤ گے؟ (۵۲) چنانچہ ڈر کے مارے سرداروں نے تاجر کو رقم واپس کر دی!؟

کہانی کے اس من گھڑت، احمقانہ اور مضحکہ خیز ورشن پر اب کیا تبصرہ کیا جائے؟! سوائے اس کے کہ جہالت، پسماندگی اور ہوس اقتدار کا ایک ''کوہ سیاہ'' (چچا) تھا جو اپنے کرتوت پر پردہ ڈالنے کے لئے اپنے معصوم اور نیک دل بھتیجے سمیت پورے حبشی معاشرہ کو مغالطہ میں ڈالنے کی ''کامیاب کوشش'' کا مرتکب ہوا! آفرین ہے نیک دل، نیک فطرت اور فرمان بردار

انجم نجاشی پر کہ وہ اپنے چچا کو اپنے باپ کی جگہ سمجھتے ہوئے اسی مغالطہ میں غاصب چچا سے نہ صرف تعاون کرتا رہا بلکہ ''اپنے باپ کے قاتل'' حبشی سرداروں سے بھی درگذر کیا جو بالآخر اس کے دیس نکالے اور غلامی کا سبب بن گئے! خوشگوار حیرت اور تعجب کی بات یہ ہے کہ وہ حبشی سرداروں کی خواہش اور کوشش سے غلامی کا طوق گلے سے اترنے کے بعد واپس آکر شمع عدل روشن کرنے کے لئے تخت شاہی پر متمکن ہو گیا اور نظامِ عدل ایسا کہ جس کا شہرہ مکہ تک بھی پھیل گیا حتیٰ کہ پیغمبر عدل و امن صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاں اس بات پر فخر ہے کہ وہ نوشیروان عادل کے عہد میں پیدا ہوئے وہاں زبان مبارک سے بھی عدل نجاشی کا اعتراف فرماتے ہیں بلکہ اس ''مردِ صالح'' کے لئے دعائے مغفرت بھی فرماتے ہیں اور اس کی غائبانہ نماز جنازہ بھی پڑھاتے ہیں! یہ دراصل علامہ اقبال کی ''بلالی دنیا'' کی ایک سعادتمند روح کا بے مثال مقدر اور کردار تھا! مگر ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں؟! یہ تاریخ انسانی کی سب سے بڑی بلکہ عبرتوں کی عبرت (عبرۃُ العِبر) ہے!

اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چودہ پندرہ سال خدمت اور حفاظت کے بعد نجاشی جب انہیں الوداع کرتا ہے تو صرف ایک التجا کے ساتھ کہ اس کے لئے مغفرت کی دعا فرمائی جائے!! بس اس کی عاقبت سنور جائے! خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را! بڑی روحوں کی نظر ہمیشہ اپنے کل پر ہوتی ہے! یہ لوگ حاصل کو ہمیشہ غم حاصل سمجھتے ہیں! ایک ہیرو کی پہچان بھی یہی ہے! ابن حجر نے ٹھیک کہا ہے کہ کان وحیداً فی قومہ! وہ اپنی قوم یعنی ''بلالی دنیا'' میں یکتا تھا!

ہجرت حبشہ کے حوالے سے یاد رکھنے کی باتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہ دو بار پیش آئی پہلی ہجرت حبشہ اور دوسری ہجرت حبشہ، یوں مسلمان کم سے کم پندرہ سال نجاشی کے سرکاری مہمان رہے، اس دوران میں کئی ایک شادیاں ہوئیں جن میں حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقد نکاح بھی شامل ہے جو بادشاہ نے خود پڑھایا تھا، بہت سے نئے آنے والے دنیا میں آئے جن میں حضرت جعفر بن ابی طالب کے بیٹے عبداللہ بن جعفر

رضی اللہ عنہا، بھی شامل ہیں جو نجاشی کے ایک بیٹے عبداللہ بن اصحم نجاشی کے رضاعی بھائی ہیں، کئی ایک کی حبشہ میں وفات بھی ہوئی، ابن ہشام نے ان سب کے نام بھی علیحدہ علیحدہ ذکر کیے ہیں (۵۳)، جن کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں، ان پندرہ سالوں میں حضرت عمرو بن عاص تین بار قریش کے سفیر بنکر حبشہ گئے مگر اپنی ذہانت اور عبقریت کے باوصف ہر بار ناکام ہوئے مگر حضرت عمرو بن امیہ ضمری، رضی اللہ عنہ، چار مرتبہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر باتدبیر بنکر گئے، (تین مرتبہ تو ابھی غیر مسلم تھے مگر چوتھی بار مسلمان ہو چکے تھے!) اور چاروں مرتبہ کامیاب وکامران لوٹے، آخری بار تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دلہن ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو بھی مہاجرین کے آخری قافلے کے ہمراہ لیکر مدینہ منورہ لوٹے (۵۴)!!

ہجرتِ حبشہ عربی ادب میں

عرب اور شاعری ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں، کوئی بھی شاعرانہ فکر کسی بھی صاحبِ دل عرب کو اپنی طرف متوجہ کئے بغیر نہیں رہ سکتی (۱)! بلند فکر اور گہرے معنی اگر کسی عرب کے دل و دماغ میں سما جائیں تو زبان کے راستے الفاظ کے قالب میں ڈھلے بغیر بھی نہیں رہیں گے، اچھا شعر سن کر زندہ دل عرب تڑپ اٹھے گا، دراصل اہلِ عرب اور عربی زبان کا مزاج ہی ایسا ہے مگر یہ صرف کل کی بات نہیں، آج بھی عربوں کا یہی حال ہے! کیا خوب فرمایا رسولِ صادق و امین ﷺ نے کہ عرب شعر و شاعری کو کبھی ترک نہیں کریں گے حتیٰ کہ اونٹنی اپنے بچے کے لئے جذب و شوق اور بیقراری کو بھول جائے (۲)!! یعنی یہ دونوں باتیں محال اور ناممکن ہیں! یقین نہ آئے تو عثمانی ترکوں کے عہد میں جنوبی امریکہ ہجرت کر جانے والے عرب کے عیسائی شعراء کو دیکھ لیجئے! جدید عربی شاعری (۳) میں ''شعر مَہجَر'' اور شعرائے مہجر (دار الہجرت کے شعراء اور شاعری) ایک دلچسپ اور خوبصورت باب کی حیثیت سے ہمارے سامنے ہیں! آج جہاں کہیں بھی عرب جمع ہو گئے تو شعر و شاعری کے چرچے شروع ہو جائیں گے، اگر پہلے سے کوئی شعر کی دیوی کا پرانا پجاری نہ بھی ہوا تو نئے شاعر سامنے آجائیں گے اور شعر و شاعری کی دیوی کے چرنوں میں بیٹھ جائیں گے!

سسلی اور سپین میں عرب ایک مدت تک حکمران رہے، اپنے اس مختصر سے عہد حکمرانی میں یہاں کے عربوں نے علوم و فنون کے قابلِ فخر انبار لگانے کے علاوہ شعر و شاعری کو بھی فروغ دیا اور ایسے اصناف سخن ایجاد کئے جن سے عربی ادب پہلے شناسا ہی نہ تھا، اسلامی اندلس اور صقلیہ کی عربی شاعری ایک قابلِ فخر اور سنہرا باب ہے (۴)! برصغیر میں بھی عربوں نے قدم رکھا تو اپنے ساتھ دین اسلام کی برکات لانے کے علاوہ یہاں پر عربی شاعری کا پودا بھی لگایا جس کی بے شمار شاخیں اور کونپلیں ہیں جو نوع بنوع پھلوں سے لدی پھندی نہ

سہی مگر بھی ہوئی تو ضرور ہیں! باوجود زوال و پسماندگی اور جہالت کی آفات کے یہ سلسلہ آج بھی کسی نہ کسی رنگ میں بلادِ برصغیر کے مختلف گوشوں میں جاری ہے! یہ سلسلہ قرآنِ کریم کے سایہ اور محبتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے قیامت تک جاری وساری رہے گا(۵)!

حبشہ میں بھی مسلمان مہاجرین کی حیثیت سے عربوں کے ورود کا اور مختصر قیام کا معاملہ اس سے کچھ مختلف نہیں! صحابہ کرام یہاں چودہ پندرہ سال تک حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ کے مہمان رہے مگر اس مختصر قیام کے نقوش بھی روشن اور پائندہ ہیں! ہجرت حبشہ کی اپنی ایک تاریخ ہے، اس کے آثار، نقوش اور یادگاریں ہیں، اگرچہ مورخ اور سیرت نگار اس تاریخی ہی نہیں بلکہ تاریخ ساز باب سے چپ چاپ اور بچتے بچاتے ہی گزرتے رہے ہیں اور اسے اس کا حق نہیں دیتے رہے! بہر حال ہجرت حبشہ نے جہاں شاندار تاریخ بنائی ہے وہاں عربی زبان وادب کو بھی بہت کچھ نہ سہی (کہ کسی نے اس بہت کچھ کو محفوظ کرنے کی ہمت ہی نہیں کی؟!) مگر کچھ نہ کچھ ضرور دیا ہے! اس کچھ نہ کچھ میں بھی ہمارے عربی زبان وادب کے طالب علم کے لئے کافی کچھ موجود ہے! کم سے کم دعوتِ فکر وعمل کا سامان تو ہے!! ادب کی یہ مقدار اور یہ معیار ذوقِ سلیم کی تسکین وطمانینت کے لئے کافی ہے!

اس ضمن میں عربی نثر اور نظم کے جو نمونے اور شہ پارے میسر آئے اور یہاں ان کے اقتباسات دیئے گئے ہیں ان میں آیات قرآنی، احادیث نبوی، اقوال، خطبات اور مکتوبات کے علاوہ ہجرت حبشہ کے حوالے سے وجود میں آنے والے شعری قطعات بھی شامل ہیں، مقصد یہ ہے کہ قارئین پر اسلام کی اولین ہجرت فی سبیل اللہ کی تاریخی، فکری اور ادبی اہمیت واضح ہو جائے اور اس سے ادبی ذوق وشوق رکھنے والے اہلِ علم کی تسکین کا سامان بھی ہو سکے۔

عہد نبوی، مکی ہو یا مدنی، میں پیش آنے والے واقعات ومواقع کے لئے وحی ربانی کی رہنمائی موجود رہی اور آیات بینات نازل ہو کر اہل ایمان کے لئے ہدایت ورہنمائی کا سامان کرتی رہیں، لہٰذا مکی عہد کی سیرت طیبہ ہو یا مدنی عہد کی، سب کے لئے اولین مصدر

معلومات اور سرچشمۂ ہدایت تو قرآن کریم ہی ہے! اس لئے مؤرخ اور سیرت نگار کا یہ فرض ہے کہ وہ سب سے پہلے اسی سرچشمۂ ہدایت اور معتبر ترین مصدر سے رجوع کرے! ہجرت کے متعلق مکی اور مدنی آیات ربانی میں جو کچھ ہمارے سامنے ہے اس کی بنیاد پر ''قرآن کریم کا آفاقی نظریہ ہجرت'' بھی مرتب ہو سکتا ہے جو ایک مستقل موضوع بحث و تحقیق ہے، لیکن یہاں پر صرف مکی سورتوں میں وارد ہونے والی بعض ایسی آیات بینات درج ہوں گی جن میں ہجرت فی سبیل اللہ کے متعلق واضح اشارات موجود ہیں، یہ تو روز اول ہی سے طے تھا کہ دعوت اسلام کے نتیجے میں کفار مکہ کی اذیت رسانی اور مظالم حضرت محمد ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو اس سنت انبیاء پر عمل کرنے اور مکہ میں اپنے گھر بار چھوڑ کر ہجرت کرنے پر مجبور کر دیں گے، یہی وہ حقیقت تھی جس کا اظہار حضرت ورقہ بن نوفل نے رسول اللہ ﷺ سے پہلی وحی ربانی کی کیفیت سننے کے بعد ہی کر دیا تھا (۶)!

قرآن کریم عربی زبان وادب کی زندۂ جاوید روح، مضبوط ترین اساس اور عربی زبان کی بقا اور دوام کی ناقابل شکست ضمانت بھی ہے، اللہ رب العزت نے اپنی اس کتاب عزیز وغالب میں، اہل ایمان کی اس ہجرت حبشہ، رسول اللہ ﷺ کے لئے حضرت نجاشی کی محبت وعقیدت، خدمت اسلام اور اہل حبشہ میں سے نیک روحوں کی رغبت دین اسلام کو دوام اور اہتمام کا رنگ دیتے ہوئے مکی سورت القصص میں یوں فرمایا ہے (۷):

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ یُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَ اِذَا یُتْلٰى عَلَیْهِمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖۤ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِیْنَ ﴿۵۳﴾ اُولٰٓىٕكَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَیْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَ یَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَ اِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَ قَالُوْا لَنَاۤ اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ٘ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ٘ لَا نَبْتَغِی الْجٰهِلِیْنَ ﴿۵۵﴾

یہ آیات کریمہ نجاشی کے بھیجے ہوئے ان متلاشیان حق کے بارے میں ہیں جو ایک وفد کی صورت میں مکہ مکرمہ میں حاضر ہوئے تھے اور دولت ایمان سے سرفراز ہونے اور صحبت

رسول سے نوازے جانے کے بعد واپس گئے تھے، ابن اسحاق نے امام زہری کا قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے اہل علم سے یہی سنا ہے کہ سورت القصص کی یہ آیات کریمہ اس حبشی مسیحی وفد کے متعلق ہیں جسے نجاشی شاہ حبشہ نے تصدیق و تحقیق اور تسلی و اطمینان کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تھا جب آپ مکہ مکرمہ میں تھے، علمائے تفسیر کی ایک جماعتِ جمہور کی بھی یہی رائے (۸) ہے، ان آیات کا ترجمہ یوں ہے:

''وہ مسیحی لوگ کہ جنہیں ہم نے اس (قرآن کریم) سے پہلے کتاب (انجیل) عطا کی تھی وہ اس کتاب عزیز پر بھی ایمان لاتے ہیں! اور جب ان کے سامنے اس (قرآن کریم) کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے، یہ ہمارے رب کی طرف سے پیغامِ حق ہے، ہم تو (نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی تلاوت سننے سے) پہلے ہی اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کر چکے تھے (یہی تو) وہ لوگ ہیں جنہیں ہم اس کا دوگنا اجر بھی عطا فرمائیں گے کیونکہ وہ صبر و ہمت کر کے (سفر کی مشقت اٹھا کر کے آئے تھے)، اور وہ بدلہ دیتے ہیں بدسلوکی کا حسن سلوک سے اور ہم نے انہیں جو رزق دے رکھا ہے اس میں سے وہ راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں، اور جب وہ کوئی لغو یا فضول بات سنتے ہیں تو اس سے اعراض کرتے ہوئے منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال ہیں، بس تم سلامت رہو، ناسمجھ (ابوجہلوں) سے ہمارا کوئی سروکار نہیں''

نجاشی شاہ حبشہ کے وطن سے اخوت و مساوات کے دلدادہ اور حریت و جرأت کے علمبردار محبانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہجرت نبوی کے بعد مدینہ منورہ میں بھی تانتا بندھا رہا (۹) تھا! حلقہ نجاشی کے جو اولین حق پرست وفد کی شکل میں مکہ مکرمہ میں آئے تھے، تلاوتِ آیات کو زبانِ نبوت سے براہِ راست سننے، ایمان کی دولت پانے اور صحبت نبوی سے بہرہ ور ہونے کے بعد حبشہ پلٹے تھے، انہوں نے اپنے مرشد و معلم حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ کے زیر

سا یہ دعوت اسلام کا سلسلہ جاری رکھا ہوا تھا، یہ تشنگانِ دیدار نبوی اور متلاشیانِ حق حب رسول سے چھلکتے امڈتے دلوں کے ساتھ مدینہ منورہ بھی مسلسل آتے رہتے تھے، صاحب ”تنویر الغبش فی فضائل السودان والحبش“ حضرت علامہ ابن الجوزی اور دیگر مؤلفین سیرت وتاریخ نے ان عاشقانِ مصطفیٰ ﷺ کی مدینہ میں آمد، اظہار محبت کے حبشی طریقوں کو کام میں لانے اور مدحِ مصطفیٰ ﷺ کی شکل میں اپنے ایمان افروز گیت گانے کے بعض نقوش اپنی کتابوں میں محفوظ کئے ہیں (۱۰) مگر وحی ربانی نے بھی اہل ایمان کے ان بصیرت افروز اور روح پرور مناظر پر مہر تصدیق ثبت کی ہے، مدنی سورت المائدہ کی آیات 82 تا 84 یہود ونصاریٰ کے عمومی رویوں اور عملی مظاہروں کو اہل ایمان کے ذہن نشین کراتی ہیں مگر ان آیات میں مذکور نصاریٰ کے رویہ کا عمومی اظہار اور عملی نمونہ حبشہ سے آنے والے مسیحی وفود سے تعلق رکھتا ہے، جیسا کہ بعض مفسرین کرام نے صراحت بھی فرمائی ہے چنانچہ سورت المائدہ کی ان تین آیات کا اردو ترجمہ یوں ہے (۱۱):

”تو اے مخاطب! اہل ایمان کی محبت ومودت میں ان لوگوں کو سب سے زیادہ قریب پائے گا جو یہ کہتے ہیں کہ ہم تو مسیحی ہیں، یہ یوں ہے کہ ان میں سے کچھ تو علم والے لوگ ہیں اور کچھ تارک دنیا راہب ہیں اور یہ بھی کہ وہ تکبر نہیں کرتے! اور جب وہ کلام ربانی سنتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا ہے تو ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے ہیں کیونکہ انہیں سچائی معلوم ہوگئی ہے، وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم تو ایمان لے آئے ہیں اس لئے ہمیں بھی اس سچائی کے تصدیق کرنے والے گواہوں میں شمار کر لیجئے! ہم بھلا اللہ پر اور اس کی سچائی پر ایمان کیوں نہ لائیں؟ اور آرزو کیوں نہ کریں کہ ہمارا رب ہمیں بھی صالح اور نیک لوگوں میں شامل فرمادے! چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یوں ایمان لانے کے صلے میں انہیں ایک ایسی جنت میں داخل کردیا جس کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ہمیشہ اسی جنت میں رہیں گے! اور حسن عمل کا

مظاہرہ کرنے والوں کی جزا تو ہے ہی یہی!!"

قرآن کریم کی سورت عنکبوت کے شروع میں حضرت ابراہیم اور ان کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کی ہجرت کا ذکر ہے جو در اصل اہلِ اسلام کے لئے اشارہ تھا کہ وہ بھی اس سنت انبیاء کے لئے تیار ہو جائیں اسی سورت کی آیت ہے: یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّ اَرْضِیْ وَاسِعَةٌ فَاِیَّایَ فَاعْبُدُوْنِ یعنی اے میرے مومن بندو! میری زمین وسیع ہے تو صرف میری ہی عبادت کرو، اسی سورت کی آخری آیت بھی مہاجرینِ حبشہ کے لئے خوشخبری ہے وَالَّذِیْنَ جٰهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَ اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ یعنی جن لوگوں نے ہماری خاطر مشقت اٹھائی ہم انہیں اپنے رستے دکھائیں گے! اور اللہ تعالیٰ تو حسن عمل والوں کے ساتھ (۱۲) ہے!

ہجرتِ حبشہ کی ادبیات میں سے افصح العرب رسول ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تاریخی بلکہ تاریخ ساز کلام معجز نظام بھی ہے جس میں آپ نے اپنے جاں نثاروں کو حبشہ کی طرف ہجرت کا اشارہ کرتے وقت فرمایا تھا (۱۳):

لَوْ خَرَجْتُمْ اِلٰی اَرْضِ الْحَبْشَةِ فَاِنَّ بِهَا مَلِكًا لَا يُظْلَمُ عِنْدَهُ اَحَدٌ وَهِيَ اَرْضُ صِدْقٍ، حَتّٰى يَجْعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ فَرَجًا مِمَّا اَنْتُمْ فِيْهِ!

"یعنی اگر تم سر زمین حبشہ کی طرف نکل جاؤ تو وہاں ایک ایسا بادشاہ حکمران ہے جس کے ہاں کسی پر کوئی بھی ظلم نہیں کر سکتا، اور وہ دوستی اور سچائی کی سر زمین بھی ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس مشکل میں سے نکال دے جس میں تم اس وقت (کفار مکہ کے ہاتھوں) مبتلا ہو!"

احمر و اسود، عرب و عجم اور تمام بشریت کی طرف مبعوث رسول اولین و آخرین صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد پاک بھی اسی ضمن میں آئے گا اور اسے حبشہ اور ترکوں کے متعلق پیشین گوئی کی حیثیت بھی حاصل ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا (۱۴)!

دَعُوا الْحَبْشَةَ مَا وَدَعُوْكُمْ وَاتْرُكُوا الْاَتْرَاكَ مَا تَرَكُوْكُمْ

''یعنی اہل حبش جب تک تمہیں کچھ نہ کہیں تم بھی انہیں کچھ نہ کہنا اور جب تک ترک تمہیں نہیں چھیڑتے اس وقت تک تم بھی انہیں کبھی نہ چھیڑنا!!''

اُم المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی مہاجرات حبشہ میں سے ہیں، انہوں نے حبشہ میں اپنے قیام اور حضرت نجاشی کے حسنِ سلوک کے حوالے سے چند جملے ارشاد فرمائے تھے جو ان سے اماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ان سے ان کے بھانجے حضرت عروہ نے نقل کئے ہیں اور اکثر کتب تاریخ، سیرت اور تراجم میں ملتے ہیں (۱۵):

فَخَرَجْنَا أَرْسَالًا حَتَّى اجْتَمَعْنَا بِهَا فَنَزَلْنَا بِهَا خَيْرَ دَارٍ إِلَى خَيْرِ جَارٍ آمِنِينَ عَلَى دِينِنَا، وَلَمْ نَخْشَ فِيهَا ظُلْمًا

''یعنی ہم گروہ در گروہ نکل پڑے یہاں تک کہ ہم حبشہ کی راجدھانی میں اکٹھے ہو گئے وہاں ہم بہترین جگہ فروکش ہو گئے ہمارا پڑوسی (نجاشی) بھی بہترین ہمسایہ تھا ہم دینی اعتبار سے بھی محفوظ تھے اور ہمیں کسی ظلم کا بھی کوئی ڈر نہ تھا!!''

ہجرتِ حبشہ کے حوالے سے عربی ادب کا دلچسپ پہلو تو دراصل وہ شاعری ہے جو ہجرت کرنے والے مسلمان شعراء کے کلام سے عبارت ہے یہ سرزمینِ عرب سے بے وطن ہونے والے اولین عرب شعراء کا اولین کلام ہے اور اس لحاظ سے تاریخ میں سب سے پہلا کلام ہے جو غریب الوطنی میں عربوں نے تخلیق کیا (عثمانی ترکوں کے باغی شام ولبنان سے بھاگنے والے عیسائی شعراء کا کلام ادب المہجر (ہجرت والے مقام کا ادب!) کہلاتا ہے مگر اس باب میں بھی مسلمان شعراء عرب کو اولیت کا شرف حاصل ہے اور گویا وہ سب سے پہلے شعراء مہجر ہیں جو کفار مکہ کے مظالم سے تنگ آ کر اپنا دین وایمان بچانے کے لئے حبشہ ہجرت کر گئے تھے!! ان مسلمان مہاجر شعراء کا یہ کلام حبشہ کی ''اولین حبشی عربی شاعری'' شمار ہونے کا بھی مستحق ہے، بالکل ایسے ہی جیسے برصغیر میں وارد ہونے والے عرب شعراء (جیسے رابعہ بنت کعب خضدری اور ہارون بن موسیٰ شاعرِ ملتان) کا کلام اولین عربی ہندی شاعری میں شمار ہوتا ہے (۱۶)!! ابن اسحاق وابن ہشام کے علاوہ دیگر مورخین بھی ذکر

کرتے ہیں کہ جب مسلمان مہاجرین سرزمین حبشہ میں خود کو محفوظ سمجھنے لگے، نجاشی کی شکل میں انہیں بہترین سرپرست اور ہمسایہ بھی مل گیا اور وہ ہر قسم کی مذہبی مداخلت سے بھی محفوظ ہو گئے تو اس صورت احوال کے پیش نظر "شاعرِ ہجرت حبشہ" حضرت عبداللہ بن حارث سہمی رضی اللہ عنہ نے کہا تھا(۱۷):

يَا رَاكِباً بَلِّغَنْ عَنِّي مُغَلْغَلَةً مَن كَانَ يَرجُو بَلَاغَ اللهِ وَ الدِّين

كُلُّ امْرِءٍ مِنَ عِبَادِ اللهِ مُضطَهَدٍ بِبَطْنِ مَكَّةَ مَقْهُورٍ وَ مَفْتُون

اِنَّا وَجَدنَا بِلَادَ اللهِ وَاسِعَةً تُنْجِي مِنَ الذُّلِّ وَالمخزاةِ والهون

فَلَاتُقِيمُوا عَلَى ذُلِّ الحياةِ وَخِزيِ المَمَاتِ و غَيبٍ غيرِ مَأمُون

اِنَّا تَبِعْنَا رَسُولَ اللهِ وَاطَّرَحُوا قَوْلَ النَّبِي وَعَالَوا فِي المَوَازِين

فَاجْعَلْ عَذَابَكَ فِي القَومِ الَّذين بَغَوْا وَعَائِذًا بِكَ، أَنْ يَعْلُوْا فَيَطْغَوْنِي

ترجمہ:

(1) اے سوار! میرا پیغام ان لوگوں تک پہنچا دے جو یہ یقین رکھتے ہیں کہ اللہ کا پیغام حق اور دین حق ضرور پہنچ کر رہے گا!

(2) وادیٔ مکہ میں تو اللہ کا ہر بندہ انتقام کا نشانہ تھا، مغلوب تھا اور فتنہ میں مبتلا تھا

(3) ہم نے اللہ کی سرزمین کو واقعی وسیع پایا ہے (سورت عنکبوت کی گزشتہ آیت کے ساتھ اس کا تقابل کیجئے جہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ میری سرزمین وسیع ہے اور شاعرِ ہجرتِ حبشہ حضرت عبداللہ مان رہے ہیں کہ فرمان ربانی حق ہے، اللہ کی زمین واقعی وسیع ہے)، جو ذلت، رسوائی اور بے قدری سے نجات دلا سکتی ہے!

(4) اس لئے اے مسلمانو! تم زندگی کی ذلت اور رسوائی کی موت والی جگہ قیام نہ کرو جہاں تمہارا مستقبل بھی غیر محفوظ ہے!

(5) ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور اطاعت کی ہے مگر کفار مکہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ٹھکرا دی ہے اور حد سے بڑھ گئے ہیں!

(6) اس لئے اے خدا! تو سرکش لوگوں کو عذاب میں مبتلا کر دے اور میں جو تیری پناہ میں ہوں مجھے ان کی سرکشی اور جارحیت سے بچاتا!

اہلِ مکہ مسلمانوں کو کس طرح ستاتے تھے، پھر انہیں گھر چھوڑنے پر کس طرح مجبور کر دیا گیا تھا حتی کہ اس اذیت رسانی اور گھر چھڑوانے میں رشتوں اور تعلقات کی بھی پروانہ کی گئی، اپنے ہی اپنوں کے دشمن اور بیری بن گئے تھے، اس کیفیت کو یہی شاعرِ ہجرتِ حبشہ حضرت عبداللہ بن حارث بھی اپنے اس قطعہ میں پیش کرتے ہیں اور اپنے رشتہ داروں کی شکایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں (۱۸):

أَبَتْ كَبِدِي لَا أَكْذِبَنَّكَ قِتَالَهُمْ　　عَلَيَّ وَ تَأْبَاهُ عَلَيَّ أَنَامِلِي

وَكَيْفَ قِتَالِي مَعْشَراً أَدَّبُوكُمْ　　عَلَى الْحَقِّ أَنْ لَا تَأْشِبُوهُ بِبَاطِلِ

نَفَتْهُمْ عِبَادُ الْجِنِّ مِنْ حُرِّ أَرْضِهِمْ　　فَأَضْحَوْا عَلَى أَمْرٍ رَشِيدِ الْبَلَابِلِ

فَإِنْ تَكُ كَانَتْ لِي عَدِيٍّ أَمَا نَةٌ　　عدی بن سعد، عن تُقًى وَ تَوَاصُلِ

فَقَدْ كُنْتُ أَرْجُو أَنَّ ذٰلِكَ فِيكُمْ　　بِحَمْدِ الَّذِي لَا يُطَّبَى بِالْجَعَائِلِ

وَبُدِّلْتُ شِبْلاً، شِبْلَ كُلِّ خَبِيثَةٍ　　بِذِي فَجَرٍ مَأْوَى الضِّعَافِ الْأَرَامِلِ

ترجمہ:

(1) میں تم سے جھوٹ ہرگز نہیں بولوں گا، میرے رشتہ داروں نے جو مجھ سے لڑائی جھگڑا کیا اسے نہ تو میرا قلب و جگر گوارا کرتا تھا اور نہ میرے ہاتھ اس لڑائی جھگڑے کو گوارا کرتے تھے یعنی انہوں نے جو اذیت مجھے پہنچائی اسے میرے جگر نے ٹھکرا دیا اور نہ میں نے ان پر دست درازی گوارا کی!

(2) بھلا میں اس قوم سے کیسے لڑتا، انہوں نے ہی تو تمہیں حق پر قائم رہنا سکھایا کہ اس حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط مت کرنا۔

(3) انہیں جنات کے پجاریوں نے ان کی زمین کی توش سے بے دخل کر دیا چنانچہ اب وہ راہِ راست سے بھٹک کر الجھنوں میں پڑ گئے ہیں۔

(4) سو اب اگر بنو عدی بن سعد کے لوگوں میں تقوی اور صلہ رحمی کی یہ امانت باقی رہ گئی ہے تو۔۔۔

(5) میں یہ توقع رکھتا ہوں کہ تقوی اور صلہ رحمی کی یہ امانت داری تم میں ہو گی اس ذات کی برکت وستائش کے طفیل جو بناوٹ اور تصنع کو پسند نہیں کرتی (خوش اخلاقی وصلہ رحمی کے اوصاف خدا کی دین ہے جسے چاہے دے اور جسے چاہے ان سے محروم کر دے!)

(6) تمہاری حالت یہ ہو گئی ہے کہ شیر کے بچے فساد زدہ شیرنی کے بچے بن گئے ہیں اور جو کبھی کمزور بیواؤں کی پناہ گاہ ہوتے تھے اور مقام ذی فجر میں تھے (یعنی میری قوم کے لوگ راہ راست سے ہٹ کر گمراہی اور گناہوں سے آلودہ ہو گئے ہیں!)

یہ "شاعر ہجرت حبشہ" حضرت عبداللہ بن الحارث قریش کے بے حد معزز قبیلے سے تھے، ان کے دادا قیس بن عدی اپنے وقت میں قریش کے معزز ترین سردار سمجھے جاتے تھے، مگر ان کے والد حارث بن قیس ان بدنصیبوں میں شامل ہو گئے تھے جو رسول اللہ ﷺ کو اذیت پہنچانے اور آپ کا تمسخر اڑانے میں تمام حدود پھلانگ گئے تھے مگر۔ بیٹا عبداللہ بن حارث۔ اسلام کا شیدائی اور رسول اللہ ﷺ کا فداکار بن گیا تھا، والد اور قبیلے کے لوگوں نے عبداللہ کو ستانے میں حد کر دی تو مکہ چھوڑ کر حبشہ چلے گئے اور مہاجرین حبشہ میں نہ صرف شامل ہو گئے بلکہ اپنے شعروں میں ہجرت حبشہ کو بھی زندۂ جاوید بنا دیا یہ غزوہ طائف میں شہید ہوئے تھے (۱۹)، ان کی آرزو تھی کہ قریش کے منکرین رسالت کو بجلی کی طرح کوند کر سیدھا کر دیں اسی لئے عبداللہ المبرق (یعنی بجلی کی طرح کوندنے اور کڑکنے والا عبداللہ) مشہور ہو گئے تھے، اسی سلسلے میں ان کے دو شعر ہیں (۲۰):

تِلْكَ قُرَيْشٌ تَجْحَدُ اللهَ حَقَّه كَمَا جَحَدَتْ عَادٌ وَ مَدْيَنُ وَالْحِجْر
فَاِنْ اَنَا لَمْ اُبْرِقْ فَلَا يَسَعَنَّنِيْ مِنَ الْاَرْضِ بَرٌّ ذُوْفَضَاءٍ وَلَا بَحْر

ترجمہ:

(1) لو یہ ہیں قریش جو اللہ تعالی کے حق توحید وعبادت کے منکر ہیں، یہ بھی ویسے ہی منکر ہیں

حق ہیں جیسے قوم عاد، مدین اور حجر کے لوگ تھے!

(2) تو اب اگر بجلی کی طرح کوند کر میں ان پر ٹوٹ نہ پڑوں تو پھر روئے زمین کی خشکی، فضا اور سمندر بھی مجھے ہرگز سمو نہ سکیں گے!

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ قریش کے قبیلہ بنو جمح سے تھے، عابد و زاہد صحابی تھے دن کا روزہ اور رات کا قیام ان کا معمول تھا، حبشہ کی طرف دو بار ہجرت کی، معروف قریش سردار اُمیہ بن خلف ان کا چچا زاد بھائی تھا اور اسلام سے خدا واسطے کا بیر رکھتا تھا اس لئے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو بہت تنگ کرتا اور اذیت پہنچاتا تھا، ہجرت حبشہ کے دوران میں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے یہ شعر کہے، ان شعروں میں وہ اُمیہ بن خلف پر عتاب اور ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں (۲۱):

أَتَيْمَ بْنَ عَمْرٍو لِلَّذِيْ جَاءَ بُغْضُهُ وَمِنْ دُوْنِهِ الشَّرْمَانُ وَالْبَرْكُ أَكْتَعُ

أَأَخْرَجْتَنِيْ مِنْ بَطْنِ مَكَّةَ آمِناً وَأَسْكَنْتَنِيْ فِيْ صَرْحٍ بَيْضَاءَ تَقْذَعُ

تَرِيْشُ نِبَالاً لَايُوَاتِيْكَ رِيْشُهَا وَتَبْرِيْ نِبَالاً رِيْشُهَا لَكَ أَجْمَعُ

وَحَارَبْتَ أَقْوَاماً كِرَاماً أَعِزَّةً وَأَهْلَكْتَ أَقْوَاماً بِهِمْ كُنْتَ تَفْزَعُ

سَتَعْلَمُ إِنْ نَابَتْكَ يَوْماً مُلِمَّةٌ وَأَسْلَمَكَ الْأَوْبَاشُ مَاكُنْتَ تَصْنَعُ

ترجمہ:

(1) اے بنو تیم بن عمرو! بلاشبہ یہ تمہارا بغض ہے جو تمہیں یہاں لے آیا حالانکہ دو سمندر اور برک جیسے مقامات سب کے سب تمہارے سامنے حائل تھے (یعنی اتنے فاصلوں اور رکاوٹوں کے باوجود تمہارے بغض اور نفرت نے مہاجرینِ حبشہ کو چین سے نہ رہنے دیا!!)

(2) تم نے مجھے پر امن وادی مکہ سے جلاوطن کر دیا ہے اور مجھے ایک ایسی جگہ ٹھہرا دیا ہے جہاں عالی شان سفید محل میری حفاظت کرتا ہے (شاہِ حبشہ کا مہمان اور اس کی پناہ میں ہوں!)

(3) تم ایسے تیروں کو نقصان پہنچاتے ہو جو تم کو نہیں لگتے مگر ایسے تیروں کو نفع پہنچاتے ہو جن کے سب کے سب سرے تمہیں ہی لگتے ہیں (یعنی اپنے آپ کو اذیت دینا اور غیر کو سکھ دینا کہاں کی دانائی اور بہادری ہے؟!)

(4) تم نے ایسے لوگوں سے لڑائی کی ہے جو محترم اور غالب تھے اور ایسے لوگوں کو ہلاک کیا ہے جو تمہارا سہارا بنا کرتے تھے!

(5) جس دن تم پر کوئی آفت آئے گی اس دن تمہیں معلوم ہو جائے گا اور اوباش لوگ جب تمہارا ساتھ چھوڑ دیں گے تو تمہیں اپنوں کی قدر معلوم ہو گی!

حضرت ابو طالب بن عبد المطلب رضی اللہ عنہما ایک بلند پایہ مقرر اور پختہ فکر شاعر تھے انہوں نے اسلام کے دفاع وحمایت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں خوب صورت قصائد نظم کئے تھے، نجاشی شاہ حبشہ کے ہاں مسلمان مہاجرین کی جو آؤ بھگت ہوئی اور جو عزت وسکون ملا وہ قریش مکہ کے لئے ناقابل برداشت ہو گیا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جعفر بن ابی طالب کو نجاشی کے پاس بھیجنے کے علاوہ آپ اپنے سفیر حضرت عمرو بن اُمیہ ضمری کے ہاتھ اپنا نامہ گرامی بھی ارسال فرما چکے تھے، قریش نے جب بھاری تحائف کے ساتھ نجاشی کے پاس اپنی سفارت بھیجی تا کہ وہ مسلمانوں کو قریش کے حوالے کر دیں تو اس موقع پر حضرت ابو طالب نے بھی اپنا بائیہ قصیدہ کہا اور نجاشی کو بھیج دیا، اس قصیدہ سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے کہ نجاشی کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تو عقیدت مندانہ تعلقات اور روابط تھے ہی ان کے علاوہ بنو ہاشم کے بزرگوں کی بھی اس بادشاہ سے واقفیت بے تکلفی کی حد تک پہنچی ہوئی تھی، حضرت ابو طالب نے اپنے اس بائیہ میں فرمایا تھا (۲۲)!

أَلَا لَيْتَ شِعْرِي كَيْفَ فِي النَّأْيِ جَعْفَرٌ وَعَمْرٌو وَأَعْدَاءُ الْعَدُوِّ الْأَقَارِبِ

فَهَلْ نَالَ أَفْعَالُ النَّجَاشِيِّ جَعْفَرًا وَأَصْحَابَهُ أَوْ عَاقَ ذٰلِكَ شَاغِبُ

تَعَلَّمْ أَبَيْتَ اللَّعْنَ أَنَّكَ مَاجِدٌ كَرِيمٌ فَلَا يَشْقَى لَدَيْكَ الْمُجَانِبُ

وَأَنَّكَ فَيْضٌ ذُو سِجَالٍ غَزِيرَةٍ يَنَالُ الْأَعَادِي نَفْعَهَا وَالْأَقَارِبُ

تَعلَمْ بِاَنَّ اللہَ زَادَکَ بَسْطَۃً وَاَسْبَابَ خَیْرٍکُلُّھَا بِکَ لَازِبٗ

ترجمہ:

(1) ہاں! مجھے نہیں معلوم کہ پردیس میں جعفر کیسے ہیں اور عمرو بن عاص کی سفارت کاری کیا رنگ لا رہی ہے؟ دشمن کے دشمن تو قریبی رشتہ دار ہی ہوتے ہیں (عمرو بن عاص اور قریش کی معاندانہ سفارتی مہم کیا رنگ لاتی ہے؟!)

(2) تو کیا جعفر اور اس کے ساتھیوں کو نجاشی کا حسن سلوک میسر آ گیا ہے یا کوئی شخص ہنگامہ پرور رکاوٹ بن گیا ہے؟

(3) اے خوش بخت بادشاہ! آپ تو جانتے ہیں کہ آپ عزت اور شرافت کے مالک ہیں اس لئے آپ کے جوار میں آنے والا کبھی بدنصیب نہیں ہوتا!

(4) آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے اندازہ فراخی عطا فرمائی ہے اور بھلائی کے تو تمام وسائل آپ کے پاس ہیں!

(5) آپ تو بے پناہ سخاوت کا مجسمہ ہیں، اس سخاوت سے اپنے پرائے بھی فائدہ پاتے ہیں!!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا سیاسی دفاع حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ نے اپنے ذمہ لے رکھا تھا، ہجرت حبشہ کو اپنی سفارت کاری کے ذریعہ ناکام بنانے کے لئے قریش نے بڑے جتن کئے، معاملہ کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے انہوں نے نجاشی کے نام زبانی پیغامات کے ساتھ ساتھ اپنے اشعار سے حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ کی تسلی وتائید کے لئے ان کا یہ میمیہ قصیدہ بھی بہت اہم، بروقت اور مفید ثابت ہوا جس کے چند اشعار یہ تھے (المستدرک 223/3):

لیعلم خیر الناس أنّ محمدا وزیر لموسی والمسیح ابن مریم

أتانا بهدی مثل ما أتیا به فكل بامرالله یهدی و یَعْصِم

و انكم تتلونه فی كتابكم بصدقِ حدیث لا حدیث المرجّم

وانك ماتاتیك منها عصابة بفضلك الا أرجعوا بالتكرم

ترجمہ:

(1) اچھے لوگوں کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کی تصدیقِ نبوت کے ذمہ دار ہیں!!

(2) آپ ہمارے پاس وہی سامان ہدایت لے کر آئے ہیں جو وہ دونوں لے کر آئے تھے!

(3) آپ (مسیحی حضرات!) ان کا ذکر اپنی کتاب مقدس میں پڑھتے ہیں! یہ سچی بات ہے نہ کہ انکل پچو والی بات!

(4) اور اے نجاشی! قریش کے پاس سے جو بھی گروہ آئیں وہ تیری طرف سے عزت و احترام سے واپس بھیج دیے جائیں (سفرائے قریش کو اعزاز کے ساتھ واپس بھیجتے رہیے!)

آل ہاشم کو اللہ تعالیٰ نے شرف و کرامت کا مالک تو بنایا ہی ہے لیکن ان کی خدمت اسلام کا بھی جواب نہیں، کیا زبانی، کیا عملی اور کیا جانی! ان کی ہر خدمت عظیم اور بے مثال ہے! نجاشی شاہِ حبشہ کے دربار میں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہما نے جس طرح مہاجرینِ حبشہ کی ترجمانی کی اور اسلام کا دفاع کیا وہ اسلام کی شاندار تاریخ کا ایک نمایاں اور ناقابلِ فراموش باب ہے لیکن اسلام کا تعارف کرواتے ہوئے انہوں نے شاہی دربار میں جو تقریر فرمائی وہ بھی لاجواب ہے بعثت نبوی سے پہلے کے جاہلی پس منظر اور بعثت کے بعد کی برکات و فضائل کو انہوں نے جس اختصار اور جامعیت کے ساتھ موثر انداز میں پیش کیا ہے اس کی مثالیں عربی خطابت کی تاریخ میں بہت ہی کم ملیں گی، خطیب بنی ہاشم حضرت جعفر نے اس موقع پر فرمایا تھا (۲۳)!

أيها الملك! إنا كنا قوما أهل جاهلية، نعبد الاصنام، ونأكل الميتة، ونأتي الفواحش، ونقطع الأرحام، ونسئ الجوار، ويأكل القوي منا الضعيف، فكنا على ذلك حتى بعث الله إلينا رسولا منا، نعرف نسبه و صدقه و أمانته وعفافه فدعانا إلى الله

لنوحده و نعبده، ونخلع ما كنا نعبد وآباؤنا من دونه من الحجارة والأوثان، و أمرنا بصدق الحديث و أداء الامانة وصلة الرحم وحسن الجوار، والكف عن المحارم والدماء، ونهانا عن الفواحش و قول الزور وأكل مال اليتيم وقذف المحصنات، و أمرنا أن نعبد الله ولا نشرك به شيئا، وأمرنا بالصلاة والزكاة والصيام فصدقناه وآمنا به واتبعناه، فعدا علينا قومنا فعذبونا وفتنونا عن ديننا ليردونا إلى عبادة الأوثان، وأن نستحل ما كنا نستحل من الخبائث، فلما قهرونا و ظلمونا وشقوا علينا، وحالوا بيننا و بين ديننا، خرجنا إلى بلدك، و اخترناك على من سواك، و رغبنا في جوارك، و رجونا أن لا نظلم عندك، أيها الملك

"بادشاہ سلامت! ہم جاہلیت والے لوگ تھے، بتوں کو پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے اور گندے کام کرتے تھے، ہم قطع رحمی کرتے اور پڑوسی سے برا سلوک کرتے تھے، ہم میں سے طاقتور کمزور کو کھا جاتا تھا، یوں ہم اسی حال میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے ایک رسول بھیجا جو ہم ہی میں سے تھا، ہم اس کے حسب ونسب، صدق وامانت اور پاک دامنی سے آگاہ تھے، اس رسول نے ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا کہ ہم اسے ایک مانیں اور صرف اسی کی عبادت کریں اور ان پتھروں اور مورتیوں کو چھوڑ دیں جنہیں ہم اور ہمارے بزرگ پوجتے تھے، اس نے ہمیں سچی بات کہنے، امانت ادا کرنے، صلہ رحمی کرنے، پڑوسی سے حسن سلوک کرنے، حرام چیزوں سے اور خون بہانے سے منع کیا! اس نے ہمیں جھوٹ بولنے، برے کام کرنے، یتیم کا مال کھانے، پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے سے منع کیا، اس نے ہمیں صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانے کا حکم دیا،

اس نے ہمیں نماز، زکوۃ اور روزے کا حکم دیا چنانچہ ہم نے اس کی تصدیق کی، اس پر ایمان لائے اور اس کی پیروی کی پھر ہماری قوم نے ہم پر دست درازی کی، اذیت پہنچائی اور ہمیں ورغلایا تاکہ ہم مورتیوں کو پوجیں اور وہی گندی چیزیں کھائیں جو ہم پہلے کھاتے تھے مگر جب ان لوگوں نے ہمیں ظلم سے مغلوب کر لیا، ہمارے دین میں رکاوٹ ڈالی تو ہم آپ کے ملک میں آ گئے، آپ کو سب پر ترجیح دی اور آپ کے پڑوس میں رہنے کی رغبت ہوئی اور ہمیں امید تھی بادشاہ سلامت کہ آپ کے ہاں ہم پر کوئی ظلم نہ ہوگا!!"

عربی ادبیات میں ہجرت حبشہ کی بات مکمل نہیں ہوتی جب تک اس خط وکتابت یا مراسلت کا تذکرہ نہ کیا جائے جو رسول اللہ ﷺ اور اصحم بن ابجر نجاشی رضی اللہ عنہ شاہ حبشہ کے درمیان ہوئی، اس مراسلت کو مسک الختام کا درجہ دیتے ہوئے اسی پر بات ختم کرتے ہیں، یہ مراسلت ان دونوں ہستیوں کے درمیان تعلقات کو سمجھنے میں بھی بہت مدد دیتی ہے اس مراسلت پر تفصیلی گفتگو کا یہ موقع نہیں، البتہ نجاشی کی عقیدت ومحبت رسول اللہ ﷺ اور ان پر ایمان کی جھلکیاں یہاں بھی قابل توجہ ہیں، یوں لگتا ہے کہ حضور رسالت مآب ﷺ میں لکھے جانے والے یہ مکتوبات کسی بادشاہ کے نہیں بلکہ تواضع وانکسار میں ڈوبے ہوئے ایک عاشق زار کے جذبات قلبی کی ترجمانی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے سفیر باتدبیر حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کم سے کم تین یا چار مرتبہ بطور قاصد وسفیر نجاشی کے پاس پہنچے تھے مگر سب سے پہلا نامہ نبوی بظاہر حضرت جعفر طیار لے کر گئے تھے جس میں ارشاد فرمایا گیا تھا (24):

بسم اللہ الرحمن الرحیم، من محمد رسول اللہ إلی النجاشی الأصحم، سلام علیک فإنی أحمد إلیک اللہ الملک القدوس المؤمن المهيمن، و أشهد أن عيسیٰ ابن مريم روح اللہ و كلمته ألقاها إلی مريم البتول الطيبة الحصينة، فحملت بعيسیٰ فخلقه من روحه و

نفخه كما خلق آدم بيده و نفخه، و إني أدعوك إلى الله وحده لا شريك له و الموالاة على طاعته وأن تتبعني و تؤمن بي، و بالذي جاءني فاني رسول الله! وقد بعثت إليك ابن عمي جعفر بن أبي طالب و معه نفر من المسلمين فاذا جاءك فاقرهم، ودع التجبر، فاني أدعوك و جنودك إلى الله و قد بلغت و نصحت فاقبلوا نصيحتي، والسلام على من اتبع الهدى

"اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے، محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے نجاشی اصحم کی طرف، تجھ پر سلام ہو، میں تیرے سامنے اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتا ہوں، جو مالک ہے، پاک ہے، امان دینے والا ہے اور سب پر غالب ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ عیسیٰ بن مریم اللہ تعالیٰ کی روح ہیں، اس کا لفظ ہیں جو انہوں نے نیک، پاک اور پاک دامن مریم کے لئے بھیجا، چنانچہ وہ حاملہ ہوگئیں، پھر اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی روح سے پیدا کر دیا اور پھونک دیا جس طرح اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنے ہاتھ اور پھونک سے پیدا کیا تھا، میں تجھے اللہ وحدہ لاشریک کی طرف بلاتا ہوں اور اس کی اطاعت کی بنیاد پر دوستی کی دعوت دیتا ہوں، یہ کہ تو میری پیروی کر اور مجھ پر اور جو کچھ میں لے کر آیا ہوں اس پر ایمان لے آ، کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں!"

"میں نے اپنے چچا کے بیٹے جعفر بن ابی طالب اور اس کے ساتھ کچھ مسلمانوں کو تیرے پاس بھیجا ہے، جب وہ تیرے پاس آئیں تو ان کی مہمان نوازی کرنا، بڑا نہ بننا، میں تجھے اور تیرے لشکر کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں، میں نے بات پہنچا دی اور خیر خواہی کر دی، اس لئے میری نصیحت قبول کر، اور سلام ہو اس پر جو سیدھے رستہ کی پیروی کرے!"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس گرامی نامہ کے جواب میں نجاشی نے لکھا (۲۵):

إلى محمد رسول الله من النجاشي الأصحم ابن الأبجر، سلام عليك يا نبي الله من الله و رحمته و بركاته، لا إله إلا الذي هدانا إلى

الإسلام فقد بلغني كتابك يا رسول الله فيما ذكرت من أمر عيسى فورب السماء والأرض إن عيسى لم يزد على ما ذكرت، وقد عرفنا ما بعثت به إلينا وقد مرينا ابن عمك وأصحابه فأشهد أنك رسول الله صادق مصدّق، وقد تبعتك و بايعت ابن عمك و أسلمت على يديه لله رب العالمين وقد أرسلت بابني أريحا بن أصحم بن أبجر، فإني لا أملك إلا نفسي، وإن أمرتني أن آتي فعلت يا رسول الله، فإني أشهد أن ما تقول حق

''(حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں، نجاشی اصحم بن ابجر کی طرف سے، اے اللہ کے نبی! آپ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی، رحمت اور برکتیں ہوں! اس ذات کے سوا کوئی معبود نہیں جس نے مجھے سیدھی راہ دکھائی! یا رسول اللہ! آپ کا گرامی نامہ مجھے مل گیا ہے جس میں عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ کا ذکر فرمایا گیا ہے عیسیٰ علیہ السلام اس سے بڑھ کر کچھ بھی نہ تھے، جو کچھ آپ نے ہمارے پاس ارسال فرمایا ہے اس سے ہم آگاہ ہو گئے ہیں، آپ کے چچا کے فرزند اور ان کے ساتھی ہمارے پاس سے ہو گئے ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ بلا شبہ اللہ تعالیٰ کے سچے اور سچا مانے گئے رسول ہیں! میں آپ کا پیروکار بن چکا ہوں، میں نے آپ کے چچازاد کی بیعت بھی کر لی ہے اور ان کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ رب العالمین کے لئے اسلام قبول کر چکا ہوں! میں نے اپنے بیٹے اریحا بن اصحم بن ابجر کو آپ کی خدمت میں بھیج دیا ہے، میں تو صرف اپنی ذات کا مالک ہوں اگر آپ کا حکم ہو کہ میں حاضر ہو جاؤں تو میں تعمیل کروں گا یا رسول اللہ! میں تو گواہی دیتا ہوں کہ جو کچھ آپ کہتے ہیں وہ حق ہے!''

یہ خط کسی بادشاہ کا نہیں لگتا اور نہ حضرت نجاشی نے یہاں ملک یا بادشاہ کا لفظ اپنے لئے استعمال کیا ہے یوں لگتا ہے کہ ایک پرانا عقیدت مند و محب اپنی محبت کی تجدید کر رہا ہے، مختصر

سے خط میں کم سے کم پانچ جگہ رسالت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی ''گواہی'' دی گئی ہے اور کم سے کم تین مرتبہ یا رسول اللہ اور یا نبی اللہ کے الفاظ دہرائے گئے ہیں! غور وفکر کا مقام ہے کہ کیا اپنے چچازاد کے ساتھ صحابہ کرام بھیج دینے اور اسی کے ہاتھ یہ خط ارسال کر دینے سے ہی سلطنت حبشہ کے بادشاہ نجاشی کی فوری کایا پلٹ گئی تھی؟ یہ خط بھی اس نے عربی میں لکھا (اور مجھے اندازہ ہے کہ یہ عربی عبارات اصحم نجاشی کی اپنی ہیں) ایک مہاجر مسافر پناہ کے لئے آنے والے کے ہاتھ پر بیعت بھی کر لی اور اپنا لخت جگر خدمت کے لئے بھیج دینے کے ساتھ ساتھ خود بھی چل کر آنے اور حاضر خدمت ہو جانے کے لئے آمادگی ظاہر کر دی؟! یہ سب باتیں کسی گہرے پس منظر اور ماضی کے نیازمندانہ ومخلصانہ تعلقات کا پتہ دیتی ہیں، اور اس مختصر سی تحریر میں یہی پس منظر سامنے لانے اور ماضی کو دریافت کرنے کی ایک معمولی سی کوشش ہے!

عہدِ نبوی کے دو عشاقِ رسول: اویس ونجاشی

سیرتِ طیبہ، علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا ایک پہلو وہ عجائبات بھی ہیں جو ذاتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے زمین وآسمان بلکہ پوری کائنات میں بکھرے پڑے ہیں، ان میں سے بعض پر ہماری نظر پڑ سکی مگر اکثر پر ابھی کسی کی نظر ہی نہیں پڑی! ''عجائباتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم'' ایک ضخیم کتاب کا عنوان بننا چاہیے جو کئی مجلدات پر مشتمل ہو! انہی عجائبات میں سے عہدِ نبوی کے وہ دو عشاقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں جن کا ابھی ہم ذکر کرنے والے ہیں یعنی سیدنا اویس قرنی اور سیدنا اصحم نجاشی رضی اللہ عنہما۔

تاریخ انسانی کے بہت سے عجائبات اور حیرت میں ڈال دینے والے واقعات بلکہ لاجواب کر دینے والے سوالات میں سے تکمیلِ آرزو سے محرومی اور ناکامی کے انوکھے حادثات بھی ہیں، مثلاً ہم لاکھ چاہیں، کروڑ دعائیں مانگیں کھربوں بار تمنا کریں کہ فلاں اللہ کا نیک بندہ اپنی منزلِ مراد پانے سے محروم نہ رہے مگر کوئی نہ کوئی ایسی بے بسی اور بے کسی اس کی راہ میں حائل ہو کر رکاوٹ بن جاتی ہے اور ہم حیرت میں ڈوب جاتے ہیں یا نادانی کے آنسو بہانے بیٹھ جاتے ہیں مگر یہ نہیں سمجھ پاتے کہ یہ دراصل نظامِ قدرت کے سامنے عزیمتِ انسانی کی شکست کی کہانی ہے! سعیِ انسانی ایسے ہی تو مصلحتِ ربانی کے سامنے سربسجود ہوتی ہے! اسے ناکامی ماننا بھی قرین قیاس نہیں کیونکہ ہم بھی تو کہتے ہیں نا کہ السعی منی والاتمام من اللہ (میرا کام تو کوشش کرنا ہے، تکمیل تو اللہ جل جلالہ کے دستِ قدرت میں ہے) علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا فرمانا تو یہ ہے کہ عزائم ناکام ہونے اور ارادے ٹوٹ جانے سے میں نے اپنے رب کو پہچانا (۱)! گویا ناکامی دراصل بندے اور رب کی پہچان کرواتی ہے! اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کا اپنے عزائم میں بظاہر ناکام ہونا دراصل ان کی کوئی بڑی کامیابی ہوتی ہے جسے صرف وہی ذاتِ حق ہی جانتی ہے! ہم اندھے ہیں، اندھیرے میں ہیں! روشنی ہوگی تو دیکھ سکیں گے اور جان سکیں گے!

عہد نبوی کے ان دو عشاق رسول کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی ہے یہ دونوں ایمان سے تو بہرہ ور ہیں، زمانہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، رستے اور وسائل بھی ہیں، دیدار کی تڑپ بھی ہے، یمن سے حجاز بھاگتے بھاگتے جانا کھیل کی بات ہے (اور حضرت اویس تو گئے ہیں اور آئے بھی ہیں، بالکل ایک دیوانے عاشق کی طرح بھاگتے ہوئے! (۲) اور نجاشی تو شہنشاہ ہے حجاز کے لیے دس بحری بیڑے تیار کرواسکتا ہے مگر اپنے تینوں لختِ جگر حضرت ابو نیزر سمیت اپنی خوشی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا ہونے اور آلِ بیت کی خدمت کرنے کے لیے تو بھیج دیتا ہے مگر خود حاضر مدینہ ہونے کی آرزو دل ہی میں تڑپ رہی ہے پھر ایک دن رسول صادق و امین صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو حکم دیتے ہیں کہ چلو اپنے صالح بھائی کی نماز جنازہ پڑھتے ہیں (۳)! اویس ہے تو وہ بھی اپنی ماں کی خدمت اور اس کے حکم کا پابند ہے! الغرض یہ دونوں ''اویس ونجاشی'' دیدار نبوی سے محروم رہتے ہیں! عقل کہتی ہے ناکام اور محروم رہ گئے مگر دل کہتا ہے دونوں اپنی مراد پا گئے! دونوں کی آرزوئے دیدار انہیں غیر فانی بنا گئی جو قیامت تک دلوں کو تڑپاتی رہے گی اور وہ عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں مست رہیں گے اگر دیدار میں کامیاب ہو جاتے تو پھر انہیں کون پوچھتا! ایک لاکھ چوبیس ہزار کی جماعت صحابہ میں سے شمار ہو جاتے اور بس! پھر انہیں عہد نبوی کے دو عشاقِ رسول کون کہتا؟ پھر وہ صحابہ کے عجائبات مصطفیٰ میں کہاں شمار ہو پاتے!! تو اب کون کامیاب رہا اور کیوں نہیں؟!

حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق یمن سے ہے جو سرزمینِ حجاز کے جوار میں ہے، حریت و مساوات اور صدق و امانت کے علمبردار رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ حق میں بے کس، پسے ہوئے اور فقر و احتیاج سے نجات پا کر عزت و آزادی کی زندگی کے ہر آرزومند انسان کے لیے بڑی کشش ہے، یہی باتیں تو معلوم کر کے حضرت اویس قرنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گرویدہ ہو گئے تھے اور غائبانہ ایمان کی دولت کے ساتھ ساتھ عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی دولت سے بھی سرفراز ہوئے، یمن کے لوگوں کے لیے مکہ، مدینہ اور حجاز کے کسی علاقے میں آنا جانا کوئی مسئلہ نہ تھا مگر معذور اور مریض والدہ کی خدمت و عیادت کے باعث حضرت

اویس کے لیے زیارت وصحبت سے سرفراز ہونے کی کوئی صورت نہ بن پائی تھی (۴) مگر یہی دوری اور یہی مجبوری ان کے لیے سوزِ عشق اور محبت وعقیدت میں پختگی اور شدت کا سبب بھی بن گئی! حضرت اویس کے عشق مصطفوی نے اس سچائی کا امتحان پاس کرلیا اور وہ حبِّ رسول ﷺ کی بلندیوں پر پہنچ گئے جب انہیں معلوم ہوا کہ غزوۂ احد میں دشمنانِ اسلام نے آپ کو زخمی کردیا ہے اور آپ ﷺ کا ایک دانت مبارک شہید ہوگیا ہے، اویس نے غمِ عشق میں اپنے سب دانت توڑ ڈالے (۵)! اس خبر سے اہلِ مدینہ کے دل ہل گئے اور رسول اللہ ﷺ نے بھی ان کی عقیدت ومحبت کی ستائش فرمائی اور دعا دی!

حضرت اصحم نجاشی کا تعلق بلالی دنیا یعنی براعظم افریقہ کی سرزمینِ حبشہ سے ہے وہ وقت کے نجاشی بادشاہ کے اکلوتے شہزادے تھے، سنگدل چچا نے والد کو قتل کرواکر تاج وتخت چھین لیا اور نوجوان بھتیجے کو غلاموں کی منڈی میں فروخت کروادیا، پھر وہ غلامی سے نجات پاکر اپنے والد کے تخت وتاج کے مالک بھی بنادیئے گئے (۶)! ایسے میں جب مہاجرینِ حبشہ کی آمد سے عمومی دعوت اسلام کا انہیں علم ہوا اور یقین ہوگیا کہ حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ ہی وہ نبی منتظر ہیں جن کی سیدنا مسیح علیہ السلام نے بشارت دی تھی تو فوراً ایمان لے آئے اور اطاعت وعقیدت کا اعلان کردیا اور یہ خواہش بھی ظاہر کردی کہ اگر موقع نصیب ہو تو نبی پاک ﷺ کے نعلین پاک سر آنکھوں پر لگائیں گے (۷)!

یہ عہدِ نبوی کے ان دو عشاق رسول کے مختصر سے سراپے ہیں دونوں ایمان واسلام کی دولت سے سرفراز تھے رسول اللہ ﷺ کی محبت وعقیدت سے دونوں کے دل لبریز تھے، مگر دربارِ رسالت میں شرف پانے سے عاجز تھے، رسول اللہ ﷺ پر بھی ان کے احوال ومقامات مخفی نہ تھے بلکہ زبانِ رسالت ﷺ نے بھی دونوں عشاقِ صدق وصفا کی تحسین وقدردانی کے ساتھ ساتھ ان کی معذوری اور مجبوری کو مقبول ومعتبر قرار دیا! شاید ان دونوں کا مقدر عشق مصطفوی کا اعلیٰ ترین مرتبہ پانا اور پھر تاقیامت اسی عقیدت ومحبت کی سوزشِ خوشگوار اور آتشِ طربناک کے مزے لوٹتے رہنا تھا تاکہ "عجائباتِ مصطفوی" کا سرعنوان

بھی بن سکیں!

حضرت اویس قرنی نے اپنی ماں کی خدمت و تیمارداری سے کچھ لمحات چرا کر دیدار مصطفوی کے لیے ایک کوشش بھی فرمائی تھی مگر یہ کوشش بھی ایک آرزو ہی رہی جو حسرت طربناک میں ڈھل گئی، یمن سے پیدل دوڑتے ہوئے مدینہ منورہ میں دیار محبوب کو تو دیکھ لیا مگر چونکہ رسول اللہ ﷺ کسی غزواتی مہم پر تھے اس لیے زیارت کے بغیر ہی انہی قدموں پر دوڑتے ہوئے واپس ماں کے قدموں میں پہنچنے پر مجبور ہو گئے (۸)! وہ اسلامی تصوف میں راضی برضائے خداوندی اور خدمتِ مادری کی علامت ہیں، ان کے متعلق رسالت مآب ﷺ نے اپنے کبار صحابہ کرام کو ان کی آمد کی خوشخبری دی تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کا عبدِ صالح آئے گا، تم نے ان کو احترام و محبت سے نوازنا ہے اور یاد رکھنا اویس مستجاب الدعوات ہے، اس سے اپنے لیے دعا کروانا مت بھولنا، زبانِ رسالت سے نکلے ہوئے یہ تمام الفاظ عہد فاروقی میں حج کے موقع پر میدانِ عرفات میں حقیقت بن کر سامنے آگئے (۹)!

حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ سرزمینِ حبشہ کے بادشاہ تھے، شہزادگی میں ان کے والد قتل کر دیئے گئے اور ظالم چچا نے تاج و تخت پر قبضہ کر لیا تھا، پھر انہیں ایک عرب تاجر کے ہاتھ بطور غلام فروخت کر دیا تھا (۱۰)، حالات گواہی دیتے ہیں کہ حجاز کے بلاد بنو ضمرہ میں قیام کے دوران ہی میں وہ عرب کے صادق و امین ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے ہوں گے اور رسول عربی کے مکارمِ اخلاق و محاسن اعمال نے شہزادہ کو اپنا گرویدہ بنا لیا ہوگا، راز و نیاز کی باتیں بھی ہوئی ہوں گی، اسی لیے تو بھرے دربار میں اپنے پادریوں کے نخرے پھولنے کی پروانہ کرتے ہوئے نجاشی نے دعوت اسلام کو لبیک کہہ دیا تھا اور کلام ربانی کو تورات و انجیل کے چراغ ہی کی روشنی قرار دیا تھا (۱۱)! اور اس عقیدت و محبت سے رسول اللہ ﷺ بھی آگاہ اور باخبر تھے، آپ نجاشی کے مخلصانہ ایمان و عشق کی بے انتہا قدر کرتے تھے! نجاشی نے یہ بات بھی علی الاعلان برسر دربار کہہ دی تھی کہ اگر میرے بس میں ہوتو میں ابھی چل کر قدموں کو چوموں اور آپ کے نعلین مبارک سر آنکھوں پر رکھوں (۱۲)!

گویا مصلحتِ عدل اور تحفظِ مہاجرین کے باعث سلطنت کے چنگل سے آزادی مشکل نظر آئی تو یکے بعد دیگرے اپنے فرزند نبی اور آل نبی ﷺ کی خدمت کے لیے قربان کر دیے، یمن کا عاشقِ درویش اویس تو یمن سے دوڑتے ہوئے گیا اور واپس بھی آ گیا تھا مگر نجاشی کے پاؤں میں تو سلطنت کی زنجیر کے علاوہ راہ میں بحیرہ احمر بھی حائل تھا لیکن مقام بدر کے آس پاس بلاد بنو قصرہ میں بکریاں اور اونٹ چرانے والے (۱۳) دانا و بینا غلام شہزادے کے لیے مکہ مکرمہ دوڑ کر جانے، وہاں کے حبشیوں سے ملنے اور پھر دوڑتے ہوئے لوٹ آنے میں اویس کے مدینہ آنے جانے سے بظاہر زیادہ آسانی تھی بہر حال یہ دونوں عشاق اپنے محبوب مصطفیٰ ﷺ کو ایک نظر دیکھ لینے سے بظاہر محروم رہے! تاہم یہ دونوں ہستیاں عہد نبوی کے عشاق مصطفیٰ ﷺ میں تو سرِ فہرست ہیں ہی، اس کے علاوہ یہ دوگوں کئی ایک اہلِ علم و دانش کے نزدیک ایک لحاظ سے صحابیِ رسول ہونے کا شرف بھی رکھتے ہیں (۱۴)، ان دونوں سعادتمندوں کے نام بھی زبانِ مصطفوی پر رواں رہے، ان کی قدر بھی ہوتی تھی اور ان کے لیے سینۂ مصطفیٰ ﷺ میں بے حد شفقت و ترحم اور محبت و ہمدردی کے جذبات بھی موجزن رہے اور یہی سب سے بڑا شرف ہے!

لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ بعد کے زمانوں میں اہلِ اسلام نے جو محبت و عقیدت اور اہمیت حضرت اویس کو دی ہے (اور جس کے بلا شبہ وہ اہل و حقدار ہیں) اتنی اہمیت و محبت حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ کو عطا نہیں ہوئی (شاید اس لیے کہ بادشاہ مرنے کے بعد کسی نفع و ضرر کا بھی مالک نہیں رہتا؟!) مگر میں اسے بے بصیرت اور بے نور تاریخ انسانی کی کوتاہی و بے اعتنائی کے کھاتے میں ڈالتا ہوں تاہم اب تلافیٔ مافات کا وقت ہے، آج کے مسلم مؤرخ و سیرت نگار کا فرض ہے کہ ہجرت حبشہ کے نشیب و فراز کو اجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ کو بھی اہتمام اور توجہ سے محروم نہ رکھے! یورپ کے عیسائی محققین و مصنفین اور صیہونیت زدہ مستشرقین نے تو حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ کو از راہ نفرت و حقارت کوئی خاص اہمیت نہیں دی اور نہ انہوں نے دینا تھی مگر قدیم و جدید زمانوں کے مسلمان اہل علم و دانش نے بھی

انہیں ان کے شایان شان اہمیت نہیں دی، جس طرح سیرت طیبہ کا باب ہجرت حبشہ ابھی تک تشنہ، تحقیق ہے اسی طرح نجاشی کی شخصیت، سیرت و کردار، خدمت اسلام و اہل اسلام کے علاوہ اس کی حب و عقیدت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابواب بھی تحقیق طلب اور کسی محقق کی محنت و اہتمام کے منتظر ہیں، ہجرت حبشہ اور حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ کے متعلق تحقیق سے سیرت طیبہ کے کئی ایک پوشیدہ پہلو اور گمنام گوشے سامنے آسکتے ہیں، جس کی آج ہمیں اشد ضرورت ہے! برا ہو یہودی حسد اور بغض کا جس نے انہیں مسلمانوں کا حسن سلوک، انصاف اور یہودیوں کی سرپرستی کو تو بالکل بھلا دیا ہے مگر وہ ایک ہی آگ میں جلے بھنے جا رہے ہیں کہ نبی منتظر (صلی اللہ علیہ وسلم) بنی اسرائیل کے بجائے بنو اسماعیل میں کیوں اور کیسے پیدا ہو گئے؟ اس لئے صیہونیت زدہ صلیبیت اور استعمار کے مخمصہ میں مبتلا سفید مغرب کی مسیحی دنیا نے بھی اسلام، رسول اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل اسلام کے خلاف ایک زہریلا طوفان حقارت برپا کر رکھا ہے اس لئے ہجرت حبشہ، شاہ حبشہ اور اہل حبشہ کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بطور شکر گزاری ہمدردانہ رویہ اور صلح و امن کی پالیسی اختیار کئے رکھنے کے جو احکام صادر ہوئے ہیں (۱۵) (اور جن پر ڈیڑھ ہزار سال سے مسلمان عمل پیرا بھی ہیں) ان کی تحقیق اور ان کے پس منظر میں مسیحی مغرب سے مکالمہ شروع کر کے ہم عالمی امن کی راہیں بھی تلاش کر سکتے ہیں!

حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ اگر ایک سلسلہ طریقت کا سرعنوان ہیں اور مکہ مکرمہ کے دار ارقم اور مدینہ منورہ میں صفہ مسجد نبوی کی نبوی تربیت و کردار سازی کی علامت بن چکے ہیں تو حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ کو یہ شرف و امتیاز حاصل ہے کہ وہ دنیا کے پہلے مسلمان بادشاہ ہیں بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ وہ ایک ایسے خوش نصیب بادشاہ ہیں جو تخت و تاج کے کروفر کے عالم میں دعوت اسلام ملنے پر سر تسلیم خم کر گئے! انہیں اپنے درباری سرداروں اور پادریوں کی بھی پروا نہ تھی کہ نبی منتظر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق پر ان کا کیا رد عمل ہوگا (۱۶) پھر نہ صرف وہ خود بلکہ ان کا تمام گھرانہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل پاک کا دیوانہ اور

فدائی بن گیا!

اولیت جو کسی کار خیر اور مہتم بالشان کام میں حاصل ہوتی ہے، کہیں بھی ہو، کبھی بھی ہو، ہمیشہ خوش نصیبی اور فخر و مباہات کا سرچشمہ سمجھی گئی ہے اور ہے بھی! قبول اسلام اور دولت ایمان سے سرفرازی سے بڑھ کر کسی اور کار خیر کی اولیت کیا ہو گی؟! تخت شاہی پر بیٹھے ہوئے، سر پر تاج شاہی سجائے ہوئے اور درباریوں کے کسی بھی ردعمل کی پروانہ کرتے ہوئے دعوت حق قبول کرنا، نامہ نبوی کو سر آنکھوں پر لگانا، نعلین برداری کے لئے بھی تیار ہونا اور حاضر ہو کر قدم بوسی کی بھی آرزو کرنا کسی سعادت مند تاجور کے علاوہ کسی اور کا مقدر نہیں ہو سکتا! اولیت کا یہ تاج اس تخت و تاج سے کہیں بہتر و افضل ہے جس پر اس وقت حضرت نجاشی شاداں و فرحاں تھے جب حضرت جعفر طیار کی عربی میں تقریر سن رہے تھے اور پھر ان سے سورۂ مریم کی تلاوت سے محظوظ ہو رہے تھے (۱۷) یا جب دعوت اسلام کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک پڑھ کر اسے سر آنکھوں پر لگا رہے تھے اور اپنی اطاعت کا بھی اعلان فرما رہے تھے! وہ تخت و تاج تو اب قصہ ماضی بن چکا اور اب وہ صرف ان یادوں کے طفیل زندہ رہے گا جو قبول اسلام، اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان اور آپ سے محبت و عقیدت کے برملا اظہار سے وابستہ ہو گئی ہیں اس باب میں اولیت کا جو تاج نجاشی کے سر سجا ہے وہ ہمیشہ زندہ و پائندہ رہے گا اور یہ تاج ان سے کوئی بھی چھین نہیں سکے گا! موت بھی نہیں بلکہ حاسد زمانہ بھی نہیں چھین سکتا! دعوت اسلام قبول کرنے کی اولیت کا شرف کوئی ہمارے بزرگوں سے چھین سکا؟! اماں خدیجہ رضی اللہ عنہا خواتین میں، علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کم سن جوانوں میں اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ عمر رسیدہ سرداران قریش میں قبول اسلام میں اولیت کا جو شرف پا گئے وہ ان کا اپنا حق ہے اور ہمیشہ ان کا ہی رہے گا!

یہی حال اس عاشق رسول اور صحابی بے مثال کی اولیت کا بھی ہے جو ان کا مقدر تھا! تاہم یہ ضرور ہوا ہے کہ حضرت نجاشی کی اس اولیت کا چرچا نہیں ہو سکا! یہ بھی، بقول مصری سکالر طٰہٰ حسین، تاریخ کی متکبرانہ روش (Aristocratic attitude) کا شاخسانہ ہے

جو اپنی مرضی کا ریکارڈ تو محفوظ کرتی ہے مگر چھوٹوں کو نظر انداز کرتی ہے اور بڑوں کو اپنے دامن میں جگہ دیتی ہے (۱۸)، اگر یہ بات نہ ہوتی تو تاریخ ''بلالی دنیا'' کے ایک خوش خو، متواضع مگر خوش نصیب بادشاہ کے ساتھ یہ سلوک نہ کرتی! ورنہ جس شاہ عادل نے مسلم مہاجرین کے پہلے قافلے کو پناہ دی، عدل و سلامتی کے ماحول میں ان کی مہمان نوازی کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح خواں اور اپنی طرف سے ولیمہ کرنے والے کا فریضہ انجام دینے کا شرف پایا (۱۹)، تاج و تخت کی پروا نہ کرتے ہوئے بھی رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی برسر دربار و تخت شاہی تصدیق فرمائی اور دولت ایمان سے نوازے گئے، آپ کی خدمت کے لئے اپنی جگہ اپنا ایک لخت جگر روانہ کیا مگر وہ راستہ میں ہی سمندر میں ڈوب گیا تو دوسرا بیٹا بھی بھیج دیا جس نے ایک مدت تک اہل بیت کی خدمت کو اپنے باپ کے تخت و تاج پر ترجیح دی (۲۰) اور سب سے بڑھ کر یہ کہ شکر گزاری کے طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کے ہاں سے آنے والے حبشی وفد کی خدمت کو اپنا ذاتی فرض سمجھتے ہوئے خدمت کی اور صحابہ کرام کو خدمت کا موقع دینا بھی مناسب نہ سمجھا (۲۱) جب نجاشی فوت ہوئے تو ان کے لئے دعائے مغفرت کا حکم فرمایا اور ان کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھا کر امت کے لئے اپنی ایک قابل تقلید سنت قائم فرما دی (۲۲)! اگر ہمارے مورخ اور تذکرہ نگار اس عظیم و جلیل ہستی کو نظر انداز کرتے ہوئے اور ان کے دنیا کا اولین مسلمان بادشاہ ہونے کا اعلان و اعتراف نہیں کرتے تو پھر ایسی تاریخ کو متکبر بلکہ نخرہ پرور نہ کہیں تو اور کیا کریں! خدا جانے اس تاریخ نے کیا کیا سچائیاں چھپا رکھی ہیں یا یوں کہہ لیجئے کہ انسانیت سے کیا کیا سچائیاں چھپائی گئیں اور ان کی جگہ کیا کیا جھوٹ اچھالے گئے جو آج سچ ہونے کا دھوکا دے رہے ہیں مگر اس سے کچھ حاصل نہیں ہوتا، کتنی ہی قابل فخر ''اولیات'' ہیں جن پر آج کے محقق کی نظر بھی نہیں پڑ رہی مگر سچ کبھی مر نہیں سکتا اور حقیقت کبھی چھپ نہیں سکتی! بلالی دنیا کے اس خوش خو خوش نصیب شہزادے کے شرف اولیت کو بھی دنیا کو ماننا ہی پڑے گا!

رسالت و نبوت مصطفوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا آفتاب عالمتاب جب طلوع ہوا

اور دنیا نے غار حرا سے پھوٹنے والی کرنوں کی چمک دمک کو دیکھ لیا اور یہ دعوت حق بن کر دنیا کے گوشے گوشے میں پھیلنے لگیں تو اس وقت کی معلوم دنیا کے بادشاہوں تک اس دعوت کو پہنچانے کا مرحلہ بھی آ گیا تھا چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نامہ بر اور سفراء خطوط لے کر مختلف سمتوں میں روانہ ہو گئے، اس وقت دنیا میں اثر و رسوخ رکھنے والی صرف چار سلطنتیں باقی تھیں، باقی یا تو قصہء ماضی بن چکی تھیں یا سمٹ سمٹا کر چھوٹی بے اثر و بے نوا ریاستوں کی شکل میں زمین کے مختلف گوشوں میں گمنامی کی سزا بھگت رہی تھیں، چار بڑی یا اثر اور بانوا سلطنتیں تھیں: روم و ایران اور مصر و حبشہ، ان میں سے تین عیسائیت کا دم بھرتی تھیں، صرف ایک سلطنت ایسی تھی جہاں آگ کی پوجا ہوتی تھی اور وہ تھی پرشیا، فارس یا ایران! پارسی لوگ دو خداؤں کے قائل تھے، ایک نیکی کا خدا یزداں اور دوسرا بدی کا خدا اہرمن! یوں گویا پارسی ثنویت پر ایمان رکھتے تھے اور آتش پرستی ان کی عبادت تھی، تاہم پارس یا ایران اس وقت دنیا کی دوسری بڑی طاقت شمار ہوتی تھی، مصر مکمل طور پر آزاد سلطنت نہیں تھی بلکہ رومنوں کے تحت ایک باجگذار ریاست سمجھی جاتی تھی اور مقوقس مصر کی حیثیت ایک مذہبی پیشوا کی سی تھی جو رومن شہنشاہ کا اطاعت گزار ہوتا تھا، حبشہ ایک خود مختار اور آزاد مملکت سمجھی جاتی تھی لیکن یہ بھی رومن شہنشاہ کے اشارے اور سہارے کی محتاج تھی، رومنوں کے کہنے پر ہی سلاطین حبشہ نے سرزمین عرب میں ملک یمن پر قبضہ کر لیا تھا اور حبشہ کے ہی ایک نائب سلطنت یا وائسرائے ابرہہ نے مکہ مکرمہ میں بیت اللہ کو گرا کر اس کی جگہ صنعاء میں اپنے بنائے ہوئے قلس (یا کلیسا) کو عرب کا قبلہ بنانے اور حجاز و یمن سمیت تمام بلاد عرب کو عیسائیت کے رنگ میں رنگ کر روم و حبشہ کے ماتحت نو آبادی بنانے کی کوشش کی تھی، ابرہہ نے مکہ پر چڑھائی کی مگر رستہ میں ہی اپنے لشکر سمیت نابود و برباد ہو گیا، قرآن کریم کی سورت الفیل میں اسی کا تذکرہ ہے (۲۳)

لیکن جلد ہی ایران کے خسرو پرویز نے حالات کا رخ بدل دیا، یہ دراصل روم و ایران کے درمیان طویل عالمی جنگ کے ایک نئے رخ کی بات ہے جو بیس سال تک جاری

رہی، اس جنگ نے بحر و بر میں وہ فساد برپا کیا جس نے خشک و تر میں انسانوں اور جانوروں کے لئے کچھ بھی نہ چھوڑا تھا، قرآن کریم کی سورت الروم (۲۴) میں اسی جنگ کے متعلق بعض اشارات ملتے ہیں، جو معجزات قرآن میں سے بھی ہیں، بعثت نبوی کے وقت روم و ایران کی یہ جنگ جاری تھی جس میں کبھی رومنوں کا پلڑا بھاری ہوتا تھا اور کبھی ایرانی حالات کا رخ بدل دیتے تھے، بہرحال ایرانیوں نے یمن پر قبضہ کر کے اہل حبشہ کو وہاں سے بے دخل کر دیا تھا اور پھر قرآن کریم کی پیشین گوئی کے عین مطابق شکست سے نڈھال رومیوں کے دوبارہ فیصلہ کن فتح حاصل کرنے تک اور معرکہ بدر میں اہل ایمان کی تاریخ ساز فتح تک یمن ایرانیوں کے قبضہ میں ہی رہا یمن کا آخری ایرانی گورنر باذان مسلمان ہو گیا تھا اور یوں تاریخ نے ایک نئی کروٹ لی تھی (۲۵)! ظہور اسلام کے وقت اصل طاقتیں بلکہ اس وقت کی سپر طاقتیں دو ہی تھیں، رومن امپائر اور پرشین امپائر جن کے درمیان طویل جنگ نے خشکی اور تری میں کئی سال تک فساد پھیلائے رکھا تھا اور خلق خدا کے لئے زندگی اجیرن بنا دی گئی تھی، مگر اس وقت اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا تھا کہ آئندہ چل کر ان دونوں استعماری و سامراجی طاقتوں کے ظلم و جور سے ریاست مدینہ کے بانی بوریا نشین رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ جاں نثار اس فساد زدہ دنیا کو نجات دلانے والے ہیں اور جس کی بشارت رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام مکہ مکرمہ کے دوران ہی اپنے جاں نثار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دے دی تھی (۲۶)!

رسول اولین و آخرین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کے حکم سے دعوت حق کا آغاز اپنے گھرانے اور خانوادہ سے کیا تھا، پھر حکم ربانی آیا کہ اب وادیٔ بطحا کی بستی ام القری یا مکہ مکرمہ اور اس کے گرد و پیش کے لوگوں کو خوف خدا کا احساس دلا کر شرک و بت پرستی چھوڑنے، توحید اور وحدت نسل انسانی (یعنی مساوات و احترام آدمیت) کی دعوت دیجئے، پھر ابھی اسلام و اہل اسلام نے مکہ مکرمہ سے ہجرت نہیں کی تھی کہ مکی سورت اعراف (۲۷) میں اس اعلان کا حکم ربانی بھی آ گیا کہ اب آپ اپنے منصب رسالت کی عالمیت اور رسول

ہر دو جہاں ہونے سے دنیائے انسانیت کو آگاہ کر دیجئے، دراصل یہ "رحمۃ للعالمین" اور میثاق ازل کے مطابق تخلیق کے لحاظ سے سب سے پہلے مگر بعثت وظہور کے اعتبار سے سب سے آخری نبی و رسول ہونے کا اعلان تھا (۲۸)! مکی سورت اعراف کی یہی آیت کریمہ اسلام کے عمومی اور عالمی پیغام حق ہونے کی اولین اور بنیادی دلیل ہے لیکن اس عمومیت و عالمیت پر عملی اور تاریخی دلیل وہ خطوط ومکتوبات بھی ہیں جو صلح حدیبیہ کے بعد اس وقت دنیا کے تمام چھوٹے بڑے حکمرانوں کے نام لکھے گئے اور انھیں دعوت حق پہنچادی گئی کہ اَسلِمْ تَسلَمْ (یعنی پیغام حق کے سامنے سرنگوں ہو جاؤ، تمہاری سلامتی اور خیر اسی میں ہے)!

یہ دعوت حق خسرو پرویز کے پاس بھی پہنچی مگر وہ سفیر مصطفوی کی جرئت وحق گوئی سے بوکھلا گیا اور جنون وغرور میں مکتوب نبوی چاک کر دیا اور بزعم خویش اپنی مطلق العنانی کا اظہار کرتے ہوئے اپنے یمنی گورنر کو حکم بھیجا کہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ گرفتار کر کے حاضر کیا جائے مگر اس متکبرانہ بڑبڑاہٹ کے حقیقت بننے سے پہلے ہی پرویزی سلطنت کا دامن تار تار ہو گیا، وہ خود اپنے بیٹے کے ہاتھوں قتل ہو گیا اور اس کا یمنی گورنر کسی کو گرفتار کرنے کی بجائے رسالت ونبوت مصطفوی علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کے سامنے خود ہی سرنگوں ہو کر خدمت بجالانے پر مجبور ہو چکا تھا (۲۹)!

روم کا شہنشاہ ہرقل، جس کی خسرو پرویز کے ہاتھوں بظاہر اٹل شکست کے فیصلہ کن فتح میں بدل جانے کی تاریخی اور عظیم الشان بشارت قرآن کریم دے چکا تھا، مکتوب نبوی سننے، سمجھنے اور ابو سفیان سے حقیقت احوال معلوم ہونے کے بعد اس رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم کو مان لینے کے لئے بظاہر آمادہ تو ہو گیا تھا جس نے خسرو پرویز کی متکبرانہ فتح کے ہاتھوں ذلت آمیز شکست میں بدل جانے اور دل شکستہ ہرقل کے دوبارہ فتح مند ہونے کی پیشین گوئی کر دی تھی جس کے سچا ہونے کو اس وقت کے عرب وعجم اور روم وایران کی دنیا دیکھ اور مان چکی تھی مگر اپنے درباریوں اور پادریوں کے غیظ وغضب سے ڈر کر وہ دولت ایمان سے محروم ہی رہ گیا تھا! مصر کے حکمران مقوقس نے بھی حق شناسی واعتراف کے طور پر خدمت نبوی

میں قابل قدر اور نہایت قیمتی تحائف بھیج کر اپنی عقیدت کا اظہار تو کر دیا تھا مگر دولت ایمان کے اعلان سے وہ بھی عاجز و محروم ہی رہ گیا!

لیکن یہ حبشہ (ایتھوپیا) کا بادشاہ اصحم بن ابجر نجاشی ہی تھا جس کے مقدر میں دنیا کا پہلا مسلمان بادشاہ ہونا ازل سے لکھا جا چکا تھا! یہ تاجور اپنے تخت اقتدار پر رونق افروز تھا۔ اس نے بر سر دربار مکتوب نبوی کو چوما۔ سر آنکھوں پر لگایا اور اپنے غراتے بل کھاتے درباری پادریوں کی کوئی پرواہ نہ کرتے ہوئے حق کے سامنے سرنگوں ہو گیا اور اپنے تخت و تاج کے لئے آئندہ خطرات کو پر کاہ کے برابر بھی نہ سمجھا! یہی وہ حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ ہیں جن کی وفات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ آج حبشہ میں تمہارا ایک بھائی فوت ہو گیا ہے! اٹھو ان کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں اور پھر جنازہ گاہ میں تشریف لے گئے اور نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھائی اور یوں اس وقت کے معاصر حکمرانوں یا یوں کہہ لیجئے کہ اس وقت کی چار سپر طاقتوں میں سے صرف حضرت اصحم بن ابجر نجاشی رضی اللہ عنہ داخلی فتنوں اور خارجی مخالفتوں کے باوجود اور اسلام کے ابتدائی دور میں ہی دولت ایمان سے سرفراز ہو گئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی دل سے تصدیق کی اور زبان سے علی الاعلان قبول اسلام کا شرف حاصل کر لیا تھا، اہل علم کے نزدیک وہ ایک لحاظ سے تابعی اور ایک لحاظ سے صحابی قرار پا گئے ہیں بلکہ انہیں تو ''ایک شدید ترین مخالف اسلام'' حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو دعوت اسلام دینے اور پھر اپنے ہاتھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ان سے بیعت لینے کا اعزاز و شرف بھی حاصل ہو گیا ہے، اس منفرد شرف اور اعزاز میں کوئی انسان بھی حضرت نجاشی کا شریک و مثیل نہیں ہے یعنی ایک ایسے انسان کو قبول اسلام کی دعوت و رغبت دلائی اور بیعت اسلام سے مشرف کیا جو بعد میں ایک مشہور اور معروف صحابی رسول اور فاتح و حاکم بھی بن گئے (۳۰)!

رسولِ اولین و آخرین خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے ''بلالی دنیا'' پر اپنی شفقت و محبت، نظرِ کرم اور مراتب عزت و احترام کا تعین فرمایا تھا، امام ابن الجوزی نے اپنی انوکھی، نادر اور

ممتاز تصنیف ''تنویر الغبش فی فضل السودان والحبش'' میں اسے محفوظ کر دیا ہے، ارشاد نبوی یوں ہے کہ ''سادۃ السودان أربعۃ: لقمان ومُهجَع وبلال والنجاشي'' یعنی بلالی دنیا کے سردار چار ہیں: حضرت لقمان (علیہ السلام) حضرت مجع (حضرت فاروق اعظم کے آزاد کردہ غلام)، حضرت بلال اور حضرت نجاشی رضی اللہ عنہم!'' (۳۱)

ایسے بادشاہوں سے تو اسلام کی تاریخ بھری پڑی ہے اور یہ آج بھی پائے ہی جاتے ہیں جو مسلمان ہونے یا یوں کہہ لیجئے کہ اہل اسلام میں سے ہونے کی بدولت تخت وتاج کے مالک بنتے رہے ہیں مگر تخت شاہی پر رونق افروز ہوتے ہوئے اور قوت واقتدار پر متمکن ہونے کے ساتھ دعوت اسلام ملنے پر دولت ایمان سے نوازا جانا، دل وجان سے اس دعوت حق کو قبول کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عاشق وفدائی ہونے کی سبقت واولیت حاصل کرنا پرانے حبشہ اور آج کے ایتھوپیا کے تاجور حضرت نجاشی کو ہی نصیب ہوا!

حضرت نجاشی اور اسلام کی اشاعت وتقویت

رسول اکرم ﷺ کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور امت کے لئے یہ تاکیدی ارشاد ہے کہ بَلِّغُوا عَنِّيْ وَلَوْ آيَةً (میرا پیغام حق دوسروں تک پہنچاتے رہو خواہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو)، معلوم ہوتا ہے کہ سرزمین عرب میں قیام کے دوران میں ام القری اور آس پاس کے علاقوں میں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرف سے اشاعت و تبلیغ اسلام کی کوششوں سے بھی ذہین وفطین غلام شہزادہ نجاشی اچھی طرح آگاہ ہوگیا تھا چنانچہ حبشہ پر اپنے دور حکمرانی میں نجاشی رضی اللہ عنہ اس کار خیر میں بھی حصہ لیتے ہوئے نظر آتے ہیں، یہ بات بڑی تعجب انگیز تو ہے مگر قابل تحسین بھی ہے، ان کی طرف سے اسلام کی اشاعت وتبلیغ اور بہتری کے لئے اہتمام کے شواہد اور واضح ثبوت بھی ملتے ہیں، حبشہ کی راجدھانی اکسوم میں نجاشی کے پیروکاروں، عقیدت مندوں، اور جاں نثاروں کا ایک وسیع حلقہ تھا، وہ اپنے اس حلقہ احباب میں بشارت مسیح علیہ السلام اور کتاب مقدس میں نبی منتظر کی باتوں کے علاوہ توحید ربانی اور رسول اکرم ﷺ کے مکارم اخلاق، وحدت نسل انسانی اور اخوت ومساوات کے پیغام حق کی باتیں بھی کرتے رہتے تھے، علامہ اقبال کے الفاظ میں ''بلالی دنیا'' یعنی براعظم افریقہ کے مجبور ومقہور، غلامی کے ستائے ہوئے، نسلی برتری اور گورے کالے کی تفریق وتمیز سے بیزار کالے انسانوں کے لئے کل بھی اسلام کے پیغام وحدت، اخوت ومساوات میں بے انتہا کشش تھی اور آج بھی ہے!

محبوب حجازی ﷺ سے دوری کے باوجود نجاشی اسلام کی اشاعت وتبلیغ، بہتری اور ترقی سے غافل وبے نیاز ہرگز نہ تھے، جب تک رسول اکرم ﷺ مکہ مکرمہ میں تشریف فرما رہے حبشی وفود وہاں حاضر خدمت ہوکر اسلام سمجھنے اور حقائق سے آگاہ ہونے کے بعد مطمئن ہوکر واپس ہوتے رہے، ہجرت کے بعد مدینہ میں بھی حبشی وفود کی آمد کا سلسلہ جاری

رہا اور مؤمن اہل حبشہ رسول اللہ ﷺ سے اپنی محبت وعقیدت کا اظہار کرتے رہے، نجاشی کی طرف سے اسلام کے لئے لوگوں سے بیعت لینا بھی ثابت ہے(۱)، مہاجرین حبشہ کی فلاح وبہبود اور تحفظ کے لئے شاہی اقدامات تو اس کے علاوہ تھے!!

جزیرۂ عرب کے بلاد بنو ضمرہ میں غلام شہزادہ نجاشی کا قیام کتنا تھا، طویل تھا (امام سہیلی کے نزدیک یہ قیام طویل ہی تھا)(۲) یا مختصر، یہاں پر اس سے بحث مقصود نہیں، یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ نجاشی کا یہ قیام جہاں دائمی اور مستقل اثرات کا حامل تھا وہاں یہ ان کے لئے دین و دنیا دونوں لحاظ سے فوائد اور منافع کا وسیلہ بھی ثابت ہوا، بنیادی طور پر شہزادہ اصحم بن ابجر نجاشی رضی اللہ عنہ وسیع ظرف، عالی دماغ اور ذہین وفطین ہونے کے علاوہ ایک نہایت مخلص، وفادار اور نیک نیت انسان تھے، وہ ایک سچے مسیحی مؤمن کی حیثیت سے تورات وانجیل سے بھی بخوبی آگاہ تھے، لہٰذا سیدنا مسیح علیہ السلام نے اپنے بعد آنے والے جس نبی منتظر کی بشارت دی تھی اس سے نہ صرف وہ آگاہ تھے بلکہ اس پر پختہ ایمان اور یقین بھی رکھتے تھے، انجیل برنباس کے نجرانی نسخے سے ان کا براہ راست آگاہ ہونا بھی قرین قیاس (۳) معلوم ہوتا ہے، اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وہ جملہ من وعن موجود ہے جو قرآن کریم کی سورت الصف میں بھی دہرایا گیا ہے کہ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِن بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ یعنی میں اس عظیم رسول کی بشارت دینے کے لئے بھی آیا ہوں جو میرے بعد آئے گا اور جن کا نام نامی احمد (مجتبیٰ ﷺ) (۴) ہوگا۔

سرزمین عرب میں پائے جانے والے یہودی ونصرانی مذہبی پیشواؤں کی زبانی آنے والے نجات دہندہ اور نبی منتظر کے متعلق توراتی وانجیلی شواہد وعلامات سن کر نہ صرف یہ کہ ان شواہد وعلامات سے نجاشی پوری طرح اور واضح طور پر آگاہ ہو گئے تھے بلکہ انہوں نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ یہودی ونصرانی مذہبی پیشوا بڑی شدت کے ساتھ نبی منتظر کے منتظر اور متلاشی تھے، پھر نجاشی نے یہ بھی جان لیا تھا کہ حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی بعثت اور اعلان نبوت سے یہودی احبار تو صدمہ سے دوچار ہو کر حسد وبغض کی آگ میں جلنے لگے ہیں کیونکہ

آنے والا بنو اسرائیل یعنی یہود میں سے نہیں تھا بلکہ پیشین گوئیوں کے عین مطابق اسماعیلی عربوں میں سے تھا، جبکہ نصرانی رُہبان بھی شواہد و علامات سے یہودیوں کی طرح آنے والے کو پہچان تو گئے ہیں مگر رومیوں کے سیاسی دباؤ اور احبار یہود کے شدید مخالفانہ ردعمل کو دیکھ کر شک اور تردد کا شکار ہو گئے (۵) ہیں، اس لئے نجاشی کے دل میں نبی آخر الزمان ﷺ کو خود براہ راست دیکھنے اور علامات و شواہد کو جانچنے کی امنگ اور عزم کا پیدا ہونا قدرتی بات تھی! نجاشی نے دیکھا کہ اہل مکہ سمیت عرب کے سب لوگ رسول اللہ ﷺ کی صداقت و امانت، مکارم اخلاق و محاسن اعمال کے معترف ہیں، اس کوشش سے نبی منتظر اور بشارت مسیحؑ کے صحیح مصداق کے متعلق نجاشی کو عین الیقین ہی نہیں حق الیقین بھی حاصل ہو گیا تھا، اہل حبشہ جب غلام شہزادہ کو آزاد کرا کر حبشہ کے تاج و تخت کا مالک بنانے کے لئے لینے آئے تو نجاشی اس وقت تک اسلام کے متعلق یقین و ایمان کی دولت سے مالا مال ہو چکا تھا اور اس کے ساتھ ہی وہ رسول صادق و امین ﷺ کا عاشق اور گرویدہ بھی بن چکا تھا! یہ خیال کرنا بعید از قیاس نہیں لگتا کہ محب اور محبوب کے درمیان راز و نیاز کی باتیں بھی ضرور ہوئی ہوں گی، خصوصاً حضرت ورقہ بن نوفل رضی اللہ عنہ کی اس پیشین گوئی پر بھی بات ہوئی ہوگی کہ وحی ربانی موصول ہونے پر اور منصب رسالت پر فائز ہونے کے بعد ایک وقت ایسا آئے گا جب مکہ والے آپ کو ستا کر سنت انبیاء پر عمل کرنے کے لئے ہجرت پر مجبور (۶) کر دیں گے اور محب عاشق نے اس ہجرت کے لئے حبشہ کو منتخب فرمانے کی درخواست بھی کی ہوگی مگر دور اندیشی کے تقاضے کے پیش نظر راز و نیاز کی ان تمام باتوں کے متعلق یہ بھی طے ہوا ہوگا کہ کتمانِ ایمان اور رازداری سے کام لیا جائے اور بلا سبب افشانہ کیا جائے جس پر دونوں طرف سے عمل ہوا؟! بہر حال احوال کی گواہی (Circumstancial Evidence) یہ ہے کہ بلاد عرب سے نکلنے سے پہلے ہی نجاشی دولت ایمان اور صحبت نبوی سے سرفراز ہو چکے تھے اور پھر تخت پر متمکن ہونے کے بعد انہوں نے خوشنودیٔ پیغمبر ﷺ اور خدمت اسلام کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا! ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ غلامی

کی وجہ اور پھر حکومتی بوجھ کے باعث نجاشی عجلت میں ہونے مگر رغبت کے باوجود، صحبت نبوی سے زیادہ وقت فیض یاب نہیں ہو سکے تھے مگر پھر بھی اپنی ''اویسی فطرت'' کے طفیل بہت کچھ فیض نبوی پانے میں کامیاب رہے تھے عربی زبان سیکھنے کے علاوہ نجاشی عربوں اور بلاد عرب سے بھی بخوبی آگاہ ہو گیا تھا چنانچہ بعد میں عمر بھر وہ رسول عربی ﷺ کو بشارت عیسوی کا صحیح مصداق ماننے اور وحی قرآنی کو تورات موسوی کے منبع سے پھوٹنے والا نور قرار دینے کے ساتھ ساتھ اپنے ایمان واطاعت مصطفوی کا بھی برملا اقرار واعلان (۷) کرتا رہا!

حبشہ کا تاج وتخت سنبھالنے کے بعد حالات کو معمول پر لانے میں نجاشی کو زیادہ محنت یا وقت کی ضرورت نہیں پڑی ہوگی کیونکہ وہ اپنے والد اور چچا کے معاون ومشیر کے طور پر کام کرتے رہے تھے اس لئے انہیں امور مملکت کا تجربہ اور رعایا کا اعتماد حاصل (۸) تھا، دوسرے انہیں اپنے مقتول والد کے ساتھیوں اور ہمدردوں کی تائید اور حمایت بھی حاصل تھی، ان کے والد کے قاتل چچا اور اس کے بیٹوں سے عوام وخواص سب مایوس اور نالاں تھے اور نجاشی کو اپنی مرضی اور خوشی سے آزاد کروا کر لائے تھے (۹)، اس لئے تخت شاہی پر متمکن ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ سے اس کی محبت وعقیدت اور آپ کی دعوت اسلام جو وحدت نسل انسانی، توحید باری تعالیٰ، تمام اولاد آدم کی برابری ومساوات کی دعوت تھی اس میں ''بلالی دنیا'' کے لئے بہت بڑی کشش اور رغبت کا سامان تھا، مکہ مکرمہ اور عرب میں جس طرح رسول عدل اور مساوات نے بے کسوں، کمزوروں، بے سہاروں اور معاشرہ کے پسے ہوئے افراد۔ جن میں اکثریت حبشی غلاموں اور مزدوری پیشہ کالوں کی تھی۔ کی حمایت ودفاع کے لئے اسلام کے اصول عدل وانصاف اور دعوت آزادی ومساوات کی پذیرائی اور رسول اللہ ﷺ کی موثر تحریک کی باتیں اپنے درباریوں کے ساتھ نجاشی کی دلچسپ گفتگو کا موضوع ہوتا تھا۔

نبی منتظر کے متعلق صحف سماویہ کی پیشین گوئیاں اور بشارت مسیح علیہ السلام سے عیسائی مذہبی پیشوا نہ صرف واقف تھے بلکہ ان کے لئے یہ موضوع بہت اہم اور دلچسپ بھی تھا، حضرت

نجاشی نے بلادِ بنو ضمرہ میں قیام کے دوران میں جو کچھ احبار یہود اور رہبانِ نصاری سے سنا تھا، مکہ مکرمہ میں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور اس سے جنم لینے والے واقعات و حوادث کا مشاہدہ بھی کیا تھا، ان سب باتوں میں نجاشی کے درباری پادری اور سردار دلچسپی لیتے تھے، نجاشی نے اپنے خاص حلقہ کے مذہبی پیشواؤں کو جب یہ بتایا کہ مکی رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم ہی نبی منتظر اور بشارتِ عیسوی کا صحیح مصداق ہیں اور ان میں وہ تمام علامات اور نشانیاں پائی جاتی ہیں جو صحف سماویہ میں مذکور ہیں تو حبشہ کے متلاشیان حق کا ایک وفد مکہ مکرمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر (۱۰) ہوا تھا جو بیس یا ساٹھ کے قریب اہل حبشہ پر مشتمل تھا اور اس میں اکثریت حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ کے حلقہ خاص کے مذہبی پیشواؤں کی تھی، یہ لوگ چونکہ اپنے بادشاہ سے نہ صرف یہ کہ کافی معلومات حاصل کر چکے تھے بلکہ بہت سے مسائل کا تسلی بخش حل اور جواب بھی ان کے پاس پہلے سے موجود تھا اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہونے، نبی منتظر کی علامات جانچنے اور اپنے تمام سوالات کے تسلی بخش جوابات پا کر جلد ہی مطمئن ہو گئے تھے اسی لئے تو ابو جہل جیسے ناواقف احوال اکھڑ انسان کو ان پر جاہلانہ تبصرہ کے تیر چلانا پڑے تھے! ابو جہل کے جاہلانہ اور طنزیہ تبصرہ کے جواب میں قرآنی الفاظ استعمال کرتے ہوئے حبشی وفد نے واپسی کی راہ لی تھی (۱۱) ابن ہشام نے لکھا ہے کہ اس وفد کے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر سن کر حقیقت احوال معلوم کرنے کے لئے آئے تھے اور جب لوٹے تو مطمئن ہو کر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا اعتراف کر کے واپس ہوئے تھے تاہم ابن ہشام یہ نہیں بتاتے کہ ان حبشیوں کو یہ خبر نجاشی کے سوا اور کس نے سنائی ہوگی؟! ابو جہل کے جواب میں انہوں نے جو قرآنی اسلوب (۱۲) الفاظ اختیار کیا تھا یہ انہوں نے نجاشی کے سوا اور کس سے سیکھا ہوگا؟ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نبی منتظر کی علامات اور بشارت عیسوی کی نشانیاں دریافت کر کے وہ مطمئن ہو گئے تھے اور آپ کی صداقت کا اعتراف کرتے ہوئے لوٹے تھے تو کیا یہ اعتراف حق ایمان کے مترادف نہیں؟ اور اگر ہے تو پھر یہ اہل ایمان صحابہ کے زمرے میں

شامل ہوتے ہیں یا نہیں یا یہ بھی حضرت نجاشی کی طرح جماعت صحابہ میں شمولیت سے محروم سمجھے جائیں گے؟!

جب یہ حبشی وفد مکہ مکرمہ پہنچا تھا تو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد الحرام میں تشریف فرما تھے، قریش کے متکبرین مشرکین کی مجالس بھی بیت اللہ شریف کے ارد گرد جمی ہوئی تھیں اور وہ سب یہ منظر بغور دیکھ رہے تھے، حبشی جب اپنے تمام سوالات کے تسلی بخش جوابات سے مطمئن ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اسلام کی دعوت دی اور ان کے سامنے آیات قرآن کریم کی تلاوت بھی فرمائی تو ان سب کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے (بالکل ایسے ہی جیسے دربار حبشہ میں حضرت جعفر طیار کی تلاوت سے عربی دان مؤمن نجاشی اور اس کے حلقہ احباب کے پادریوں کے بھی آنسو جاری ہو گئے تھے!!) ابن اسحاق (۱۳) کے الفاظ میں:

ثُمَّ استجابُوا لِلّٰہِ و رسولہ وَ آمنُوا بِہٖ، وَصَدَّقُوہُ وَعَرَفُوا مِنہُ مَا کَان یُوصَفُ لَھُم فِی کِتَابِھِم مِن اَمرِہٖ

"یعنی پھر انہوں (وفد حبشی کے لوگوں) نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی دعوت دین قبول کر لی، اور اس پر ایمان لے آئے اور آپ کی تصدیق کی، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں انہیں وہ سب کچھ معلوم ہو گیا جو آپ کی نبوت و رسالت کے معاملہ) میں ان کی کتاب (انجیل برناباس وغیرہ) میں علامات بیان ہوئی تھیں"

ابن اسحاق و ابن ہشام کے علاوہ دیگر مؤرخین اور سیرت نگاروں (۱۴) نے بھی اس حبشی وفد کے متعلق تقریباً یہی الفاظ استعمال کیے ہیں (ان الفاظ سے ان حبشی بزرگوں کا ایمان اور صحبت ثابت ہوتی ہے، البتہ ان کے اسمائے گرامی اور دیگر احوال مفقود ہیں، عین ممکن ہے کہ ان بزرگوں کے علاوہ بادشاہ کے حلقہ احباب میں کچھ اور بھی ایسے نیک اور سعادتمند حبشی ہوں جو ایمان لائے اور صحبت کا شرف بھی پایا مگر تاریخ نے انہیں بھی فراموش کر دیا ہے بالکل ایسے ہی جیسے خود حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ کے متعلق بہت سی تفاصیل تاریخ کے

صفحات نے ہمارے اہل علم و دانش کی نظر سے دور رکھی ہوئی ہیں یا کچھ ایسی بے اندازہ تفاصیل مفقود ہیں جنہیں مورخ کے کنجوس قلم نے یکسر نظر انداز کر دیا ہے!!)

اس حبشی وفد پر ابوجہل ملعون کا طنزیہ تبصرہ اور وفد والوں کا ترکی بہ ترکی جواب بھی سننے، جاننے اور ماننے کے قابل ہے، یہ بھی ابن اسحاق و ابن ہشام کے الفاظ میں ملتا ہے جس کا اردو ترجمہ یوں ہے (۱۵)

''جب یہ لوگ فارغ و مطمئن ہو کر چل پڑے تو قریش کے کچھ متکبرین کے ہمراہ ابوجہل ان کے رستے میں کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا: قافلے والو! خدا تمہیں ناکام و نامراد کرے! تمہارے لوگوں نے تو تمہیں اس لئے بھیجا تھا کہ تم اس شخص یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حقیقت احوال معلوم کر کے آؤ گے مگر تم لوگ تو اس شخص کے پاس ابھی اچھی طرح بیٹھ بھی نہ پائے تھے کہ فوراً اپنے دین کو ترک کر دیا اور اس کو سچا مان بیٹھے!، اس پر ایمان لے آئے! ہم نے تو تم لوگوں سے پہلے کوئی قافلے والے تم جیسے احمق کبھی نہ دیکھے تھے''۔

ابوجہل ملعون کے اس معاندانہ اور طنزیہ تبصرہ سے یہ تو واضح ہو گیا کہ حبشی وفد عیسائیت چھوڑ کر اسلام کا حلقہ بگوش ہو گیا تھا اور یہ لوگ آپ کے نبی منتظر ہونے اور بشارت مسیح کا صحیح مصداق ہونے کی تصدیق کر کے صحابیت کے مرتبہ پر بھی فائز ہو گئے تھے!!

اب ذرا حضرت نجاشی کے سکھلائے ہوئے تربیت یافتہ اہل ایمان کا ترکی بہ ترکی جواب بھی سننے اور توجہ کے قابل ہے جو قرآنی الفاظ و اسلوب کا رنگ لئے ہوئے ہے (۱۶):

سَلَامٌ، عَلَيكُم، لَا نُجَاهِلُكُم، لَنَا مَا نَحنُ عَلَيهِ وَلَكُم مَا اَنتُم عَلَيهِ!
لَم نَالُ اَنفُسَنَا خَيرًا

''یعنی ہم تمہارے لئے سلامتی مانگتے ہیں! ہم تم سے جاہلانہ جھگڑا نہیں کریں گے! ہمارے لئے وہی بھلا جس پر ہم عمل پیرا ہیں! اور تمہارے لئے وہی بھلا جس پر تم عمل پیرا ہو (۱۷)! ہم نے اپنی طرف سے بھلائی تک پہنچنے کے لئے کوئی کوتاہی

نہیں کی!"

سوچنے کی جگہ ہے! کیا یہ کلمات سورت الفرقان اور سورت الکافرون سے ناواقف انسان اور وہ بھی کوئی غیر عربی یا حبشی اپنی زبان سے ادا کر سکتا ہے؟ کیا یہ کلمات سن کر ابو جہل کی ماں نہیں مر گئی ہوگی کہ ایک لحہ کے لئے حضرت محمد ﷺ کے حضور میں بیٹھنے والا حبشی عربی زبان کی فصاحت و بلاغت کی اس قرآنی منزل پر پہنچ گیا ہے اور کیسے؟ مگر اس مردود کو کیا خبر کہ ایک ذہین و فطین شہزادہ جو بلاد بنو قصرہ کے عربوں کی فصاحت و بلاغت کو پا چکا تھا اور مکہ مکرمہ کی گلیوں میں رسول عربی ﷺ اور آپ کے جاں نثار صحابہ حاملین قرآن کی صحبت میں وحی ربانی کو اپنے حافظہ میں سمو کر وقت آنے پر اپنے حلقہ احباب کے حبشی طالبان حق تک یہ سب کچھ منتقل کر سکتا تھا؟! ابو جہل اور اس کے متکبرین ساتھیوں کا تکبر و غرور تو خاک میں مل گیا! وہ تبصرہ کا اگلا جملہ نہ بول سکا! اس کی تو سیٹی ہی گم ہو گئی! اسلام کا جادو اور قرآن کریم کا سحر حلال اسے بحر حیرت میں ڈبو گیا تھا!

اللہ رب العزت کو "بلالی دنیا" کے ان مجذوبوں کی یہ ادا پسند آئی اور قرآن عزیز میں اس عظیم الشان واقعہ کو دوام عطا کرتے ہوئے مکی سورت القصص میں ان کی عظمت کو غیر فانی بناتے ہوئے یوں ارشاد ربانی ہوا ہے (۱۸) (جس کا اردو ترجمہ پیش ہے)

"جن لوگوں کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی تھی وہ اس قرآن عزیز پر ایمان لاتے ہیں اور جب انہیں یہ (قرآن عزیز) سنایا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ "ہم اس پر ایمان لائے، یہ تو واقعی کلام حق ہے ہمارے رب کی طرف سے، ہم تو پہلے ہی بحیثیت مسلمان اس پر ایمان لا چکے ہیں!" یہی وہ لوگ ہیں جنہیں ان کا اجر دو بار ملے گا، اس ثابت قدمی کے بدلے جس کا انہوں نے عملی مظاہرہ کیا ہے، وہی تو ہیں جو (ابو جہل جیسے بدکلام) کی برائی کے جواب میں بھلائی سے بھی دفاع کرتے ہیں، اور جو کچھ انہیں ہم نے رزق دیا ہے اس میں سے راہ حق میں خرچ کرتے ہیں، چنانچہ جب انہوں نے (ابو جہل کی) لغو اور بیہودہ بات سنی تو یہ کہہ کر اس سے

کنارہ کش ہو گئے کہ ہمارے اعمال ہمارے لئے اور تمہارے اعمال تمہارے لئے، تم کو سلام ہو، ہم جاہلوں کا سا طریقہ پسند نہیں کرتے"۔

ابن ہشام کا یہ بھی کہنا ہے کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ حبشہ کے وفد کی نہیں بلکہ نجران کے عیسائیوں کے وفد کی بات ہے اور سورت القصص کی یہ آیات بھی انہی نصاری نجران کے متعلق نازل ہوئیں مگر یہ خیال درست نہیں معلوم ہوتا، کیونکہ سورت القصص مکی سورت ہے اور نجرانی عیسائی وفد تو مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد آیا تھا، نیز ابن اسحاق نے امام ابن شہاب زہری سے پوچھا تھا کہ یہ آیات کس کے بارے میں نازل ہوئیں تو امام موصوف نے جواب دیا تھا کہ "مَا زِلْتُ أَسْمَعُ مِنْ عُلَمَائِنَا اَنَّهُنَّ نَزَلْنَ فِي النَّجَاشِيِّ وَاَصْحَابِهٖ یعنی میں اپنے علماء سے یہی سنتا آیا ہوں کہ یہ آیات نجاشی اور اس کے ساتھیوں کے متعلق نازل (۱۹) ہوئیں!"

امام ابن شہاب زہری کے اس قول سے یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ مکہ مکرمہ میں حاضر ہونے والا حبشی وفد نجاشی کے تربیت یافتہ لوگوں پر مشتمل تھا جو حقیقت حال معلوم کرنے اور نجاشی کے بیان کردہ حقائق کی تصدیق کے لئے آئے تھے، نیز یہ کہ ابن شہاب کے زمانے کے اہل علم حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ کی تبلیغی سرگرمیوں سے بھی آگاہ اور ان کے قدردان بھی تھے مگر افسوس کہ تدوین علوم کے عہد کے آتے آتے یہ سب باتیں لوگوں کے ذہنوں سے محو ہو گئیں اور نجاشی کی خدمات اسلام کے یہ کارنامے پوری تفاصیل کے ساتھ ہم تک نہ پہنچ سکے! نجاشی کے احوال مفصل تو صرف مکی دور کے سابقین اولین مسلمانوں کے علم میں ہی تھے، جو ہجرت کے بعد مکی عہد نبوت کی سیرت پاک کی بہت سی تفاصیل کی طرح پس منظر میں جا کر محو ہو گئے اور تدوین سیرت و تاریخ کے عہد میں بھی صرف ہجرت نبوی، غزوات اور فتوحات ہی لوگوں کے ذہنوں پر چھائی رہیں!!

یہ رائے بھی درست معلوم نہیں ہوتی کہ سورت المائدہ کی آیات (13) بھی اسی مکی عہد کے حبشی وفد کے متعلق نازل ہوئیں، یہ آیات نجاشی کے بھیجے ہوئے متعدد وفود مسیحیت میں

سے کسی وفد کے متعلق تو ہو سکتی ہیں جو مہاجرین حبشہ کے ساتھ یا آگے پیچھے مدینہ منورہ میں حاضر خدمت ہوتے رہے کیونکہ سورت المائدہ تو مدنی ہے، شاید ان آیات کریمہ سے مقصود اس عہد کے خدا ترس اور متواضع عیسائیوں کے عمومی انداز کی ترجمانی ہے جیسا کہ سورت المائدہ کی یہی آیت یہود کے عمومی رویہ کو بھی ظاہر (۲۰) کرتی ہے۔

مکہ مکرمہ میں وارد ہونے والے حبشی وفد اور مدینہ منورہ میں حاضر ہونے والے نجرانی پادریوں کے وفد کے مقاصد اور رویہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے، حبشہ کے لوگ خدا ترس اور اسلام کے دلدادہ لوگ تھے کیونکہ وہ نجاشی کے حلقہ خاص کے لوگ تھے جنہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکارم اخلاق اور اوصاف حمیدہ کے سلسلے میں نجاشی سے بہت کچھ سن رکھا تھا، اب وہ صرف حقائق معلوم کرنے، بشارت مسیح علیہ السلام اور نبی منتظر کی علامات کی تصدیق کے لئے آئے تھے اس لئے اطمینان قلب کے بعد دولتِ ایمان سے سرفراز ہو کر واپس ہو رہے تھے جس کا ابوجہل ملعون کو بڑا رنج تھا کہ آتے ہی مسیحیت چھوڑ کر داخل اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احباب واصحاب میں شامل ہو گئے ہیں، اس کے برعکس نجران کے پادریوں کا وفد حقائق معلوم کرنے کے علاوہ مناظرہ ومباہلہ کی غرض سے آیا تھا، حقیقت محمدی علی صاحبہا الصلاۃ والسلام تو ان پر بھی عیاں تھی اور عیاں تر ہو گئی تھی اور انہیں بھی یقین ہو گیا تھا کہ نبی منتظر وہی ہیں اور عیسوی بشارت کے مصداق بھی وہی ہیں، اس لئے وہ مناظرہ و مباہلہ سے تو دست بردار ہو گئے تھے مگر رومنوں کا سیاسی دباؤ، مالی مدد، یہودیوں کی ضد اور دیدہ دلیری نے انہیں بھی جاہ پرستی اور کبر وغرور میں مبتلا کر دیا تھا اور وہ ایمان لانے کے بجائے جزیہ دینے پر راضی ہو گئے تھے۔

نجرانی وفد چودہ پادریوں اور سرکردہ عیسائیوں پر مشتمل تھا جس کی قیادت نجران کا لاٹ پادری عبدالمسیح کر رہا تھا، دوسرے بڑے پادری کو ایہم کہتے تھے جبکہ تیسرا نمایاں پادری ابوحارثہ بن علقمہ تھا جو بڑا عالم فاضل اور صحف سماویہ کا ماہر تھا، ابن ہشام (۲۱) نے لکھا ہے کہ اس کے بھائی کوز بن علقمہ نے رستہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کچھ نازیبا

الفاظ منہ سے نکالے تو اس پر ابو حارثہ نے اسے سختی سے ڈانٹتے ہوئے منع کیا اور کہا کہ اِنَّهُ وَاللّٰهِ لَنَبِيُّ الَّذِي كُنَّا نَنْتَظِرُهُ یعنی اللہ کی قسم وہ تو یقیناً وہی نبی ہیں جن کا ہم انتظار کر رہے تھے، تب اس کے بھائی کوز بن علقمہ نے کہا کہ پھر ہمیں ان پر ایمان لانے میں کیا چیز مانع ہے؟ تو ابو حارثہ بن علقمہ نے کہا تھا کہ ایمان کے اعلان سے رومنوں کے تحائف اور سرمایہ آنا بند ہو جائے گا اور قیصر کی نظر میں جو میری عزت (قیصر اسے عیسائیت کا ایک ہوشیار نمائندہ اور تورات وانجیل کا ماہر مانتا تھا!) ہے اسے میں گنوانا نہیں چاہتا! ابن ہشام اور دیگر سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ نجرانی پادریوں نے انجیل برناباس چھپائی ہوئی تھی اور تمام لوگوں کی اس تک رسائی نہیں تھی (۲۲)، نجران کے مسیحی ایک عرصہ تک جزیہ ادا کرتے رہے لیکن جب ابو حارثہ اور کوز بن علقمہ وغیرہ مر گئے اور قیادت کوز کے ایک بیٹے کے ہاتھ میں آگئی تو اس نے وہ سربمہر انجیل برناس کھولی تو اس میں نام احمد مجتبیٰ ﷺ لکھا ہوا تھا (۲۳)!! جسے دیکھ کر ابن کوز مسلمان ہو گیا اور اسلام میں اس نے بہت اچھے کام کئے (وَحَسُنَ إِسْلَامُهُ! (17)) نجرانی پادریوں کی مدینہ میں آمد، مسجد نبوی میں انہیں قیام کرنے اور اپنی عبادت کرنے کی اجازت فرمائی گئی تھی، مباہلہ سے ان کی دست برداری کا ذکر سورت آل عمران (۲۴) کی آیات میں مفصل موجود ہے!

بات دراصل یہ تھی کہ ہجرت نبوی سے پہلے اور خصوصاً غزوۂ خندق تک نجران کے مسیحیوں سمیت تمام مشرق وسطی کی عیسائیت سہمی ہوئی اور شک وتردد میں مبتلا رہی تھی، لیکن غزوۂ خندق یا جنگ احزاب میں یہود حجاز، قریش مکہ اور پورے جزیرہ عرب کے عربوں پر مشتمل اتحاد اور فوجی قیادت، جو بزعم خویش مدینہ منورہ کی ننھی سی اسلامی ریاست کی اینٹ سے اینٹ بجانے آئی تھی، فیصلہ کن شکست سے دوچار ہوئی تو مشرق وسطی میں اسلامی انقلاب کی بنیاد پڑ گئی! ورنہ ایک طرف تو یہود کی ضد، حسد اور بغض سے بدمست قوت دین اسلام کا رستہ روکے ہوئے تھی، اور دوسری جانب قریش مکہ کی جاہلانہ ومشرکانہ ہٹ دھرمی اور مسلح جنگ اسلام کی راہ میں سد سکندری بنی ہوئی تھی اس لئے نجران وجزیرہ عرب بلکہ مشرق

وسطی کے دوسرے علاقوں کے مسیحی بھی تردد اور ہچکچاہٹ کا شکار تھے، مگر غزوۂ خندق میں اسلام مخالف مزاحمتی قوتوں کی فیصلہ کن شکست سے نجران کے عیسائیوں کو بھی اپنے مستقبل کی فکر لاحق ہوئی اور جزیرۂ عرب کے فوج درفوج مدینہ منورہ میں آنے والے عرب وفود کے ساتھ یہ نجرانی عیسائی وفد بھی حاضر ہونے پر مجبور ہو گیا مگر انہیں قبول اسلام کی توفیق نہ ہو سکی اور وہ حق دولت دنیا اور جاہ طلبی کی خاطر، معلوم ہونے کے باوجود بھی یہود کے تمرد اور ''تجاہل عارفانہ'' کی راہ پر چل نکلے!

لیکن نجرانی پادریوں کے اس تمرد بے جا اور تجاہل عارفانہ کی ذمہ دار وہ سیاسی فضا اور بدلتی ہوئی صورت حال تھی جس پر نظر ڈال لینا تحصیل حاصل یا تکرار کے بجائے قند مکرر سمجھ لینا چاہیے یہ فضا اور یہ صورت حال نتیجہ تھی اس تاریخی مگر بے معنی تصادم کا جو روم و ایران کے درمیان سالہا سال سے جاری تھا، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے مذمت کے انداز میں اس تصادم کا تذکرہ فرمایا ہے اور اسے بغی وطغیان اور بحر و بر میں فساد کی مجرمانہ حرکت قرار دیا ہے(۲۵)! یمن میں یہودی بادشاہ ''ذونُواس'' کے ظلم کا قلع قمع کرنے کے لئے چونکہ قیصر روم نے حبشہ کے نجاشیوں کو مداخلت کے لئے کہا تھا اور متعدد حبشی حملوں کے بعد ذونواس اپنے کیفر کردار کو پہنچ گیا اور یمن کی یہودی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا تھا جس کے نتیجے میں یمن کے حبشی وائسرائے نے حجاز پر بھی عیسائیت کے جھنڈے گاڑنے کا عزم کیا تھا بلکہ بیت اللہ شریف کو گرانے کے لئے نکلا تھا اس لئے اس صورت حال پر ایرانی شہنشاہیت کو بڑی تشویش تھی مگر رومنوں کو بسفورس تک دھکیل کر لے جانے اور ہرقل کو اس کی راجدھانی میں محصور کر دینے سے خسرو پرویز کا تکبر و غرور آسمان پر پہنچ گیا تھا چنانچہ اس نے اہل حبشہ کو یمن سے بے دخل کر دیا بلکہ حبشہ کی تجارتی گزرگاہوں کو بھی شدید نقصان پہنچایا(۲۶)، پرویز نے ہر اس چھوٹی بڑی قوت کو اپنا دشمن گردانا جو بھی اہل حبشہ یا رومیوں سے ہمدردی رکھتی تھی، رومیوں نے بھی خفیہ طور پر جزیرۂ عرب سمیت مشرق وسطی کے دیگر علاقوں میں بھی اپنا اثر و رسوخ قائم کرنے کے لئے وہاں پر موجود عیسائی مذہبی پیشواؤں کی سرپرستی اور

مالی امداد شروع کر دی تھی، اس غرض کے لئے جن لوگوں کو قیصر روم نے نوازا اور مالی امداد کی تھی ان میں نجران کا پادری ابو حارثہ بن علقمہ بہت نمایاں ہے (۲۷)، قیصر نے اسے عیسائیت پر ڈٹے رہنے کی تاکید کی اور بشارت مسیح کے مصداق نبی منتظر کے متعلق انجیلی علامات افشا کرنے سے بھی منع کیا تھا، تاریخ میں شاید قیصر روم پہلا عیسائی حکمران ہے جس نے مذہب کو سیاسی مقصد کے لئے استعمال کیا (جس طرح ظلم و بربریت سے مسیحیوں سے زبردستی ان کا مذہب چھڑانے کی کوشش یہودی بادشاہ یمن نے کی تھی یا جس طرح برہمن یہ ظلم اپنے اچھوتوں پر ہزاروں سال سے ڈھا رہا ہے!) اسی پس منظر میں نجرانی پادریوں نے نبی منتظر صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لینے کے باوجود ایمان لانے سے انکار کر دیا اور جزیہ ادا کرنے کی ذلت گوارا کرنا منظور کر لیا تھا۔

لیکن اسی اثناء میں قرآن کریم کا ایک معجزہ ظہور پذیر ہوا جس نے ایک دھماکہ خیز خبر کی شکل میں مشرق وسطی پر لرزہ طاری کر دیا، یہ خبر اپنوں نے بھی سنی اور غیروں نے بھی مگر سب حیرت و تعجب میں پڑ گئے اور تردد و ہچکچاہٹ کا شکار ہو گئے! یہ صرف سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے جنہوں نے بلا تردد سنتے اور معلوم ہوتے ہی اس خبر کو مان لیا اور اس کی تصدیق کر دی تھی! بات یہ تھی کہ ایک طرف خسرو پرویز وہ پنجرہ تیار کروا چکا تھا جس میں اس نے رومن شہنشاہ ہرقل کو اس کی راجدھانی قسطنطنیہ پر قبضہ کرنے کے بعد قید کر کے ایران لانا تھا اور کسی چوراہے میں اسے پھانسی دے کر اپنی عظمت کے گیت گوانے تھے، جبکہ دوسری طرف ہرقل نے اپنی راجدھانی اور رومن قوم کو خسرو پرویز کے رحم و کرم پر چھوڑ کر افریقہ میں رومنوں کے مرکز قرطاجنہ بھاگ جانے کا فیصلہ کر لیا تھا ایسے میں قرآن کریم کی سورت روم کی ابتدائی آیات نازل فرمائی گئیں جن میں یہ پیشین گوئی تھی کہ (۲۸):

۱۔ رومن اگرچہ شکست فاش کے بعد ہار چکے ہیں لیکن یہ چند سال (فِي بِضْعِ سِنِينَ یعنی تین سے نو سال کے اندر!) میں پھر اٹھیں گے اور اپنے دشمن پر فیصلہ کن فتح حاصل کریں گے۔

۲۔ یہی وہ دن بھی ہوگا جب (بدر کے مقام پر) مسلمان بھی اپنے دشمن پر فیصلہ کن فتح پانے کی خوشیاں منارہے ہوں گے!

یہ ایک ایسی پیشین گوئی تھی جس کا عرب وعجم اور پورے مشرق وسطی کی سطح پر تہلکہ مچنا ایک قدرتی بات تھی! رومنوں کے حوصلے بڑھنا اور نئی امید پیدا ہونا بھی قدرتی بات تھی، اسی طرح فتح کے نشے میں بدمست ایرانیوں کے لئے یہ پیشین گوئی ایک تازیانہ عبرت بھی تھی مگر وہ کسی عبرت کے لئے تیار نہ تھے، ایران کا شکست کھانا اور رومنوں کا دوبارہ سنبھلنا ان کے لئے ناقابل یقین تھا، لیکن اگر ہم یہ دیکھنا چاہیں کہ اس دھماکہ خیز خبر کا رومیوں یا ایرانیوں پر کیا مثبت یا منفی اثر پڑا ہوگا، اس کا ردعمل کیا اور کیسا ہوا ہوگا! یہ اتنی بڑی خبر مشرق وسطی سمیت ساری دنیا میں جنگل کی آگ کی طرح کیسے پھیلی ہوگی اور حضرت نجاشی سمیت دنیا کے ہر کہ ومہ نے اسے یقیناً سنا ہی ہوگا؟! مگر ان سب کا ردعمل کیا ہوا ہوگا؟! کسی نے کچھ نہیں لکھا نہ کچھ بتایا ہے مگر سب دنیا کے ردعمل کو قریش مکہ کے اسلام مخالف سرداروں کے ردعمل پر قیاس کیا جاسکتا ہے جو کتب سیرت وتاریخ میں ریکارڈ پر آچکا ہے! یہ متکبر ومغرور مشرکین، مکہ کی گلیوں اور کوچوں میں قہقہے لگاتے اور اس خبر اور خبر دینے والے کا معاذ اللہ تمسخر اڑاتے پھرتے تھے اور کہتے پھرتے تھے کہ جو رومن شکست کھا کر قصہ ماضی بن چکے ہیں اور اب اپنے گھروں میں گھس گئے ہیں وہ تو اب صدیوں بعد بھی باہر نہیں آئیں گے اور نہ رومی امپائر کی گرتی ہوئی عمارت اب کسی طرح سنبھل سکے گی مگر یہ فرماتے ہیں کہ رومی چند سالوں (فی بضع سنین تین سے نو سال کے اندر اندر) دوبارہ اٹھ کھڑے ہوں گے! یہ محال ہے! یہ مذاق ہے! اور یہ فقر وفاقہ کے مارے مسلمان بھلا قریش کے سورماؤں کو شکست دے کر خوشیاں کیسے اور کہاں منارہے ہوں گے (۲۹)!

مگر یہ دھماکہ خیز خبر حرف بحرف سچی تھی، تین چار سال کے اندر ہی اس نے حقیقت کا روپ دھار لیا تھا! نینوا عراق کے میدان میں قیصر روم ہرقل کی یلغار نے خسرو پرویز کو شکست فاش سے دوچار کر دیا اور اس کی عسکری قوت کی کمر ٹوٹ گئی تھی، اس کے ساتھ ہی

بدر کے میدان میں مظلوم بلال حبشی اپنے پرانے ظالم آقا امیہ بن خلف کی گردن کاٹ رہے تھے، دو کم عمر انصاری نوجوان معوذ اور معاذ (رضی اللہ عنہما) فرعون قریش ابوجہل عمرو بن ہشام کو زمین پر لٹا کر ذبح کر رہے تھے (۳۰)! دنیا کو اس دھماکہ خیز خبر کی سچائی معلوم ہو گئی تھی اور قرآن کریم کا معجزہ اس دور کے معاصر انسان کی عینی شہادت کے ساتھ تاریخ کا حصہ بن چکا تھا! قرآن کریم کی یہی پیشین گوئی حبشہ کے مومن بادشاہ نجاشی تک بھی پہنچی تھی، اس کی توجہ بھی عراق و حجاز کے واقعات پر مرکوز تھی، اس نے مہاجرین حبشہ کو خوشخبری سنانے کے لئے بلا بھیجا! رومنوں اور مسلمانوں کی فتح کی خبر نجاشی کو اس کے بھیجے ہوئے سراغ رسانوں نے پہنچائی تھی، جب مسلمان شاہی محل میں پہنچے تو نجاشی نے زاہدانہ کھردرا لباس پہن رکھا تھا اور وہ خاک پر سجدہ ریز تھا! پوچھا گیا: بادشاہ سلامت یہ کیا ہے؟ فرمانے لگے: ''انجیل میں لکھا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر انعام فرمائے تو اسے بھی بطور تشکر رکوع اور سجدہ بجالانا چاہیے! اللہ تعالیٰ نے ہم اہل اسلام پر بھی انعام فرمایا ہے! ہمارے آقا نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کو اللہ تعالیٰ نے دشمن پر شاندار فتح نصیب فرمائی ہے! بلاد بنو ضمرہ کے پاس ایک مقام ہے جسے وادیٔ بدر کہتے ہیں، یہاں پر اراک اور سعدانہ کے پودے بکثرت ہوتے ہیں، میں یہاں پر اپنے ضمری آقا کی بکریاں اور اونٹ چرایا کرتا تھا، یہاں پر یہ معرکہ حق و باطل برپا ہوا ہے، اور میرے آدمیوں نے خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس معرکہ میں مسلمانوں کو فتح سے ہمکنار کیا ہے! (۳۱)

قرآن کریم میں رومی۔ ایرانی تصادم کے ضمن میں اس تاریخی بلکہ تاریخ ساز پیشین گوئی نے تاریخ کا دھارا بدل کر رکھ دیا تھا اور عالمی سیاست کو ایک نیا رخ دے دیا تھا، ایک ایسا رخ جو پندرہ صدیوں میں بھی نہیں بدل سکا آج بھی اس رخ کا دھارا وہی ہے، نینوا اور بدر کے فیصلہ کن معرکوں نے دنیا کی سیاست کا رخ حجاز کی طرف موڑا اور آج بھی یہ رخ تہذیب حجازی یعنی اسلام اور عالم اسلام کی طرف ہی ہے تقریباً پندرہ صدیوں سے یہودی سازشوں کی توپ کا رخ اسلام کا راستہ روکنے اور مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے پر

مرکوز ہے، جزیرۂ عرب سے جلاوطن ہونے والے یہودیوں نے ہی روم وایران کو اسلام اور اہل اسلام کو "آنے والا خطرہ" بتا کر اور رومنوں اور دیگر غیر اسلامی قوتوں کو جنگ احزاب کی صورت میں، کبھی روم وایران کے حملوں کی شکل میں اور پھر صلیبی جنگوں کے رنگ میں، پھر استشراق، استعمار، کمیونسٹ یلغار اور بالآخر تہذیبوں کے تصادم کا ڈھکوسلا ایجاد کر کے نام نہاد دہشت گردی اور شدت پسندی کے خلاف جنگ کا عنوان دے رکھا ہے! گویا مشرق کے خلاف یونانی اور رومن مغربی یلغار نے آج نیٹو اور امریکی یلغار کی شکل اپنا رکھی ہے مگر ان کے آگے اور پیچھے ہمیشہ کی طرح آج بھی عالمی صیہونیت ہے جسے مکہ کے بت پرستوں (اور کبھی بھارت کے بت پرست برہمنوں کی) چھوٹی موٹی تائید و معاونت بھی حاصل رہی ہے!

قیصر روم نے یمن کی یہودی سلطنت کا قلع قمع کرنے کے لئے حبشہ کی بادشاہت کو اکسایا تھا جس کے نتیجے میں یمن پر حبشی تسلط قائم ہوا اور پھر حبشی وائسرائے ابرہہ نے خانہ کعبہ کو گرا کر جزیرۂ عرب پر بھی عیسائیت کے نام سے رومن تسلط قائم کرنے کی ناکام کوشش کی تھی اس لئے اب رومنوں نے نہ صرف بلاد عرب میں موجود عیسائی مذہبی قوتوں کی سرپرستی شروع کر دی تھی بلکہ پورے مشرق وسطی میں ہر جگہ موجود عیسائی رہبانیت کی امداد اور سرپرستی کو اپنا سیاسی حربہ اور ہتھیار بنا لیا تھا، آج بھی عیسائی مغرب اسلامی دنیا پر سیاسی غلبہ اور اقتصادی استحصال کی جنگ جاری رکھے ہوئے ہے اور آج بھی اسی روش پر ہے مگر سیکولرزم کے پردے میں وہ اپنے مذہبی تعصب کو چھپائے ہوئے اور زبان سے جمہوریت کی مالا بھی جپتے ہوئے دکھائی دیتا ہے! صلیبی مغرب نے ترکوں پر سیکولرزم کی چادر ڈال کر عثمانی خلافت کو نیست و نابود کر کے "سیکولر ترکی" قائم تو کروا دیا مگر سو سال سے ان صلیبیوں کا اپنا قائم کردہ وہی سیکولر ترکی یورپی یونین کا رکن نہیں بنایا جا سکا کیونکہ اس سیکولر ترکی کی جڑوں میں بھی اسلام ہے!! بوسنیا، کوسوفو اور البانیا کی نوے فیصد مسلم آبادی والے یورپی ملکوں کو مسلم تشخص نہیں اپنانے دیا گیا تا کہ یورپ خالص عیسائی براعظم باقی و دائم رہے لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر مغرب کے روشن خیال اور انصاف پسند انسانوں نے خود

اسلام کو اپنا لیا تو پھر کیا ہوگا!؟ تہذیبوں کے تصادم کا شوشہ تو ایک یہودی ڈھکوسلا ہے! تہذیبوں کا تصادم کبھی ہوا ہے، نہ ہو سکتا ہے اور نہ کبھی ہوگا! اگر یہ انسانیت دشمن یہودی تصادم کی گردان نہیں چھوڑتے تو پھر دنیا کو جان لینا چاہیے کہ آئندہ تصادم مذہبی ہوگا یا اقتصادی! جیسا کہ تاریخ میں ہوتا رہا ہے اور جیسا کہ نام نہاد نائن الیون کے نتیجے میں جارج ڈبلیو بش نے اپنی تازہ ترین جنگ کو صلیبی جنگ یعنی کروسیڈ کا نام تو دیا ہے مگر مغرب کی روایتی بزدلی اور منافقت نے اسے دہشت گردی کے خلاف جنگ کا عنوان دے رکھا ہے جیسے گویا مسلمانوں کے سوا۔کوئی یہودی، کوئی عیسائی یا کوئی ہندو۔تو دہشت گرد ہوا ہے نہ شدت پسند! ایک تہذیب دوسری تہذیب سے نہ جنگ کرتی ہے نہ خود کو کسی پر زبردستی ٹھونستی ہے، یہ تو دلوں کا سودا ہوتا ہے جس کو جو لباس اچھا لگے اسے اپناتا ہے! ہاں یہ ضرور ہوا ہے کہ مغربی سامراجیوں نے ایران اور ترکی میں اپنے دو ایجنٹوں رضا پہلوی اور مصطفیٰ کمال سے مسلمان مردوں اور عورتوں سے زبردستی اسلامی آداب چھڑوانے اور مغربی وضع قطع اور لباس اپنانے پر مجبور کیا مگر موقع ملتے ہی ترک اور ایرانی اپنے آداب معاشرت کی طرف لوٹ آئے ہیں، سو جس طرح کسی انسانی گروہ سے اس کا مذہب چھڑوانے کا عمل کامیاب نہیں ہو سکا اسی طرح کسی سے اس کی تہذیب چھڑوا کر دوسری تہذیب بھی زبردستی نہیں ٹھونسی جا سکتی اس لئے کہ تہذیب اور ثقافت تو دراصل مذہب اور عقیدے کا پرتو ہوتا ہے، تہذیبوں کے تصادم کا یہودی ڈھکوسلا صرف اس لئے گھڑا گیا ہے تا کہ زبردستی تہذیب چھڑوانے اور ٹھونسنے کے پردے میں مسلمانوں سے زبردستی ان کا مذہب اور عقیدہ چھڑوایا جا سکے، جیسا کہ بھارت کا عیار برہمن ہندوتوا کے نام پر مسلمانوں سے زبردستی مذہب چھڑوا کر برصغیر کے تمام مسلمانوں کو ہندومت میں مدغم کر کے نام نہاد "متحدہ قومیت" کا نام دینے پر تلا ہوا ہے!

دراصل کہنا یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے یمن اور جزیرہ نمائے عرب پر تسلط رومنوں اور ایرانیوں کے درمیان محل نزاع اور رسا کشی کا سبب بنا ہوا تھا، یمن پر حبشی قبضہ کے سلسلے میں چونکہ نجران کے مسیحی پادری کام آئے تھے اس لئے رومن امپائر نے

استحصالی ہتھکنڈے کے طور پر بلاد عرب کی مسیحیت کو استعمال کرنے کا فیصلہ کیا جو کافی حد تک مفید اور کامیاب رہا۔ مگر رومن فتح اور ایرانی شکست کی حامل قرآنی پیشین گوئی نے تو خسرو پرویز کو بہت پریشان بلکہ غضبناک بنا دیا تھا، پرویز نے حبشیوں سے یمن بھی چھین لیا اور پھر بحیرہ احمر کے آس پاس حبشہ کی تجارت اور اقتصادیات کو بھی بہت نقصان پہنچایا مگر ہرقل سے شکست کھانے کے نتیجہ میں ایسا بوکھلایا کہ اپنے یمنی وائسرائے کو حکم بھیجا کہ نبوت کے دعویدار عربی کو گرفتار کر کے میرے پاس بھیجا جائے (والعیاذ باللہ!) لیکن اس سے پہلے کہ اس کی یہ مجرمانہ آرزو پوری ہو خود خسرو پرویز اپنے ہی بیٹے کے ہاتھوں قتل ہو چکا تھا (۳۲)!

نجرانی پادریوں کے جس وفد کو حبشہ سے نجاشی کے بھیجے ہوئے وفد سے بعض لوگوں نے خلط ملط کیا ہے وہ درست نہیں ہے کیونکہ نجران کے پادری نجاشی کے حبشی احباب سے قطعی مختلف تھے اور وہ مکہ کے بجائے مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے تھے اور ان کی آمد کا مقصد مناظرہ اور مباہلہ تھا جس میں وہ لاجواب ہو گئے مگر وہ اخلاق وسیرت پاک سے متاثر ہوئے بغیر بھی نہ رہ سکے اور واپس جانے سے پہلے انہیں یہ تسلی بھی ہو گئی تھی کہ حضرت محمد ﷺ ہی نبی منتظر ہیں اور سیدنا مسیح علیہ السلام کی بشارت کا صحیح مصداق بھی آپ ہی ہیں جو ان کی اناجیل اربعہ کے علاوہ انجیل برناباس میں خصوصاً واضح طور پر موجود ہے (قرائن سے اندازہ ہوتا ہے کہ نجران کے پادریوں کے پاس انجیل برناباس کا اصلی یونانی نسخہ تھا جسے مسیحی دنیا آج تک چھپاتی پھرتی ہے، مگر اس کا عربی اور انگریزی ترجمہ موجود و متداول ہے، اس کی یونانی اصل ویانا کی شاہی لائبریری میں مقفل موجود ہے اور یہ امکان بھی رد نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ نے بھی اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور سمجھا ہوگا اسی لئے تو وہ ہر موقع پر یہ بات بڑے وثوق سے کہتے تھے کہ بشارت مسیح کا صحیح مصداق آپ ﷺ ہی ہیں!!)

اسلام کی اشاعت وتقویت کے ضمن میں نجاشی کے عملی کردار کا یہ پہلو خصوصی اہمیت کا حامل ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اس کی عقیدت ومحبت تو بہت پختہ تھی ہی مگر آپ کے احترام اور اطاعت کے علاوہ تحریک اسلامی کے مراحل پر اس کی توجہ بھی ہمیشہ حجاز پر ثابت

اور مرکوز رہی، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شب و روز کے معاملات سے کبھی بھی غافل نہیں ہوا! وہ بھی حضرت اویس قرنی کی طرح حاضر خدمت ہونے، زیارت سے مشرف ہونے اور نعلین پاک سر آنکھوں پر لگانے کا متمنی رہا! اور اس کا سب سے بڑا ثبوت وہ شفقت و اہتمام ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نجاشی کے لئے اللہ تعالیٰ کا خصوصی کرم و فضل تھا! وہ برملا اعتراف کرتا تھا کہ نبی منتظر اور بشارت مسیح علیہ السلام کا اصل اور صحیح مصداق حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں (۳۳)! اور یہ کہ وہ ان نشانیوں اور علامات کی تصدیق کر چکا ہے جو تورات و انجیل میں نبی منتظر کے حوالے سے مذکور ہیں! عقیدت و عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں وارفتگی اور دیوانگی میں نجاشی نے حبشہ کے تاج و تخت کی بھی پروانہ کی اور اپنے دائرہ اثر میں شامل اہل حبشہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور اسلام کا حلقہ بگوش ہونے کی تلقین بھی کرتا رہا! اہل حبشہ کے وفود مکہ مکرمہ اور پھر ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں بھی مسلسل آتے رہے، صحبت سے مشرف ہوتے رہے اور صحبت و ایمان کی دولت سے سرفراز ہو کر واپس لوٹتے رہے!

حافظ شمس الدین ذہبی نے نجاشی کی وہ گفتگو تفصیلاً نقل کی ہے جو اس نے اپنے بھرے دربار میں حبشی سرداروں اور پادریوں کی موجودگی میں کی تھی، نجاشی نے کہا تھا (۳۴):

> يَا مَعشَرَ القِسيسِينَ والرهبانِ! مَا تَزِيدُونَ عَلى ما يقولُ هؤلاء ما يزن هذا! فمرحباً بكُمْ وبِمَن جِئتُمْ من عندِهِ، وَأَنَا أشهدُ أنّهُ، نَبِيٌّ، ولودِدتُ أنى عندَه فأحملَ نعليهِ۔ او قال أخدمه۔ فانزلوا حيث شئتُم مِن أرضِى

"یعنی اے پادریوں اور راہبوں کی جماعت! تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ان مسلمانوں کے اس بیان پر کوئی ایسا اضافہ کرنے سے قاصر ہو جو اس تنکے کے برابر ہو، تو اے مسلمانو! میں تمہیں خوش آمدید کہتا ہوں اور اس ہستی کو بھی کہ جن کے پاس سے تم آئے ہو! میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ

کے نبی ہیں! کاش میں ان کے پاس ہوتا توان کے جوتے بھی اٹھاتا۔ یا شاید
اس نے کہا تھا کہ میں ان کی خدمت بجالاتا۔ اب تم میرے ملک میں جہاں
چاہو رہ سکتے ہو!''

خدمت وتقویت اسلام کے ضمن میں نجاشی کی کوششوں اور عملی اقدامات میں یہ واقعہ تو اپنی نوعیت کا نادر اور انوکھا واقعہ ہے جسے امام ابوالقاسم سہیلی نے بیان کیا ہے اس سے جہاں نجاشی کی عقیدت ومحبت کا اندازہ ہوتا ہے جوان کے دل میں اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تھی وہاں اس سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ وہ قدیم الاسلام اور پختہ ایمان کے علاوہ خودکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نمائندہ اور مبلغ تصور کرتا تھا جو اس بات کا بھی غماز ہے کہ قیام حجاز کے دوران میں ہی وہ اسلام کے رنگ میں رنگا جاچکا تھا اور شمع رسالت کا پروانہ بھی بن چکا تھا یہ اور اسی قسم کے واقعات ہیں جو شہادت احوال یا (Circumstancial Evidece) کا حکم رکھتے ہیں کہ اسے صحبت مصطفوی کا شرف حاصل تھا اور حضرت عمرو بن العاص فاتح مصر۔ (جنہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رجل حکیم یعنی مرددانا کا لقب دیا تھا)۔ کا نجاشی کے ہاتھ پر قبول اسلام بھی اس کی تائید کرتا ہے، ابن ہشام نے محمد بن اسحاق سے نقل کیا ہے(۳۵) کہ اسلام کی بڑھتی ہوئی اشاعت وقبولیت اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شاندار فتوحات اور کامیابیوں کو دیکھتے ہوئے ایک دن عمرو بن العاص السہمی نے قریش میں اپنے بعض معتمد علیہ احباب سے کہا تھا کہ غلبہ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر معمولی کامیابیوں اور فتوحات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ایک دن ہم سب کی زندگیاں اس نئی طاقت کے ہاتھ میں ہوں گی اس لئے مجھے ایک خیال آیا ہے، جو ہمارے لئے نجات کا وسیلہ بن سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم نجاشی کے ہاں چلے جاتے ہیں اور فیصلہ کن گھڑی میں اپنے لئے یوں رستہ بنالیں گے کہ اگر تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم غالب آگئے تو نجاشی کے ذریعے ہمیں معافی مل جائے گی بصورت دیگر ہم اپنے کامیاب لوگوں سے آن ملیں گے چنانچہ ہم نے بادشاہ کے لئے مکہ سے اس کے پسندیدہ تحفے جمع کر لئے اور حبشہ چلے گئے، ہم نجاشی کے

پاس بیٹھے تھے، اتنے میں مجھے عمرو بن امیہ ضمری نظر آئے جنہیں رسول اللہ ﷺ نے حضرت جعفر طیار اور ان کے ساتھی مہاجرین کے سلسلے میں بھیجا تھا، میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا: لو یہ ہے عمرو بن امیہ ضمری! اگر میں بادشاہ سے اس کو مانگ لوں اور اس کی گردن ماردوں تو قریش کے لوگ بہت خوش ہوں گے اور سمجھیں گے کہ میں نے حضرت محمد ﷺ کے سفیر کو قتل کر کے قریش کا بدلہ لیکر دکھا دیا ہے اور یہ ان کے لئے بڑی تسلی واطمینان کا باعث ہوگا (معلوم ہوتا ہے کہ عمرو بن عاص اپنی غیر معمولی ذہانت اور ہوشیاری کے باوجود ان تعلقات اور اس دوستی سے ناواقف تھے جو ان تین ہستیوں کے درمیان تھی یعنی رسول اللہ ﷺ، نجاشی اور عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ، کہ مسلمان نہ ہونے کے باوجود بھی رسول اللہ نے انہیں تین چار مرتبہ اپنا سفیر بنا کر نجاشی کے پاس بھیجا تھا!!)

چنانچہ عمرو بن عاص نے نجاشی سے کہا کہ یہ شخص جو ابھی آپ کے پاس سے باہر گیا ہے وہ ایک ایسے شخص کا ایلچی ہے جو ہمارا دشمن ہے اور اس نے ہمارے بہت سے سر کردہ شرفاء کو قتل کیا ہے، اگر آپ کی اجازت ہو تو میں اسے قتل کردوں؟! نجاشی نے غضبناک ہو کر عمرو کے منہ پر زور کا تھپڑ دے مارا، یوں لگا جیسے اس کی ناک کٹ گئی ہے اور وہ شرم کے مارے زمین میں گڑ گیا، تب اس نے بادشاہ سے کہا کہ جناب اگر مجھے آپ کے تعلقات وجذبات کا اندازہ ہوتا تو میں نے جو کہا کبھی نہ کہتا (۳۶)!

نجاشی نے کہا: عمرو! غور سے سنو! یہ اس پیغمبر ﷺ کا سفیر ہے جو مقدس پیغام اور عظمت شان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے ہیں! میری مانو اور ان کے پیروکار بن جاؤ، اللہ کی قسم! وہ رسول برحق ہیں اور انہوں نے ہر حال میں غالب اور فاتح ہونا ہے وہ اپنے دشمن پر اسی طرح غالب آئیں گے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون مصر کو شکست فاش دے کر سمندر میں غرق کر دیا تھا! چنانچہ عمرو نے نجاشی سے (یہ بھانپ کر کہ نجاشی تو حب رسول اور اسلام کے رنگ میں رنگا جا چکا ہے) یہ کہا کہ کیا آپ حضرت محمد ﷺ کے دین اسلام کے لئے مجھے بیعت کا شرف بخشیں گے؟ نجاشی نے اثبات میں جواب دیتے ہوئے عمرو سے

نبی ﷺ کے لئے بیعت لی (۳۷)! یہ واقعہ جہاں نجاشی کی خدمت واشاعت اسلام میں حصہ لینے کا واضح ثبوت ہے وہاں اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ اور نجاشی کے باہمی تعلقات واعتماد اتنا گہرا تھا جس کا کسی کو علم یا اندازہ بھی نہ تھا حتیٰ کہ عمرو بن العاص جیسے غیر معمولی ذہین اور فطین دانائے قریش کو بھی نہ تھا!!

دین اسلام کی سب سے بڑی خدمت مسلمان مہاجرین کا تحفظ اور ان کی بہتری کو ہر حال میں نبھانا اور پیش نظر رکھنا تھا، وہ رسول اللہ ﷺ کی توقعات پر پورے اترے، حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ خوشنودی کے حصول کے ساتھ ساتھ، شفقت مصطفوی اور زبان پیغمبر ﷺ سے دعائے مغفرت کے مستحق بھی ٹھہرے (۳۸)، یہی دنیا وآخرت کی سب سے بڑی کامیابی ہے، جو حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ نجاشی کے ہاں کسی پر ظلم نہیں ہوتا جس کا مقصد یہ تھا کہ وہ اپنے زیر سایہ خلق خدا پر کسی کو بھی ظلم نہیں کرنے دیتے چہ جائیکہ وہ خود اس کے مرتکب ہوں، وہ حکمران عادل تھے اس لئے نہ خود ظلم کے مرتکب ہوتے اور نہ ان کی قلمرو میں کوئی اور ایسا کر سکتا تھا! بزرگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کے ہاں عدل وامن کی عملداری کا اعتراف کرتے تھے ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا یہ ارشاد تو تقریباً ہر کتاب سیرت، تذکرہ صحابہ اور تاریخ میں بکثرت اور تکرار کے ساتھ آیا ہے (۳۹) کہ:

نَزَلْنَا الْحَبَشَةَ فَجَاوَرْنَا خَيْرَ جَارِ النَّجَاشِيِّ، أَمِنَّا عَلٰى دِينِنَا وَعَبَدْنَا اللّٰه عزوجل لَا نُؤْذٰى وَلَا نَسْمَعُ شَيْئًا نَكْرَهُهُ

"یعنی ہم حبشہ میں فروکش ہوئے تو ہمیں نجاشی جیسا بہترین پڑوسی اور ہمسایہ ملا، ہمارا دین بھی محفوظ ہو گیا، ہم اپنے رب تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے، ہمیں کوئی تکلیف نہ تھی اور ہمیں کوئی ناپسندیدہ بات بھی نہیں سننا پڑتی تھی!"

حضرت ام المؤمنین کا یہ بے لاگ مگر خوبصورت تبصرہ ہے جس میں اس امن وچین کی جھلک بھی نظر آتی ہے جو عدل وانصاف کا نتیجہ ہوتا ہے، اس میں نجاشی کا عدل بھی دکھائی دیتا

ہے اور ہر قسم کے شر سے تحفظ کی ضمانت بھی نمایاں ہوتی ہے!!

مہاجرین حبشہ کے قدموں کے پاکیزہ اور روح پرور نشانات کا تتبع کیا جائے اور ہر قدم پر ان کے دفاع میں بلند ہونے والی نجاشی کی آواز کو سنا جائے، ان کے امن اور چین کے لئے شاہی اقدامات کا جائزہ لیا جائے تو اس سے جہاں رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کی صداقت ایک حقیقت بن کر ابھرتی ہے کہ "حبشہ پر ایک ایسا شخص حکمران ہے جس کے ہاں کسی پر ظلم نہیں ہوتا" تو ساتھ ہی اس ارشاد نبوی کی معنویت بھی کھل کر سامنے آتی ہے کہ وَهِيَ أَرْضُ صِدْقٍ یعنی حبشہ کی سرزمین ہمارے لئے دوستی اور سچائی کی سرزمین ہے!

جس عزت و احترام اور محبت و اہتمام کا مظاہرہ حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کی حبشہ آمد پر کیا تھا اس سے کفار مکہ حسد اور عناد کی آگ میں جلنے لگے تھے! پھر قریش کے چالاک سفیر نے مسلمانوں کی بات سنے بغیر چپ چاپ ہی انہیں واپس لے جانے کی کوشش کی اور یہ سمجھ بیٹھا تھا کہ نجاشی قریش کے قیمتی تحائف کے زیر بار ہو کر اس کی ہر بات مانتا جائے گا مگر اسے ٹکا سا جواب مل گیا اور بادشاہ غیرت اسلامی سے طیش میں آ گیا اور صاف صاف اعلان فرما دیا، علامہ ذہبی کے الفاظ ہیں (۴۰):

> فَغَضِبَ النجاشي ثم قال: لاھا الله ایذا! لا أُسلِمُهُم اِلَیهِم! قَومٌ جَاوَرُونِي وَ نَزَلُوا بِلَادِي وَاختَارُونِي عَلَى سِوَايَ، حتى أَدعُوهُم فَأَسئَلُهُم عَمَّا يَقُولان

> "یعنی بادشاہ غضبناک ہو گیا اور پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ کی قسم یہ کبھی نہیں ہوگا، میں انہیں ان لوگوں کے سپرد نہیں کروں گا! یہ وہ لوگ ہیں جو میرے سایہ میں آئے اور میرے ملک میں آئے ہیں! انہوں نے سب کو چھوڑ کر میرے جوار اور سایہ میں رہنا پسند کیا ہے، میں تو انہیں ضرور بلاؤں گا اور وہ باتیں ضرور سنوں گا جو ان کے بارے میں یہ دونوں کہتے ہیں!"

حضرت نجاشی کی ناراضگی اور غیظ و غضب کی وجہ یہ تھی کہ ایک تو وہ کفار مکہ اور ان کے

چالاک سفیر حضرت عمرو بن العاص کی تراکیب اور حیلوں کو بخوبی سمجھتے تھے، دوسرے وہ تحائف وصول کرنے والے اپنے پادریوں اور حبشی سرداروں کی فطرت سے بھی آگاہ تھے، تیسرے وہ ایک عادل و منصف حکمران تھے جو کسی پر ظلم یا کسی کے خلاف زیادتی گوارا نہیں فرماتے تھے، یہ کوئی عدل و انصاف کی بات نہیں کہ صرف مدعی کا دعوی سننے کے بعد ہی مدعا علیہ کے خلاف فیصلہ دے دیا جائے بلکہ ملزم یا مدعا علیہ کو بھی صفائی کا پورا موقع ملنا چاہیے اس لئے حضرت عمرو کی محض شکایت پر فیصلہ دینا بے انصافی ہوتی، چنانچہ عدل کا تقاضا پورا کیا گیا جس سے نجاشی کے عدل و انصاف کا بول بالا ہوتا ہے!

نجاشی کو یہ اندازہ بھی تھا کہ قریش مکہ کا سفیر جو اتنی ہوشیاری اور ترکیب سازی کا مظاہرہ کر رہا ہے، ہو سکتا ہے وہ حبشہ کے پادریوں کو مسلمانوں کے خلاف اکسائے اور لوگ مذہبی فسادات پر نہ اتر آئیں (یہی تو وہ ترکیب ہے جو تنگ نظر اور تنگ دل ہندو برہمن مسلمانوں کے خلاف چودہ سو سال سے آج تک استعمال کر رہا ہے کہ جونہی کسی مسلمان کو خوشحال دیکھتا ہے یا کسی صوفی مبلغ کو اچھوتوں میں تبلیغ اسلام کرتے دیکھتا ہے تو مذہبی فسادات کرا دیتا ہے!؟) چنانچہ بھرے دربار میں مسلمانوں کو امان اور تحفظ کا یقین دلاتے ہوئے اعلان کیا کہ: واللہ! اِذْهَبُوا فَاَنْتُم شُيُومٌ بِأَرْضِي یعنی بخدا جاؤ عیش کرو! تم میرے ملک میں مامون ومحفوظ ہو! اور ساتھ ہی یہ الفاظ تین مرتبہ دہرائے تاکہ سب کے ذہن نشین ہو جائیں: ''جس نے تمہارے ساتھ لڑائی جھگڑا کیا تو اس پر جرمانہ ہوگا!'' حافظ ذہبی نے بیان کیا ہے کہ نجاشی نے قریش کے سفیروں سے کہا تھا کہ اگر تم مجھے ان حقیر تحائف کی جگہ سونے کا پہاڑ بھی دے دو تو پھر بھی میں مسلمانوں کو تمہارے حوالے نہیں کروں گا، پھر حضرت جعفر طیار سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آپ عدل اور امن میں رہیے، اور ساتھ ہی مسلمانوں کے لئے وظائف بھی مقرر کر دیئے تھے (۴۱)!

مسلمان مہاجرین گویا شاہی مہمان تھے، ان کے آرام و سکون اور تحفظ کا غیر معمولی اہتمام کیا گیا، نجاشی کو مسلمانوں کا جو خیال تھا اس کا اندازہ اس حقیقت سے بھی لگایا جا سکتا

ہے کہ دعوت حق کی تائید اور نبی منتظر کی تصدیق کے جرم میں نجاشی کے خلاف حبشہ میں کئی بغاوتیں بھی ہوئیں جن پر اس نے بہادری، حوصلے اور حسن تدبیر سے قابو پالیا تھا، ایک حبشی سردار تو اس کے مدمقابل کے طور پر سامنے بھی آ گیا اور بہت بڑی فوج کے ساتھ میدان میں آیا تھا، اس میدان جنگ میں اترنے سے پہلے خطرے کے پیش نظر نجاشی نے مسلمانوں کی واپسی کے لئے کشتیاں اور دیگر سامان سفر بھی تیار کرا دیا تھا اور کہا تھا کہ اگر میں شہید ہو گیا تو آپ لوگ فوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چلے جانا اور حقیقت حال کہنے کے ساتھ ساتھ میرا اسلام بھی عرض کر دینا (۴۲) مگر اللہ تعالیٰ نے نجاشی کو فیصلہ کن فتح نصیب فرمائی اور مسلمانوں کے واپس ہونے کی نوبت ہی نہ آئی مگر جب مدینہ منورہ سے سفارت آئی کہ اب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سمیت تمام مسلمانوں کو واپس بھیج دیا جائے تو نجاشی نے بڑی عزت کے ساتھ مسلمانوں کو رخصت کیا (۴۳)، مہاجرین حبشہ چونکہ پانچ یا چھ سنہ نبوی میں گئے تھے اور آٹھ سنہ ہجری میں واپس آئے اس لئے حبشہ میں ان کا قیام کم سے کم تیرہ چودہ سال بنتا ہے، اس طویل قیام کے باوجود مسلمان نجاشی کی مہمان نوازی سے بہت خوش اور مطمئن تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی نجاشی کی اس خدمت سے خوش اور اس کی بے حد قدر کرتے تھے!!

نجاشی اویسی فطرت صدق و وفا کا حامل تو تھا ہی، اس میں بلالی جذبہ محبت و اطاعت بھی تھا، وہ حبشہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و شان اور صفات حمیدہ کا مبلغ اور علمبردار بھی تھا، اس نے مکہ اور مدینہ میں حبشی وفود بھیجنے کا سلسلہ ہمیشہ جاری رکھا، یہ حبشی لوگ آتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نذرانہ محبت و عقیدت کے پھول نچھاور کرتے اور ہدایت سے سرفراز ہو کر واپس جاتے تھے، لگتا ہے کہ تبلیغ اسلام اور شان مصطفیٰ بیان کرنے میں اس نے اپنی رعایا میں سے کسی سے ڈرنا یا کسی کا لحاظ کرنا بھی چھوڑ دیا تھا حتیٰ کہ ابن حجر عسقلانی کے الفاظ میں وہ اپنی قوم میں ایک اجنبی (اصبح غریبا بین قومه!) بن گیا تھا! وہ مدینہ سے دور اسی غریب الوطنی میں فوت ہوا اور دعاء و استغفار مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے نوازا گیا حتیٰ کہ اس کے احترام اور لحاظ میں مجاہدین اسلام کو حبشہ پر حملہ کرنے یا اسے فتح

کرنے سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا تھا! نجاشی خود تو اُویسانہ مجبوریوں کے باعث مدینہ منورہ میں حاضر نہ ہو سکا مگر اس نے اپنا تمام گھرانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل کی خدمت کے لئے وقف کر دیا تھا، پہلے ایک حبشی وفد کے ہمراہ اپنے ایک بیٹے ارحا کو بھیجا مگر کشتی غرق ہو جانے کے باعث وہ حبشی وفد سمیت ڈوب گیا تو دوسرے بیٹے کو روانہ کر دیا اور پھر تیسرے بیٹے ابو نیزر کی باری آئی تو نجاشی کے اس خوش نصیب فرزند نے اپنے والد کی وفات کے بعد اہل حبشہ کے وفد کو یہ کہہ کر ان کی طرف سے تاج و تخت کی پیشکش کو ٹھکرا دیا تھا کہ میں اس پر آل مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی اور خدمت کو ترجیح دیتا ہوں!

نجاشی اگرچہ دین اسلام پر پختہ ایمان رکھتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عقیدت میں وہ حضرت اویس قرنی کے ہم پلہ اور اطاعت و فرماں برداری میں وہ حضرت بلال سے کم نہ تھا مگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال اخلاق و آداب یہ گوارا نہ کرتا تھا کہ حکومتی رسوم اور شاہی آداب کو ملحوظ نہ رکھا جائے، جب بھی کچھ فرمانا ہوتا یا کوئی خدمت مطلوب ہوتی تو باقاعدہ ''سرکاری ایلچی'' بھیجا جاتا جیسے یہ معاملات دو حکمرانوں یا بادشاہوں کے درمیان ہوں! ایک طرف شاہ مدینہ ہیں اور دوسری جانب شاہ حبشہ ہے، یہ دراصل آپ کے اپنے فرمان پر عمل کا مظہر تھا جب آپ فرماتے ہیں کہ اَنْزِلُوا النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ (لوگوں کے لئے ان کا جائز اور موزوں مرتبہ ہمیشہ ملحوظ رکھا کرو) لیکن نجاشی کا کمال یہ تھا کہ ان کا کوئی قدم، کوئی لفظ یا کوئی اشارہ ایسا نہ تھا جس سے بادشاہت کی بو آتی ہو یا بڑائی کا اظہار ہوتا ہو، بڑی عاجزی، تواضع اور انکساری ان کی ہر بات اور ہر معاملہ کا امتیازی نشان ہوتا تھا!

مہاجرین حبشہ کی جس جماعت کے ساتھ ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو نجاشی نے رخصت کیا اس جماعت کو لانے کے لئے بھی حضرت عمرو بن امیہ ضمری، رضی اللہ عنہ، کو بطور سفیر بھیجا گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کا فریضہ بھی خود نجاشی نے انجام دیا تھا اور نکاح میں شریک ہونے والوں کی خاطر و مدارات کا انتظام بھی انہوں نے خود ہی کیا تھا اور رخصت ہوتے وقت ام المؤمنین کی خدمت میں قیمتی تحفے بھی پیش کئے تھے، نجاشی کا وطن گویا حضرت ام حبیبہ کا

میکا بن گیا تھا، یہ سب کچھ رسول اللہ ﷺ کی خوشنودی کے لئے تھا! نجاشی سب مہاجرین سے یہ درخواست کرتا جارہا تھا کہ سرکار ﷺ سے میرے لئے مغفرت کی دعا کی ضرور درخواست کرنا اور میرا عقیدت مندانہ سلام بھی عرض کرنا چنانچہ یہ سنکر رسول اللہ ﷺ نے بلند آواز سے فرمایا تھا اَللّٰھُمَّ اغْفِرِ النَّجَاشِی اے اللہ نجاشی کی مغفرت فرما!

نجاشی رضی اللہ عنہ، محب و عاشق مصطفیٰ ﷺ تو تھے ہی مگر جو جذبہ محبت واحترام آل ہاشم و آل محمد ﷺ کا ان کے دل میں جاگزیں تھا وہ بھی حیرت انگیز ہے، معلوم ہوتا ہے کہ وہ بلادِ بنوضمرہ میں قیام کے دوران میں جب کبھی موقع پا کر مکہ مکرمہ جاتے ہوں گے تو صنادید قریش اور قائدین بنی ہاشم سے بھی ضرور ملتے ہوں گے کیونکہ قریش مکہ کے تجارتی قافلے شام اور یمن کی طرح حبشہ بھی جاتے تھے اور ان کی قیادت اکثر و بیشتر سرداران بنی ہاشم (حضرت ہاشم، حضرت عبدالمطلب اور حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہم) کے ہاتھ میں ہوتی تھی، اس لئے یہ نہیں ہوسکتا کہ بنوہاشم کے سردار نجاشی، ان کے خاندان، والد کے چچا کے ہاتھوں قتل ہونے اور شہزادے کے غلام بن کر فروخت ہونے کی اندوہناک خبر سے آگاہ نہ ہوں یا ذہین و سنجیدہ شہزادہ ان سے شناساں نہ ہو، رسول اللہ ﷺ پر ایمان اور ان کی محبت وعقیدت کے ساتھ ساتھ سرداران بنی ہاشم سے بھی وہ اچھی طرح واقف تھے کیونکہ اس وقت تک قرآن کریم میں آل نبی اور آپ کے اقارب سے محبت کا حکم ربانی مکی سورت شوریٰ میں آچکا تھا، نیز حضرت ابو طالب کے مشہور بائیہ قصیدہ سے بھی یہ مترشح ہوتا ہے کہ ان کے اور نجاشی کے درمیان بے تکلفانہ تعلقات تھے، غالباً اسی وجہ سے نجاشی اور حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہما کے درمیان بھی گہری دوستی ومحبت اور بیحد پیار تھا بلکہ دونوں گھرانوں کی خواتین کے درمیان بھی بہت پیار تھا!

امام سہیلی نے ذکر کیا ہے کہ جس روز حضرت جعفر کے ہاں عبداللہ پیدا ہوئے اسی روز نجاشی کے ہاں بھی بیٹا پیدا ہوا، چنانچہ نجاشی نے حضرت جعفر سے پوچھ بھیجا کہ آپ نے اپنے بیٹے کا نام کیا رکھا ہے، انہوں نے بتایا کہ میں نے تو اپنے بیٹے کا نام عبداللہ رکھا ہے،

چنانچہ نجاشی نے بھی اپنے نومولود کا نام عبداللہ رکھا اور اس کے ساتھ ہی حضرت جعفر کی بیگم اسماء بنت عمیس سے یہ درخواست بھی کی کہ وہ فرزند نجاشی کو دودھ پلائیں! اس طرح دونوں ہم نام نومولود رضاعی بھائی بھی بن گئے اور فرزند نجاشی آل نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مربوط ہو کر بھائی بھائی بھی بن گئے! سہیلی کے الفاظ ہیں:

فَكَانَا يَتَوَاصَلَانِ بِتِلْكَ الْأُخُوَّةِ

”چنانچہ اس رشتہ اخوت و برادری کے طفیل وہ دونوں ایک دوسرے سے صلہ رحمی کا سلوک کرتے تھے!“

یہ اور اسی قسم کے تعلقات اور لین دین یا برتاؤ سے نجاشی رضی اللہ عنہ کی یہ تمنا اور کوشش ہوتی کہ جس طرح بھی ممکن ہو آل نبی سے رشتے اور تعلقات بنا کر آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل کی جائے، ایک پناہ گزین اور مہاجر خاندان سے ملک کے بادشاہ کا اس طرح وابستگی اور رشتہ داری کا آرزومند ہونا جہاں حضرت نجاشی کی عظمت و دریا دلی کی دلیل ہے وہاں اس سے نجاشی کا آل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت، سرپرستی اور رشتہ داری کا خواہشمند ہونا بھی واضح ہے! آج حضرت جعفر اور حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہما کے رضاعی بیٹے اور حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کے بھائی عبداللہ نجاشی کو کون جانتا ہے؟ بنو ہاشم کا وہ رضاعی بیٹا کیا ہوا؟! تاریخ نے اس ہیرے کو خاک گمنامی کی نذر نہیں کر دیا؟ تو آیئے مل کر تاریخ کی اس متکبرانہ اور جاہلانہ روش پر آنسو بہاتے بلکہ اس کا ماتم کرتے ہیں!! مگر نہیں! یہ عبداللہ بن اصحم بن نجاشی گم یا گمنام نہیں ہوا بلکہ یہی عبداللہ ابو نیزر ہے جو صحابی ہونے کا شرف بھی رکھتا ہے، خادم رسول بھی تھا اور عمر بھر فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کے گھرانے کا غلام بیدام بنکر خدمت کرتا رہا!

دربارِ نجاشی میں سفیرِ نبوی عمرو بن امیہ الضمری

حضرت ابوامیہ عمرو بن امیہ بن خویلد الضمری رضی اللہ عنہ کو یہ سبقت حاصل ہے کہ وہ بلادِ عرب سے باہر کسی بادشاہ کے دربار میں نہ صرف یہ کہ پہلے سفیر نبوی ہونے کا شرف رکھتے ہیں بلکہ انھیں یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ وہ کم از کم چار مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر بن کر حبشہ گئے اور چاروں مرتبہ کامیاب و کامران رہے (۱)! ان کے مقابلے میں حضرت عمرو بن عاص بھی تین بار قریش کے سفیر بن کر نجاشی شاہِ حبشہ کے دربار میں حاضر ہوئے اور تینوں بار بری طرح ناکام ہوئے حالانکہ وہ داھیۃٌ من دھاۃ العرب (بلا کے ذہین اور چالاک عرب) قائدین میں شمار ہوتے تھے (۲)!

حضرت عمرو بن امیہ ضمری تھے تو مشہور قبیلہ بنوضمرہ سے جو مقام بدر کے آس پاس آباد تھا لیکن انھیں قریش کا داماد ہونے کا شرف بھی حاصل ہے، ان کی قریشی بیوی کا نام سُخَیلہ بنت عبیدہ بن الحارث بن المطلب ہے اور یہ معلوم ہے کہ المطلب حضرت ہاشم کے سگے بھائی تھے (۳)، یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت عمرو بن امیہ اسلام لانے سے پہلے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قابل اعتماد دوست تھے اور ایک دو مرتبہ انہیں قبول اسلام یا اعلان اسلام سے پہلے بھی سفیر نبوی بننے کا اعزاز حاصل ہوا! وہ چونکہ ضمری تھے اور نجاشی اپنی شہزادگی میں غلام بن کر بنوضمرہ کے ایک تاجر کی ملکیت میں رہے، اس کی بکریاں اور اونٹ چراتے رہے، اسی لئے اس دوران میں حضرت عمرو بن امیہ کے نجاشی سے دوستانہ تعلقات بھی قائم ہوئے اور ان دونوں۔ نجاشی اور عمرو۔ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعتماد اور دوستی بھی نصیب ہوئی یہ لازوال دوستی دم واپسیں تک قائم و دائم رہی بلکہ خدمتِ انسانیت اور تقویت اسلام کے بھی کام آئی!

حضرت عمرو بن امیہ نے غزوۂ بدر اور غزوۂ احد میں مشرکین مکہ کا ساتھ دیا مگر جنگ احد کے بعد اسلام قبول کرلیا اور کئی ایک سرایا اور غزوات میں بھی شریک ہوئے تمام تذکرہ

نگار اس پر متفق ہیں کہ حضرت عمرو بن امیہ ضمری کا شمار عرب کے بہادروں اور داناؤں میں ہوتا ہے، وہ ایک جرأت مند اور ہوشیار جنگجو تھے (۴)، اسلام لانے کے بعد سب سے پہلے وہ معرکہ بئر معونہ میں شریک ہوئے جس میں ان کے سوا تمام حفاظ و مبلغ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید کر دیئے گئے، عمرو کو قبیلہ بنو عامر کے لوگوں نے قید کر لیا مگر سردار قبیلہ عامر بن طفیل کی ماں نے ایک غلام آزاد کرنے کی منت مان رکھی تھی اس لئے عامر نے عرب کے دستور (دستور تھا کہ قیدی کو غلام بنانے کی بجائے ماتھے کے بال بطور نشانی کاٹ کر چھوڑ دیتے تھے) کے مطابق عمرو بن امیہ کے ماتھے کے بال کاٹ کر انہیں آزاد کر دیا، عمرو نے ہی مدینہ پہنچ کر اس المناک اور ظالمانہ واقعہ کی تفصیل بتائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ٹھیک ہے تو بھی ان شہیدوں کا ساتھی ہی تو تھا وہ تو قتل ہو گئے مگر تجھے شہادت نصیب نہ ہو سکی (۵)!

ابن سعد نے لکھا ہے کہ عمرو بن امیہ واقعہ بئر معونہ کے بعد واپس آ رہے تھے، جب وہ مدینہ کے قریب پہنچے تو انہیں بنو کلاب کے دو آدمی ملے، انہیں دشمن قبیلہ کے افراد سمجھ کر اکیلے ہی ان دونوں پر ٹوٹ پڑے اور ان میں سے ایک کو مار ڈالا دوسرے کو قیدی بنا لائے!

چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنو کلاب کے ان دونوں آدمیوں کو امان دے چکے تھے اس لئے آپ نے ان کی دیت ادا کر دی، اس سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہودی قبیلہ بنو نضیر کے لوگوں سے بھی مدد لینا پڑی تھی (۶)!

حضرت عمرو بن امیہ ضمری ہمیں دو اور مہمات میں بھی شرکت کرتے نظر آتے ہیں جن کا ذکر دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا، ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہل مکہ کی عداوت کے باوجود تالیف قلوب کے لئے ان کی مالی امداد فرماتے رہتے تھے خصوصاً قحط، وبا اور مصیبت کے وقت حضرت عبداللہ بن علقمہ خزاعی بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کچھ مال دے کر ابوسفیان کے پاس مکہ مکرمہ بھیجا تاکہ وہ مال قریش کے غریبوں میں تقسیم کر دیا جائے، مجھے آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اپنے ساتھ کسی اور کو بھی لے لو، عمرو بن امیہ ضمری میرا ساتھ دینے کے لئے تیار ہو گئے، جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا تو

آپ نے فرمایا تھا جب تم بلاد بنوضمرہ کے پاس سے گزرو تو اپنے اس بھائی سے ذرا محتاط رہنا، جب ہم وہاں پہنچے تو عمرو نے کہا کہ میں اپنے قبیلے کے کچھ لوگوں سے ملنا چاہتا ہوں مگر جب وہ واپس آئے تو ان کے ساتھ ان کے قبیلے کے کچھ لوگ بھی نظر آئے جن کے پاس اسلحہ تھا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے اپنے اونٹ کو دوڑا دیا اور بچ کر نکل گیا پھر عمرو بھی مجھ سے آن ملے (غالباً بنوضمرہ کے کچھ بدوراہ گیروں کو لوٹتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اس معمول سے واقف تھے!) مکہ مکرمہ پہنچ کر وہ مال ابوسفیان کے سپرد کیا تو وہ کہنے لگے: ان سے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر حسن سلوک کرنے والا اور صلہ رحمی کرنے والا کوئی اور کہاں ہوگا! ہم تو ان سے جنگ کرتے ہیں اور ان کے خون کے پیاسے ہیں مگر وہ ہیں کہ ہم سے صلہ رحمی اور حسن سلوک جاری رکھے ہوئے ہیں (۷)!!

دوسری دلچسپ مہم وہ ہے جس میں حضرت عمرو بن امیہ اور اسلم بن حَرِیش انصاری کو ایک سریّہ کی شکل میں ابوسفیان کو ہدف بنانے کے لئے روانہ کیا گیا تھا، ابوسفیان کی نگرانی میں قریش مکہ نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو سولی پر چڑھایا تھا اور ان کی لاش کو وہیں سولی پر چھوڑ دیا تھا، ابوسفیان کو جب عمرو اور ان کے ساتھی کی آمد کا پتہ چلا تو بہت گھبرایا اور اس نے اپنے آدمی ان کے پیچھے لگا دیئے، وہ دونوں چھپ گئے، مکہ کے قریب ایک غار میں وہ دونوں چھپے ہوئے تھے کہ کفار مکہ کا ایک آدمی عبیداللہ بن مالک تیمی حضرت عمرو بن امیہ کے قابو میں آ گیا، انہوں نے اس کا کام تمام کر دیا، پھر ایک اور مشرک ہاتھ لگا جو طویل القد اور آنکھ سے کانا بھی تھا اسے بھی عمرو نے مار ڈالا، پھر حضرت عمرو بڑی تیزی سے حضرت خبیب کو سولی سے اتار کر لانے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آنے کے لئے کامیاب ہو گئے، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے حد خوش ہوئے اور حضرت عمرو بن امیہ کے لئے آپ نے دعا بھی فرمائی (۸)!

یہ واقعات و مہمات جہاں حضرت عمرو بن امیہ ضمری کی شجاعت اور جرئت پر دلالت کرتی ہیں وہاں ان سے ان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتماد کا بھی پتہ چلتا ہے، ان سے یہ بھی

واضح ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ دیگر قبائل سے واقفیت کی طرح قبیلہ بنو ضمرہ کے اعرابیوں اور بدوؤں کی عادات سے بھی بخوبی واقف تھے، مقام ابواء بھی بلاد بنو ضمرہ میں ہی ہے جہاں سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا دفن ہیں (۹)، اپنی والدہ ماجدہ کی قبر پر کئی بار آپ کا تشریف لانا بھی ثابت ہے اس لئے قبیلہ بنو ضمرہ کے لوگوں سے آپ کی میل ملاقات بھی بعید از قیاس نہیں ہے، یہیں پر غلام شہزادہ نجاشی اور عمرو بن امیہ ضمری کو بھی شرف ملاقات نصیب ہوا ہوگا اور یہی میل ملاقات اس دوستی و اعتماد کی بنیاد بنا ہوگا جس نے آگے چل کر ہجرت حبشہ کے ضمن میں بہت اہم کردار ادا کرنا تھا!!

حافظ ابن حجر (۱۰) نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عمرو بن امیہ سے بیس کے قریب احادیث مروی ہیں اور ان کے تین بیٹوں۔ جعفر، عبداللہ اور فضل۔ نے ان سے یہ احادیث روایت کی ہیں، وہ حضرت امیر معاویہ کے عہد میں (غالباً ساٹھ ہجری میں) فوت ہوئے (۱۱)!

حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ، رسول اللہ ﷺ کے پہلے سفیر ہیں جو بلاد عرب سے باہر کسی بادشاہ کے پاس بھیجے گئے اور ایک سے زیادہ بار بھیجے گئے مگر صرف ایک ہی بادشاہ کے حضور اور وہ تھے حضرت نجاشی شاہِ حبشہ! وہ اس بادشاہ کے پاس تین چار مرتبہ سفارت کا بارِ امانت لے کے گئے اور ہر بار کامیاب و کامران لوٹے! ان کے مقابلے میں حضرت عمرو بن عاص سہمی جیسا ''حکیم قریش یعنی قریش کا دانا اور زیرک آدمی'' اور داهِيَةٌ من دُهاة العرب یعنی عرب کا انتہائی چالاک لوگوں میں سے ایک چالاک عرب (۱۲) تھے وہ ہر بار ناکام و نامراد لوٹے، آخری مرتبہ تو نجاشی کے گھونسے سے اپنی ناک بھی تڑوا بیٹھے تھے! یہ حقائق ثابت کرتے ہیں کہ حضرت عمرو بن امیہ ضمری کس اہلیت اور صلاحیت کے مالک تھے اور یہ بھی کہ وہ اپنے انتخاب کرنے والے کا انتخاب لاجواب بھی تھے! یہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی قائدانہ نگاہ دوررس اور مردم شناسی کی بھی زندہ جاوید مثال تھے!!

حضرت عمرو بن امیہ ضمری کی بہادری، جرأت اور ہوشیاری کے جوہرِ اتم سے بھی نوازے گئے تھے، طبری اور ابن اثیر کے علاوہ دیگر مورخین نے بھی ان کے چست اور

چالاک حملہ آور ہونے کا اعتراف کرتے ہوئے یہ جملہ لکھا ہے کہ کَانَ فاتِکًا مُتَشَیِّطنًا فِی الجَاھِلِیَّۃِ یعنی زمانہ جاہلیت میں قبول اسلام سے پہلے وہ ایک بے انتہا چالاک حملہ آور" مشہور تھے (۱۳)، چنانچہ انہیں ابوسفیان جیسے جہاں دیدہ سپہ سالار کے مقابلہ پر عسکری مہمات کی قیادت بھی سونپی گئی چنانچہ وہ ہر بار کامیاب ہوئے اور ابوسفیان دیکھتا ہی رہ گیا! خلفائے راشدین کے زمانے میں بھی وہ کئی ایک عسکری مہمات میں شریک ہوتے رہے اور ہر میدان میں فتح نے ان کے قدم چومے، زندگی کے آخری ایام میں انہوں نے مدینہ شریف میں اپنا گھر بنا لیا تھا اور یہیں وہ حضرت امیر معاویہ کے زمانہ خلافت میں فوت ہوئے اور جنت البقیع میں دفن کئے گئے (۱۴)، عمرو بن امیہ ضمری اسلامی تاریخ کی ایک قابل فخر شخصیت ہیں اور عہد نبوی اور پھر خلفائے راشدین کے زمانے میں ان کے سیاسی سفارتی اور عسکری کارنامے زندہ جاوید مثالیں ہیں! رسول اللہ ﷺ کے لئے ان کی شاندار خدمات سیرت نبوی کے لازوال نقوش اور حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ کے پر اعتماد دوست کی حیثیت سے وہ اخلاص، وفا، ثابت قدمی اور فرض شناسی کا ایک ایسا ستارہ نظر آتے ہیں جو ہمیشہ اسلامی تاریخ کے افق بلند پر اپنی چمک دمک دکھاتا رہے گا!

سفیر قریش عمرو بن عاص نجاشی کے حضور میں

حضرت عمرو بن عاص سہمی قریش کے ایک قبیلہ بنو سہم سے تعلق رکھتے ہیں، ان کا سلسلہ نسب یوں ہے: عمرو بن العاص بن وائل بن ہاشم بن سُعید بن سہم (۱) بن عمرو بن هُصَیص بن کعب بن لؤی، آپ کی والدہ کا نام سُلمیٰ بنت حرملہ اور لقب النابغہ تھا جو بنو عنزہ سے تھیں مگر قیدی بنا کر مکہ مکرمہ میں لائی گئیں اور کچھ مدت تک انہیں لونڈی کی حیثیت سے بکتے بکاتے زندگی گذارنا پڑی تھی مگر بالآخر وہ العاص بن وائل سہمی کے عقد میں آگئیں (۲)، حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کے والدہ کی طرف سے دو سوتیلے بھائی بھی تھے، وہ عمر میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے بڑے تھے، وہ خود بتایا کرتے تھے کہ میں سات سال کا تھا جب امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تھے، حضرت عمرو اتالیس یا بیالیس ہجری میں تقریباً نوے سال کی عمر میں فوت ہوئے (۳) جبکہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ۶۳ سال کی عمر میں شہادت پائی یعنی عمر کی تقریباً وہی مقدار جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئی تھی! حافظ ابن عبدالبر (۴) نے ذکر کیا ہے کہ ان کے ایک سوتیلے بھائی عمرو بن اثاثہ عدوی مہاجرین حبشہ میں بھی شامل تھے (جہاں عمرو تین چار مرتبہ قریش کے سفیر بنکر گئے مگر ہر بار ناکام لوٹے!) شاید عمرو کو یہ علم بھی نہ ہو کہ ان کی والدہ کے پیٹ سے جنم لینے والا ان کا ایک سوتیلا بھائی بھی وہاں موجود ہے!)

ظہور اسلام سے قبل اور ایمان لانے سے پہلے عمرو بن عاص خوبصورت نوجوان ہونے اور کچھ کر دکھانے کی ہمت اور امنگ کے باوجود کوئی قابل ذکر مقام حاصل نہ کر پائے تھے حالانکہ عرب انہیں دُھَاۃُ العرب یعنی عربوں کے چالاک اور ہوشیار لوگوں میں شمار کرتے تھے (حافظ ابن حجر اور حافظ ابن عبدالبر کے علاوہ حافظ ابن کثیر اور حافظ شمس الدین ذہبی وغیرہ سب نے امام شعبی کا قول نقل کیا ہے کہ عمرو اسلام کی تاریخ کے چار دُھاۃ (واحد داہیہ یعنی بہت چالاک، ہوشیار آدمیوں میں سے ایک تھے) اسلام لانے کے بعد ہی وہ اپنی

ذہانت، چالاکی اور ہوشیاری سے وہ مقام پانے میں کامیاب ہو گئے جس کے وہ آرزومند تھے حتیٰ کہ قبول اسلام سے پہلے قریش کے سفارت کار بنکر بھی وہ اپنی آرزو کی تکمیل میں بری طرح ناکام ہوئے! وہ کامل ایمان مرد مومن حضرت نجاشی اور رسالت مآب ﷺ کے سفیر باتدبیر حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کی حکمتِ عملی کی تہ تک نہ پہنچ سکے اور ان پر آخر میں جا کر یہ راز کھلا کہ شاہ حبشہ تو کبھی کے ایمان کی دولت اور عشق مصطفیٰ ﷺ سے سرفراز ہو چکے ہیں! رسول اللہ ﷺ حضرت عمرو بن عاص کو اسلام قبول کرنے سے پہلے "قریش کا مرد دانشمند" (رجل حکیم) کہتے تھے مگر قبول اسلام کے بعد انہیں "قریش کے مرد صالح" کی حیثیت سے یاد فرماتے تھے (۵)! مگر یہ عمرو بن عاص کا کمال نہیں بلکہ یہ تو رسول اللہ ﷺ کی جوہر شناسی کا کمال ہے! جب حضرت عمرو بن العاص کو قریش کا مردِ حکیم و دانشمد فرمایا گیا تو اس وقت مہاجرین حبشہ کو ان کی چالاکیوں سے ہوشیار رہنے کی تاکید مقصود تھی جسے خطیب بنی ہاشم سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے پلے باندھ لیا تھا اور "کامل ایمان مرد مؤمن" حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ اور سفیر نبوت حضرت عمرو بن امیہ ضمری نے اپنی امانتدارانہ رازداری کی مدد سے قریش کے سفیر و مرد دانشمند کی ہر چال کا توڑ لا کر ناکام بنا دیا! سفیر قریش کی ہر برمحل ہوشیاری اور موقع بموقع ناکام چالاکیاں ہی ان کے قبول اسلام اور راہِ ہدایت پانے کا سبب اور وسیلہ بن گئیں!

یہ صلح حدیبیہ اور فتح خیبر کی درمیانی مدت اور سنہ آٹھ ہجری کی بات ہے کہ قریش کے قبیلہ بنو مخزوم کا فرزند اور ایک عبقری جرنیل خالد بن ولید اور قریش کے قبیلہ بنو سہم کا چالاک (داہیہ) سفیر عمرو بن العاص سہمی حضرت عثمان بن طلحہ کے ہمراہ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کا رخ کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں جنہیں آتا دیکھ کر رسالتمآب ﷺ کی زبانِ معجز بیان ان کا یوں استقبال فرماتی اور صحابہ کرام کو متوجہ کرتی (۶) ہے کہ قَدْ رَمَتْكُمْ مَكَّةُ بِأَفْلَاذِ كَبِدِهَا (لو! مکہ مکرمہ نے اپنے جگر کے ٹکڑے تمہارے پاس پھینک دیئے ہیں!"

لیکن حضرت عمرو بن العاص کے قبول اسلام کا واقعہ بڑا ہی انوکھا، دلچسپ اور عبرت

آموز ہے جو مورخین، سیرت نگاروں اور تذکرہ نویسوں کی وہ توجہ نہیں حاصل کر پایا جس کا یہ سزاوار اور حقدار تھا! حافظ ابن حجر (۷) نے زبیر بن بکار اور الواقدی کی مستند روایت کی بنیاد پر ذکر فرمایا ہے کہ حضرت عمرو نے حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ کے دست مبارک پر اس وقت اسلام قبول کیا جب وہ سرزمین حبشہ میں تھے (اِنَّ اسلامہٗ کانَ علی یَدِ النجاشی دھو بارض الحبشۃ یہی بات حافظ ابن عبدالبر نے بھی لکھی ہے کہ "سنہ آٹھ ہجری میں عمرو بن عاص مسلمان کی حیثیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، وہ نجاشی کے پاس اسلام قبول کر چکے تھے (قد أسلَمَ عِندَ النجاشی!)۔ "اِنَّہٗ لَمْ یَأْتِ مِنْ أرْضِ الحبشۃِ اِلَّا مُعْتَقِدا لِلْاِسلام" یعنی وہ سرزمین حبشہ سے اسلام کے حلقہ بگوش بنکر ہی لوٹے تھے! یہ دونوں جلیل القدر محدث اور عظیم تذکرہ نگار اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتنی ہی مجمل اور مبہم صراحت پر اکتفا کرتے ہوئے خاموش ہو جاتے ہیں! وہ سفیر قریش جو کئی سال تک مسلمانوں کو حبشہ سے نکلوانے بلکہ نجاشی سے ان کی سپردگی لیکر اور گرفتار کر کے لے آنے کے لئے ٹکریں مارتا اور ٹھوکریں کھاتا رہا تھا اپنی تمام تر ذہانت اور چالاکی اور تدابیر یا حیلوں کے باوجود بھی مسلمانوں کا بال بیکا کرنے میں بری طرح ناکام ہوا وہ آخرکار اسی نجاشی کے ہاتھ پر اسلام قبول کرنے پر کیسے مجبور ہو گیا تھا!؟ یہ کیوں اور کیسے ہوا؟! حضرت ابن حجر اور حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ اس کا جواب ڈھونڈھنے کے بجائے خاموشی اختیار فرماتے ہیں، تاہم ان کا یہ اعتراف فرمانا بھی بہت بڑی بات ہے کہ حضرت عمرو بن العاص جیسے جلیل القدر عبقری اور عظیم صحابی نے شاہ حبشہ اصحم بن ابجر نجاشی رضی اللہ عنہ کے دست مبارک پر بیعت کرتے ہوئے قبول اسلام کا شرف حاصل کیا تھا! مگر ہم دو اور عظیم و جلیل محدثین، سیرت نگاران اور تذکرہ نویسانِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حافظ شمس الدین ذہبی صاحب (سیر اعلام النبلاء) اور حافظ ابن کثیر دمشقی صاحب (البدایۃ والنہایۃ)، رحمۃ اللہ علیہ کے ممنون و احسان مند ہیں جو نہ صرف اس راز سے پردہ اٹھاتے ہیں بلکہ کہانی کی دلچسپ تفاصیل بھی پیش کرتے ہیں (۹)! یہ کہانی خود حضرت عمرو کی زبانی بیان ہوتی ہے، وہ فرماتے ہیں (۱۰)۔

''میں اسلام کے خلاف عناد رکھتا تھا، غزوہ بدر میں مشرکین کے ساتھ تھا مگر بچ نکلا، پھر جنگ احد میں بھی شریک ہوا اور بچ نکلا، پھر غزوہ خندق میں بھی شرکت کی لیکن بچ نکلا تھا، پھر میں نے اپنے دل میں کہا: میں کب تک اس دوڑ میں لگا رہوں گا؟ بخدا ایک نہ ایک دن حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قریش پر ضرور فتح پائیں گے! تب میں اپنے مال واسباب اور اپنے قبیلے کے لوگوں سے جاملا اور عام لوگوں سے میل ملاقات بھی کم کر دی! پھر جب صلح حدیبیہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس چلے گئے اور قریش کے لوگ بھی مکہ لوٹ آئے، تب میں نے اپنے دل سے کہا: آئندہ سال حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مکہ مکرمہ میں فاتحانہ داخل ہو جائیں گے، پھر تو ہمیں مکہ یا طائف میں بھی کوئی پناہ نہیں ملے گی اور بھاگ نکلنے کے سوا کوئی اور رستہ بھی نہیں ہوگا، میں اسلام سے تو ابھی بہت دور ہوں، میرا خیال ہے کہ اگر تمام قریش مکہ بھی مسلمان ہو گئے تو بھی میں مسلمان نہیں ہوں گا! تب میں مکہ میں گیا، اپنے قبیلہ کے لوگوں کو اکٹھا کیا جو میرے خیال سے متفق تھے، میری سنتے تھے اور اپنی مشکلات میں مجھے آگے رکھتے تھے، میں نے ان سے سوال کیا: آپ کی میرے بارے کیا رائے ہے؟ وہ کہنے لگے: آپ کی رائے ہی ہماری رائے ہوتی ہے، آپ کی رائے درست اور مفید ہوتی ہے! میں نے ان سے کہا: آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ حیرت انگیز طور پر بلند سے بلند تر ہوتا جا رہا ہے، اس لئے میں نے ایک رائے قائم کی ہے، انہوں نے پوچھا: کون سی رائے ہے؟ میں نے انہیں بتایا کہ ہم نجاشی سے جاملتے ہیں اور پھر اسی کے پاس رہیں گے؟ اب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو غلبہ حاصل ہو گیا تو نجاشی کے ہاں پناہ کے طفیل ہم محفوظ ہوں گے، یہ ہمارے لئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضہ میں آنے سے زیادہ بہتر ہوگا! اور اگر قریش کو غلبہ حاصل ہو گیا تو پھر وہ تو ہم سے آگاہ ہیں ہی، سب دوستوں نے میری اس رائے کو پسند کیا!

''پھر میں نے اپنے دوستوں کو نجاشی کے لئے تحائف اکٹھے کرنے کے لئے کہا، شاہ حبشہ کے لئے ہمارے ہاں کے پسندیدہ تحائف چمڑے کی چیزیں تھیں چنانچہ ہم نے بہت

سا صاف چمڑا اکٹھا کرلیا اور نجاشی کے ہاں پہنچ گئے! بخدا ہم ابھی بادشاہ کے پاس ہی بیٹھے تھے کہ عمرو بن امیہ ضمری (رضی اللہ عنہ) بھی وہاں آ گئے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نجاشی کے نام وہ خط لیکر آئے تھے جس میں حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان سے حضور کے عقد نکاح کے لئے کہا گیا تھا، وہ خط پہنچا کر جب دربار شاہی سے باہر گئے تو میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا: دیکھو یہ ہے عمرو بن امیہ ضمری اگر میں تنہائی میں بادشاہ سے اس کا سر مانگ لوں اور اسے ٹھکانے لگا دوں تو اس سے قریش کو بہت خوشی ہوگی! یوں دراصل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر کو قتل کر کے میں قریش کا انتقام لے لوں گا!

''چنانچہ میں دوبارہ نجاشی کے پاس گیا، میں نے حسب معمول اس کے سامنے سجدہ کیا، تو وہ کہنے لگا: مرحبا! میرے دوست کیا تو اپنے وطن سے میرے لئے کوئی تحفہ لایا ہے؟ میں نے عرض کیا: ہاں بادشاہ سلامت! آپ کے لئے چمڑے کے بہت سے تحفے لایا ہوں! میں نے جب تحفے پیش کئے تو نجاشی کو بہت پسند آئے جن میں سے کچھ اس نے اپنے پادریوں میں بانٹ دئے اور باقی کو مخصوص جگہ رکھنے اور ان کا ریکارڈ محفوظ کرنے کا حکم دیا! میں نے دیکھا کہ بادشاہ بہت خوش ہوا ہے اور بہت اچھے موڈ میں ہے۔ اس لئے میں نے اپنا مدعا عرض کرتے ہوئے کہا کہ بادشاہ سلامت! ابھی ابھی ایک آدمی آپ کے پاس سے باہر گیا ہے وہ ہمارے ایسے دشمن کا سفیر ہے جس نے ہمارے چنے ہوئے اشراف کو قتل کر کے ہمارے جذبہ انتقام کو بھڑکا دیا ہے، اس لئے اس سفیر کو میرے حوالے کر دیجئے میں اسے قتل کرنا چاہتا ہوں مگر بادشاہ غضبناک ہو گیا اور غصہ میں میری ناک پر ایک گھونسا دے مارا مجھے یوں لگا جیسے اس نے میری ناک توڑ دی ہے، میرے نتھنوں سے خون کے فرانے پھوٹ پڑے اور میرے کپڑے خون سے لت پت ہو گئے! مجھے ایسی ذلت اور رسوائی محسوس ہوئی کہ دل نے چاہا کہ زمین پھٹ پڑے اور مجھے نگل لے! میں نجاشی کے غیظ وغضب کو دیکھ کر کانپنے لگا اور عرض کیا کہ اگر مجھے علم ہوتا کہ آپ کو میری بات اس قدر بری اور ناپسندیدہ لگے گی تو آپ سے کبھی نہ کہتا! بادشاہ کو بھی ایک گونا ندامت سی محسوس ہوئی اور

مجھ سے کہنے لگا: "عمرو! کیا تو اس ہستی کے سفیر کو مجھ سے مانگ کر قتل کرنا چاہتا ہے جن پر وہی ناموس اعظم (فرشتہ) نازل ہوتا ہے جو سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے لئے پیغام ربانی لیکر نازل ہوتا تھا؟!" حضرت عمرو فرماتے ہیں کہ اس سے اللہ تعالیٰ نے میرے دل کی کیفیت بدل دی، میں نے اپنے دل میں کہا کہ دیکھ! ایک یہ نجاشی ہے جس نے حق کو پہچان لیا ہے بلکہ تمام عرب وعجم بھی اس سچائی کو جان چکے ہیں اور ایک۔ اے عمرو۔ تو ہے جو اس سچائی کی مخالف سمت میں چلا جا رہا ہے!؟ پھر میں نے عرض کیا: بادشاہ سلامت! کیا آپ اس سچائی کی دل سے شہادت دیتے ہیں؟! بادشاہ نے کہا: ہاں عمرو! میں اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر اس سچائی پر گواہ ہوں! تو میری مان اور ان پر ایمان لے آ: میں اللہ تعالیٰ کی قسم سے کہتا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں، حق پر ہیں! وہ اپنے مخالفین پر اسی طرح ضرور غالب آئیں گے جس طرح موسیٰ علیہ السلام فرعون اور اس کے لشکر پر غالب آئے تھے!"

"میں نے عرض کیا: تو کیا آپ مجھ سے ان کے لئے اسلام کی بیعت لے سکتے ہیں؟ بادشاہ نے کہا: ہاں کیوں نہیں! اس نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور اسلام کی خاطر مجھے بیعت کیا، پھر ایک تھال منگوایا، میرا خون دھویا اور مجھے خلعت پہنائی، میرے ساتھی مجھے شاہی خلعت میں دیکھ کر بہت خوش ہوئے! مگر میں نے اندر کی بات کسی کو بتانا پسند نہ کیا اور کسی کام کے بہانے ان سے اجازت لیکر نکل پڑا، بندرگاہ پر کشتی تیار ملی جلدی سے اس میں سوار ہو گیا!"

حضرت عمرو بن العاص کا یہ بیان محمد بن عمرو اقدی اور امام بیہقی سے حافظ ذہبی اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہم، نے نقل کیا ہے، یہ جہاں عبرتوں سے لبریز ہے وہاں یہ حضرت عمرو بن العاص کی ذہانت و فطانت اور داہیانہ عبقریت کا بھی آئینہ دار ہے! وہ اب تک یہی سمجھتے رہے تھے کہ نجاشی ایک عادل، مہمان نواز اور خداترس بادشاہ ہے جو مظلوم مسلمانوں کا حامی و ناصر بن گیا ہے مگر بادشاہ کے غیظ و غضب اور شدید ردعمل سے عمرو نے بھانپ لیا تھا کہ بات بہت گہری ہے! نہ جانے نجاشی کب کا مسلمان ہو چکا ہے اور اگر واقعی وہ مسلمان ہو چکا ہے، تو پھر مجھے بیعت بھی ضرور کرلے گا! اس ردعمل نے حکیم قریش کی حالت دگرگوں

کردی اور وہ رسول اللہ ﷺ کے الفاظ میں قریش کا صرف مرد حکیم ہی نہیں مرد صالح بھی بن چکے تھے! رضی اللہ عنہ وأرضاه!

مخاطب کے انداز گفتگو سے اس کے اندر کی حقیقت کو بھانپ لینا حضرت عمرو بن العاص کی ذہانت و عبقریت کے کمالات میں سے ہے، اس کی ایک مثال یہ واقعہ بھی ہے جسے حافظ ابن عبدالبر نے نقل کیا ہے (۱۱)، کہتے ہیں کہ کسی مخالف نے ایک آدمی کو لالچ دیکر اس بات کے لئے تیار کیا کہ جب عمرو بن العاص منبر پر ہوں تو ان سے ان کی والدہ کے متعلق سوال کرے! سائل کے فوری جواب میں حضرت عمرو نے کہا: "میری والدہ کا نام سلمی بنت حرملہ عنزی تھا جن کا لقب النابغہ تھا، اس پر عربوں نے تیروں کی بارش کردی تھی پھر انہیں عکاظ کے بازار میں فروخت کیا گیا، پہلے فاکہ بن مغیرہ نے پھر عبداللہ بن جدعان نے انہیں خریدا اس کے بعد وہ العاص بن وائل کے پاس آگئیں، ان کے لئے اچھے بیٹے جنے! اب اگر کسی نے تجھے کچھ دینے کا وعدہ کر رکھا ہے تو جا اس سے جاکر اپنا حق وصول کر لے اور موج کر!"

قبول اسلام کے بعد حضرت عمرو بن العاص کی عزت اور مرتبہ میں بہت اضافہ ہوا اور انہیں اپنی ذہانت اور لیاقت کے جوہر دکھانے کا موقع بھی نصیب ہوا، معرفت اور شجاعت کے ساتھ ساتھ ہمت اور ہنرمندی کے باعث رسول اللہ ﷺ ان کی بہت عزت کرتے تھے اور کئی ایک مہمات انکے سپرد فرماتے رہے، ذات السلاسل کی جنگ میں انہیں حضور ؐ نے سپہ سالار بنایا اور بعد میں کمک کی ضرورت پڑی تو حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم کو بھی ان کی قیادت میں محاذ پر بھیجا تھا (۱۲) انہیں عمان کا حاکم بھی مقرر کیا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں انہیں شام کے محاذ پر مقرر کیا گیا، حلب، منبج، انطاکیہ اور قنسرین انہوں نے ہی فتح کئے اور انہیں فلسطین کا حاکم بھی مقرر کیا گیا، حضرت عمر کے عہد خلافت میں ہی انہیں فتح مصر کی مہم سونپی گئی اور پھر اس کی امارت بھی انہی کے حصہ میں آئی، صفین کی جنگ اور مسئلہ تحکیم یا ثالثی میں ان کا کردار ضرورت سے زیادہ ہوشیاری

کے باعث خوشگوار نہ تھا، تاہم یہ ان کی ذہانت وعبقریت کا منہ بولتا یقینی ثبوت ضرور ہے۔ (۱۳)

حافظ ابن عبدالبر کے نزدیک عمرو بن العاص، خالد بن ولید اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہم فتح مکہ سے چھ ماہ پہلے سنہ آٹھ ہجری میں دربار نبوی میں حاضر ہوئے، وہ اگرچہ حبشہ سے تو سیدھے مدینہ منورہ حاضر ہونے کی نیت سے روانہ ہوئے تھے مگر بعض وجوہات کے باعث سفر مدینہ میں تاخیر ہوئی، ایک قول کے مطابق ان کی وفات ۴۳ھ میں ہوئی، اس وقت ان کی عمر نوے سال سے اوپر تھی (۱۴)۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ الاصابہ میں نقل کرتے ہیں (۱۵) کہ "صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن شماسہ کی زبانی نقل کیا گیا ہے کہ حضرت عمرو بن العاص کی وفات کا وقت آیا تو وہ رونے لگے، ان کے فرزند حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص نے پوچھا کہ آپ کس بات پر رو رہے ہیں؟ تب انہوں نے اپنے قبول اسلام کی کہانی تفصیل کے ساتھ سنا دی، یہ بھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر حیاء کرتے تھے کہ ان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے ہوئے بھی جھجکتے تھے!"

حرفِ آخر

بات سے بات کیسے نکلتی ہے اور جب نکلتی ہے تو کہاں تک پہنچتی ہے اور کیسے پہنچتی ہے؟ اس کی ایک مثال یا عملی نمونہ یہ مختصری کتاب ہے جسے پڑھتے ہوئے آپ یہاں تک، پہنچے ہیں!! اردو میں سیرت طیبہ، علی صاحبہا الصلاۃ والسلام، کے حوالے سے ایک کتاب پر سرسری نگاہ ڈالتے ہوئے میری نظر ایک سطر پر آ کر جم گئی، لکھا تھا کہ حضرت جعفر طیار، رضی اللہ عنہ، کی عربی میں تقریر سننے کے بعد پھر انہی کی زبان سے سورت مریم کی کچھ آیات کی تلاوت سنکر حضرت نجاشی، رضی اللہ عنہ، نے آنسوؤں سے اپنی ڈاڑھی بھگولی تھی!! میرے ذہن میں فوری سوال یہ آیا کہ حبشہ کے ایک بادشاہ نے (اور اس کے بعض درباری پادریوں نے) ایک قریشی خطیب عرب کی تقریر اور پھر اس کی زبان سے آیات کریمہ براہ راست عربی میں سنکر سب کچھ کیسے سمجھ لیا تھا! صرف یہی نہیں بلکہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق بھی کی اور مقدس کتاب میں موجود نبی منتظر کی علامات کا صحیح مصداق بھی انہیں ہی قرار دے دیا تھا؟!

اس کے بعد میں نے مشہور مصادر تاریخ وسیرت کی ورق گردانی اور مطالعہ شروع کیا تو ہجرت حبشہ کی کہانی یوں سامنے آئی کہ جب کفار مکہ کی طرف سے مسلمانوں پر تشدد حد سے بڑھ گیا اور انہیں اذیت پہنچا کر ان سے اسلام چھڑوانے میں شدت آگئی تو شفیق و کریم رسول صادق و امین صلی اللہ علیہ وسلم نے تفرقوا (پھیل جاؤ) کا حکم دیتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ حبشہ چلے جاؤ جہاں کا حکمرانِ عادل کسی پر نہ تو ظلم کرتا ہے نہ ہونے دیتا ہے، مزید فرمایا کہ اِنَّھَا اَرْضُ صِدْقٍ (حبشہ تو سچائی یا دوستی کی سرزمین ہے)۔

یہاں پر پھر ایک نئے سوال نے چونکا دیا کہ نجاشی کو کس اعتماد سے منصف بادشاہ قرار دیا جا رہا ہے جو نہ خود ظلم کرتا ہے نہ کسی پر ظلم ہونے دیتا ہے؟ چلیے فرض کر لیتے ہیں کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے حبشہ آنے جانے والوں کی زبانی سنا ہوگا یا اپنے خاندان کے کسی بزرگ کے ہمراہ نجاشی کا ملک دیکھا ہوگا جس طرح حضرت ابو طالب کے ہمراہ شام دیکھا تھا مگر یہ

حبشہ کو ارض صدق یعنی سچائی یا دوستی کی سرزمین کیسے قرار دیا جارہا ہے؟ کیا اس لئے کہ وہ انبیاء واولیاء کی سرزمین ہے کہ اسے سچائی کی زمین یا سراپا سچ کی زمین کہا جائے؟ یا اگر وہ دوستی کی سرزمین ہے تو پھر کس کا دوست اور کون تھا؟ حبشی قریش کے دوست تھے؟ وہی قریشی جو مسلمانوں کے ازلی دشمن تھے!؟ ان کے دوستوں کی سرزمین کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھلا کیونکر تعریف فرماسکتے تھے؟! تمام کتب سیرت، تاریخ اور لغت چھان ماریں مگر زبانِ مبارک سے ادا ہونے والے لفظ أَرْضُ صِدْقٍ پر کسی بزرگ نے توجہ نہیں فرمائی، گویا ان کے نزدیک یہ عام عربی محاورہ ہی تھا مگر یہ محاورہ زبانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر یونہی تو نہیں آسکتا تھا نا! آخر اس کی کوئی وجہ یا پس منظر تو ہوگا؟!

الغرض بات سے بات نکلتی چلی گئی اور سوال سے سوال پیدا ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ یہ مختصری کتاب تمام روداد سفرِ علمی بتانے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوگئی ہے! مگر جب بات چلی تو اس کتاب کے کچھ مقاصد بھی قرار پاگئے، جن میں سے پہلا مقصد تو یہ ٹھہرا کہ ایک مسیحی ملک میں مسلمان مہاجرین یا پناہ گزین کیا طرزِ عمل اختیار کریں؟ بلکہ کسی بھی بیرونی ملک میں مسلمانوں کا رویہ کیا ہونا چاہیے تاکہ وہ اس اجنبی ملک میں عارضی ہی سہی، کیسے شہری بنکر ٹھہریں تاکہ اپنے اس عارضی قیام کے دوران میں اپنے میزبان ملک کے لئے مفید اور کارآمد شہری ثابت ہوں؟ کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کم سے کم پندرہ سال تک مملکت حبشہ کے شاہی مہمان یا عارضی شہری بنکر ٹھہرے رہے تھے، ظاہر ہے پندرہ سال بڑی مدت ہے اور اس مدت کے متعلق معلوماتی مواد اگرچہ نہ ہونے کے برابر ہے مگر پھر بھی بکھرے ہوئے ٹکڑے جمع کرکے ایک کہانی بنائی جاسکتی ہے اور اس سے بہت سی باتیں نکل سکتی ہیں اور بہت سے سبق اور عبرتیں حاصل کی جاسکتی ہیں!

ان مقاصد میں سے ایک مقصد یہ بھی تھا کہ ہجرت حبشہ کی روشنی میں آج کے اس پرفتن دور میں بلکہ مصری سکالر ڈاکٹر محمد البراوعی کے الفاظ میں اس "فریب کاری کے دور (The age of Deception)" میں آج کی مسیحی دنیا کے ساتھ کیسے بات چیت چلائی جائے

اور مسیحی مغرب کو یہ کیسے بتایا جائے کہ ابتدائی عہد کی مظلوم اور ستائی ہوئی مسیحیت کے ساتھ اسلام کے تعلقات قابل فخر بھی تھے اور عبرت آموز بھی تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ستائے ہوئے مظلوموں پر کس طرح شفقت فرمائی، ان کا دفاع کیسے کیا اور ان کے ساتھ کس طرح حسن سلوک کا عملی مظاہرہ کیا، ان کو تحفظ دیا اور ان کی تمام شکایات سنیں اور درخواستیں قبول فرمائیں مگر بدقسمتی سے بعد میں رومی شہنشاہیت کی سیاست بازی اور یہود کی وسیسہ کاری نے بات بگاڑ دی! اگر رومی سیاست بازی اور یہود کی تخریب کاری نہ ہوتی تو عصر حاضر کے مسلم۔ مسیحی تناؤ، بدگمانی اور تصادم کی کبھی نوبت ہی نہ آتی، اب وقت کا پہیا الٹا تو نہیں گھمایا جاسکتا مگر چونکہ تاریخ تو اپنے آپ کو دہراتی ہی رہتی ہے اس لئے اس کا رخ درست سمت میں موڑا جاسکتا ہے! اور مسلم۔ مسیحی تعلقات کا ایک نیا دور شروع کیا جاسکتا ہے! اور آج امریکی سیاست بازی اور صیہونی تخریب کاری کے آثار قبیحہ کا بھی تدارک کیا جاسکتا ہے کیونکہ جس صلیبی مخمصہ سے سفید مغرب آج تک نجات نہیں پاسکا (حتیٰ کہ جارج واکر بش نے بھی صیہونیت کے اکسانے پر جب اسلامی دنیا پر تازہ اور شاید آخری صلیبی یلغار مسلط کی تو چھوٹتے ہی اسے صلیبی جنگ یا کروسیڈ قرار دے دیا تھا مگر بعد میں بزدل فریب کار اس سے پھر گیا اور اسے وحشت گردی کے خلاف جنگ کا نام دے دیا جسے انکل سام آج بھی جاری رکھے ہوئے ہے اور شاید اس وقت تک جاری رکھے جب تک اسرائیلی صیہونیوں اور بھارتی برہمنوں کی تسلی نہیں ہو جاتی!)

یہ صلیبی جنگیں سفید مغرب نے یہود کی تخریب کاری اور پاپائے روم کے اکسانے پر اسلامی مشرق پر مسلط کی تھیں (اس میں کسی مسلمان کا کوئی بھی دخل نہ تھا) مگر چار سو سال تک یہ ظالمانہ یلغار جاری رکھنے کے بعد سفید مغرب کو ناکام ہی لوٹنا پڑا تو مغرب نے نہ صرف خود شکست کھائی بلکہ اس کے اکسائے ہوئے تاتاری سیلاب کا بھی عین جالوت کے معرکے نے تاریخ کا رخ موڑ دیا اس لئے سفید مغرب اس کی تلخی کو آج تک بھلا نہیں پایا۔ صیہونیت کا نیا جادو۔ اسلاموفوبیا۔ بھی مغرب کے لئے ایک نیا ڈراؤنا خواب ہے اسی لئے ایک موہوم

دشمن۔ اسلام۔ کے خلاف یورپ سمیت انکل سام نے بھی صیہونی گھوڑے پر سوار ہو کر ایک نیا صلیبی فساد شروع کر رکھا ہے حالانکہ یہ صیہونی گھوڑا ہے بہت بے وفا اور بے ادب بلکہ احسان فراموش بھی ہے، یہ پہلے کتنے ہی مسلمان بادشاہوں بلکہ یورپی حکمرانوں کو بھی ''دولتی'' مار چکا ہے اب اگر نئے سوار انکل سام کو بھی اس صیہونی گھوڑے کی ''دولتی'' لگ گئی جو ابھی لگنے ہی والی ہے۔ تو اس کے بعد انکل سام بھی سرخ سامراج کی طرح بکھر جائے گا اور تاریخ میں ایک داستان عبرت بنکر رہ جائے گا! پھر رہے رب کا نام!

مورخ کی سرسری نظر تو یہی کچھ دیکھتی، دکھاتی اور ہمیں بتاتی رہی کہ نجاشی حبشہ کا ایک بادشاہ تھا جو عادل و منصف مانا جاتا تھا اسی لئے رسول اللہ ﷺ کے حکم سے صحابہ کرام، رضی اللہ عنہم نے اپنی جان اور ایمان بچانے کے لئے اس کی سرپرستی اور سایہ عدل میں پناہ لی، بادشاہ نے نہ صرف انہیں پناہ دی اور انہیں کفار مکہ کے سپرد کرنے سے بھی صاف انکار کیا بلکہ تحفظ دینے کے علاوہ انہیں اپنے ملک کے شاہی مہمان کی حیثیت بھی دی اور رسول اللہ ﷺ کے حکم پر جب وہ مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہونے لگے تو اپنی طرف سے دو جہاز مہیا کروائے اور انہیں خود الوداع کہا۔

لیکن کچھ مورخ، سیرت نگار اور تذکرہ نویس کہانی کی تفاصیل کی گہرائی میں بھی گئے اور بتایا کہ نجاشی کے چچا نے اس کے والد کو قتل کروا دیا تھا اور اسے غلام بنا کر بیچ دیا تھا مگر اچانک اس کا چچا آسمانی بجلی کی زد میں آکر بھسم ہو گیا اور اس سے پہلے کہ خریدار تاجر غلام کو لیکر چلا جاتا حبشی سرداروں نے اسے رستہ میں ہی جا لیا اور نجاشی کو لا کر تخت پر بٹھا دیا!

مگر اس کہانی کا ایک تیسرا اسیاق اور بیان (Version) بھی ہے جو قدرے مفصل، مربوط، معقول اور قابل فہم بھی ہے جسے ثقہ موزخین، سیرت نگاروں اور اہل علم وفضل نے پیش کیا ہے، اس کے مطابق نجاشی کے چچا نے اس کے والد کو قتل کروا کر تخت پر قبضہ کر لیا اور شہزادے کو غلاموں کی منڈی میں فروخت کروا دیا جسے ایک حجازی تاجر خرید کرلے گیا تھا، یہ تاجر عرب قبیلہ بنوضمرہ سے تھا اور ان کے علاقے کو بلادِ بنوضمرہ کہتے ہیں، یہاں پر غلام شہزادہ

اپنے آقا کے اونٹ اور بکریاں چراتا رہا ذہین مگر غلام شہزادہ نے یہیں پر عربی زبان میں بھی کمال حاصل کیا، اہل عرب کو قریب سے دیکھا اور سمجھا، یہیں پر مقام ابواء ہے جہاں سیدہ آمنہ، سلام اللہ علیہا، کا مدفن ہے، رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر حضرت عمرو بن امیہ ضمری کا تعلق بھی اسی علاقے اور اسی قبیلہ سے تھا مگر اس کی شادی مکہ مکرمہ کے ایک معزز گھرانے میں ہوئی تھی، یہیں پر نجاشی اور عمرو بن امیہ کی لازوال دوستی قائم ہوئی، بعثت سے پہلے کے جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے واقف اور ان کے دوست تھے ان میں عمرو بن امیہ بھی تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چھ سال کی عمر میں اپنی والدہ ماجدہ کے ہمراہ اپنے والد حضرت عبداللہ کی قبر کی زیارت کے لئے یثرب گئے تھے، واپسی پر بلاد بنوضمرہ میں ابواء کے مقام پر حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا فوت ہوئیں اس لئے بعد میں یثرب آتے جاتے حتی کہ بعثت کے بعد بھی رسول اللہ کا یہاں اپنی والدہ ماجدہ کے مزار پر آنا جانا ثابت ہے، اور آپ یہاں اپنے دوست حضرت عمرو بن امیہ سے اور ان کے جگری یار غلام شہزادہ نجاشی سے ان کی ملاقات کا ہونا بھی ممکن اور معقول بات ہے، یہاں سے یہ راز بھی کھلتا ہے کہ ابھی مسلمان نہ ہونے کے باوجود بھی بار بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عمرو بن امیہ ہی کو اپنا سفیر بنا کر نجاشی کے پاس کیوں بھیجتے تھے!

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ جب مہاجرین حبشہ کی قیادت کے لئے گئے تو نجاشی کے نام ایک مکتوب نبوی بھی بھیجا گیا تھا، بعض اہل علم کا خیال ہے کہ یہ خط بھی حضرت عمرو بن امیہ ضمری ہی لیکر گئے تھے، نجاشی نے خط کو چوما، آنکھوں پر لگایا اور اس کا جواب بھی لکھوایا جس میں اطاعت کرتے ہوئے حاضر ہو کر آپ کے نعلین مبارک سر آنکھوں پر لگانے کی تمنا کے ساتھ یہ بھی لکھا تھا کہ میں آپ پر ایمان لا چکا، آپ کے چچازاد کے ہاتھ پر بھی بیعت کی ہے اور ان کے ساتھیوں کی بھی عزت افزائی کی ہے، میں نے اپنا بڑا بیٹا اریحا بھی آپ کی خدمت کے لئے بھیج دیا ہے، نجاشی نے نبی منتظر صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی تبلیغ کے ساتھ ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بیعت لینا بھی شروع کر رکھی تھی، ساٹھ حبشی مسلمانوں کا ایک وفد مکہ میں بھی آپ کی خدمت میں بھیجا تھا اور مدینہ منورہ میں بھی مسلسل حبشی وفود بھیجتا

رہا تھا یہ حبشی ایمان اور زیارت سے سرفراز ہو کر واپس ہوتے تھے (تو کیا یہ نیک روحیں صحابہ کرام میں شامل نہیں؟) نجاشی نے اپنا سارا خانوادہ اہل بیت اور نبی ﷺ کی خدمت کے لئے وقف کر دیا تھا، یکے بعد دیگرے تین بیٹے خدمت نبوی میں بھیجے پھر حبشہ سے روانہ ہونے والی آخری جماعت مہاجرین کے ساتھ بھی ایک حبشی وفد بھیجا تھا جس میں ذُوقرانامی نجاشی کا اپنا چچازاد بھی شامل تھا جو صرف خدمت نبوی کے لئے بھیجا گیا تھا، حضرت نجاشی نے پندرہ سال کے دوران اصحاب رسول اللہ ﷺ کی خدمت اور تحفظ میں سر دھڑ کی بازی لگادی تھی تاکہ حبشہ اسلام کے لئے دار الہجرت بن جائے مگر قدرت کا فیصلہ یہ تھا کہ اوس و خزرج کی کچھ سعادتمند روحیں بیعت عقبہ سے مشرف ہو کر ''انصار الاسلام'' بن جائیں اور یثرب مدینۃ النبی ﷺ میں تبدیل ہو جائے، غزوہ خندق اور خیبر کی فتوحات کے بعد حقیقت پسند حق شناس اور دور اندیش حکمران عادل نجاشی کو بھی یہ یقین ہو گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ﷺ جو بائبل کی رو سے نبی منتظر بھی ہیں، اب حبشہ نہیں تشریف لائیں گے اس لئے نجاشی نے قدرت کے فیصلہ کے سامنے بصد خوشی سر تسلیم خم کر دیا، بس صرف یہ التجا کر بھیجی تھی کہ اپنا تن من دھن حتیٰ کہ تاج و تخت بھی عشق مصطفیٰ ﷺ کی راہ میں قربان کر دینے والے اصحم نجاشی، رضی اللہ عنہ، کے حسن عاقبت اور مغفرت کے لئے دعا فرما دی جائے اور بس! (اور تو اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو دلہن بنانے والی نجاشی کی لونڈی ابرہہ بھی یہی التجا کرتی چلی گئی کہ میری بخشش اور حسن عاقبت کے لئے سرکار ﷺ سے دعا کی درخواست کیجئے گا! مگر یار لوگوں نے اسے بھی نجاشی کی تبلیغ اسلام کا اثر سمجھنے کے بجائے معمول کی بات ہی سمجھ لیا؟) اور تاریخ نے تو نجاشی کو سرے سے ہی فراموش کر دیا!!

سب نے تو فراموش کر دیا مگر لج پال مصطفیٰ ﷺ نے اپنے جگری یار کو آخری دم تک یاد رکھا، بمجمع صحابہ کرام کو گواہ بناتے ہوئے بلند آواز سے فرمایا کہ اے اللہ! نجاشی کی مغفرت فرمانا، جس طرح حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کی قربانی کو یاد رکھتے ہوئے مدینہ منورہ کی وادی عقیق میں ''مدنی دار ارقم'' بنانے کا حکم دیا گیا تھا اور اپنے عاشق صادق اویس کے لئے فاروق و مرتضیٰ

رضی اللہ عنہما کو وصیت فرما گئے تھے اسی طرح حبشی وفد کی خدمت میں بھی خود لگ گئے کہ یہ میرے یار نجاشی کے ساتھی ہیں جس نے میرے یاروں کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دیا ہے! جب ان کی وفات (غالباً شہادت کی موت؟!) کی خبر ملی تو غائبانہ نماز جنازہ پڑھائی اور اپنی اُمت کو حبشہ پر چڑھائی کرنے سے منع فرما گئے، چودہ پندرہ صدیاں بیت گئی ہیں مگر آج تک کسی مسلمان فاتح نے حبشہ پر چڑھائی نہیں کی! (ان باتوں کو کوئی مسلمان سمجھے یا نہ سمجھے مگر صیہونی یہودی خوب سمجھتے ہیں اور انہوں نے اپنے صلیبی شاگردوں کو بھی سمجھا دیا ہے کہ اس سے پہلے کہ "بلالی دنیا" کو یہ باتیں سمجھانے کے لئے اور اپنا تاریخی کردار ادا کرنے کے لئے مسلمانوں کو توفیق ہو "کالی دنیا" کو عیسائی بنالو)۔ چنانچہ پاپائے روم کی کھلی دعوت نے تمام عیسائی مشنریوں کو افریقہ پر توجہ مرکوز کرنے کے لئے تیار کر دیا ہے اور افریقہ میں سب سے بڑے اسلامی ملک نائجیر میں آج جو فساد مچا ہوا ہے وہ بھی اسی کا شاخسانہ ہے! صیہونیت اور صلیبیت براعظم یورپ کی طرح براعظم افریقہ کو بھی مکمل طور پر عیسائی براعظم بنانا چاہتے ہیں کیونکہ اگر کالی دنیا کو یہ پتہ چل گیا کہ وہ تو بلالی دنیا ہے اور یہ کہ صدیوں تک گوروں نے تو کالی دنیا کو غلاموں کی منڈی بنائے رکھا ہے اور اس کا اسلام کے حق میں کوئی ردعمل ظاہر ہو اور یہی افریقی بلال و نجاشی رضی اللہ عنہما کے پیروکار بنکر عشق مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار ہو جائیں! دنیا پر یہ بات نہ کھلنے پائے کہ اسلام تو دراصل قیام عدل سے دنیا میں قیام امن کا علمبردار ہے! دہشت گردی کا نہیں! یہ دہشت گردی تو یہود کا شیوہ اور سبق ہے جسے انہوں نے اسلام اور مسلمان کے سر تھوپ دیا ہے! حسن بن صباح شیخ الجبل کو بھی دہشت گردی کا سبق یہود نے دیا تھا! اسرائیل کے قیام کے لئے خود یہود نے یہی نسخہ استعمال کیا اور انکل سام کو بھی دہشت گردی پر سیموئل ہنٹنگ ٹن اور ہنری کسنجر نے ہی اکسایا ہے تا کہ فلسطین میں اسرائیل کے خنجر سے اور کشمیر میں برہمن کی برچھی سے کراہنے والے مظلوموں کی دنیا تک آواز پہنچنے سے پہلے ہی پوری اسلامی دنیا کو امریکی فوجی طاقت سے دہشت زدہ کر دیا جائے مگر:

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبا دیں گے!!

اور بقول مولانا ظفر علی خان:

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا!

حضرت اصحم بن ابجر نجاشی شاہ حبشہ، رضی اللہ عنہ، نہ صرف یہ کہ تاریخ کے پہلے مسلمان بادشاہ ہیں جنہوں نے تاج وتخت کا مالک ہوتے ہوئے اپنے اسلام کا اعلان فرمایا اور اپنے درباری پادریوں اور حبشی سرداروں کے سامنے اس بات کی تصدیق فرمائی کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی نبی منتظر ہیں جن کا ذکر پاک اور علامات تورات اور انجیل میں موجود ہیں، بلکہ وہ عاشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابی ہونے کا شرف بھی رکھتے ہیں، حضرت نجاشی کو من وجہ یا ایک لحاظ سے صحابی تو حافظ ابن حجر، حافظ ذہبی اور حافظ ابن کثیر رحمہم اللہ، بھی مانتے ہیں مگر میرے پاس جو شواہد و دلائل ہیں اور جن معروضی احوال سے میں آگاہ ہوں ان کی رو سے مجھے تو یقین ہے کہ وہ ہر لحاظ سے صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں بلکہ یار مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کا شرف بھی رکھتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی انہیں اپنا یار اور دوست فرمایا ہے اور ان کے ملک میں پناہ لینے کے لئے نہ صرف اپنے اصحاب کرام، رضی اللہ عنہم، کو ہجرت کر جانے کا حکم فرمایا تھا بلکہ آپ خود بھی حبشہ کو اپنا دار الہجرت بنانا پسند فرماتے تھے!

آپ نے دیکھ لیا کہ ہجرت حبشہ کو سیرت طیبہ میں کیا اہمیت حاصل ہے اور یہ بھی آپ جانتے ہیں کہ ہمارے سیرت نگاروں نے اسے خصوصی اہتمام سے نہیں دیکھا، یہ ایک ایسی کہانی ہے جس کے گہرے اور وسیع مطالعہ کی ضرورت تھی لیکن اس میں حضرت نجاشی شاہ حبشہ کی شخصیت، سیرت اور تاریخی کردار کی جو اہمیت ہے اس کا مطالعہ تو ادھورا ہی رہ گیا ہے اور ہماری اس متواضع کوشش کے باوجود بھی اس کے تمام پہلو اجاگر نہیں ہو سکے، آج کے عالمی تناظر میں اس کے ان تشنہ بلکہ فراموش شدہ پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی شدید ترین

ضرورت ہے کیونکہ اس کہانی کی روشنی میں، اسلام کے اولین اور ابتدائی دور میں مسلم۔ مسیحی تعلقات کی حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے اور سب سے بڑھ کر "بلالی دنیا" براعظم افریقہ کے مظلوم اور فراموش شدہ انسان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں جو مقام اور اہمیت حاصل ہے اسے تو اہل اسلام نے جانا بھی نہیں اور پہچانا بھی نہیں مگر افریقی انسان کو اس سے آگاہ کرنے کی کوشش تو بالکل ہی نہیں کی گئی، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ پاک اور قلب اطہر میں ہزاروں سال سے محروم حقوق اور پشتہا پشت سے ستائے ہوئے افریقی انسان کے لئے جو شفقت، رحمت، محبت، احترام اور قدرشناسی تھی اور جسے صرف نجاشی اور بلال، رضی اللہ عنہما، کے عہد کے افریقی انسان نے پہچانا تھا جو حبشہ سے مکہ مکرمہ اور پھر مدینہ منورہ میں وفود کی شکل میں خدمت نبوی میں آتے رہے تھے! اس کہانی کا دردناک پہلو یہ ہے کہ جو سفید مغرب کبھی بلالی دنیا کو غلام پیدا کرنے کے جنگلات تصور کرتا تھا وہی سفید صلیبی انسان آج براعظم افریقہ کو بھی یورپ کی طرح خالص عیسائی براعظم بنانے پر ادھار کھائے بیٹھا ہے اور اس کی حالت پر مگرمچھ کے آنسو بہا رہا ہے اور اسے انسانی برابری اور اسلامی برادری کے پیغام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے دور رکھنے کے زوردار مشنری جتن بھی کر رہا ہے اور عالمی صہیونیت بھی سفید صلیبی سامراج کی مدد کر رہی ہے تاکہ بلالی دنیا کو اس قائدانہ کردار سے محروم ہی رکھا جائے جو اسے اسلامی برابری اور برادری سے میسر آسکتا ہے! عالمی صہیونیت اور مغرب کے سفید صلیبی سامراجی جس طرح پندرہ صدیوں سے اسلام کے سیل رواں کو روکنے کے لئے جتن کر رہے ہیں اسی طرح اسلامی اخوت و مساوات کے علمبردار قائدانہ کردار کے لئے نکلنے والی اسلامی دنیا کا رستہ بھی روکنا چاہتے ہیں! اس تناظر میں یہ کتاب مسلمان کو اور خود افریقہ کو بھی۔ نجاشی اور بلال رضی اللہ عنہما کا اور ان کی بلالی حبشی دنیا کا کردار یاد دلانے کی ایک کوشش ہے!!

حوالے اور حواشی

تمہید

(۱) دیوان غالب ص ۲۷۳ بحاشیہ السیر ۳ ص ۱۴، ۲۱، اسی مفہوم کو ایک عرب شاعر نے یوں پیش کیا ہے:

ولا کنت للعبد المروّنی تابعاً فیالک دھر بالکرام عثور

(۲) الطبری ۲ / ۷۵، ابن الاثیر ۱ / ۲۲۷، ابن ہشام ۲ / ۲۵۲، الروض الانف ۲ / ۲۵۵، ابن سعد ۱ / ۲۵۹، الخضری ۱ / ۱۳۵ (ابوسفیان سے گفتگو کے بعد ہرقل کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ جس ہستی نے اہل فارس پر رومنوں کے ازسرنو غلبہ کی پیشین گوئی کی تھی وہ حرف بحرف سچی ثابت ہو چکی ہے اس لئے وہ بھی نجاشی کی طرح نبی منتظر صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کے لئے آمادہ ہو گیا تھا مگر پھر اپنے درباریوں اور پادریوں کے خوف سے دباؤ میں آ گیا اور ایمان سے محروم گیا!)

(۳) ایضاً

(۴) ایضاً

(۵) روح المعانی ۲۱ / ۱۶، المراغی ۲۱ / ۱۴، فی ظلال القرآن ۱۲ / ۱۵۔

(۶) ایضاً

(۷) الروض الانف ۱ / ۲۱۰۔۲۱۵۔

(۸) ایضاً الخضری ۱ / ۱۳۵۔۱۳۶، الطبری ۲ / ۷۵۔۷۸۔

(۹) الوثائق السیاسیہ ص ۹۹۔۱۰۲۔

(۱۰) ایضاً

نجاشی کا حبشہ تاریخ وجغرافیہ کے آئینے میں

(۱) ہمارے شاہ حبشہ کا نام عرب اہل علم نے اصحم بھی لکھا ہے، صُحمَہ اور اصحمہ بھی آیا ہے، نام کی پہلی شکل ایک تو عربی میں افعل التفضیل (اکبر، اصغر اور اسلم وغیرہ) کی طرح ہے، اسی وزن پر ان کے والد کا نام اکثر نے ابجر لکھا ہے بعض نے بُجر بھی دیا ہے، سب سے بڑھکر یہ کہ امام مسلم وغیرہ محدثین نے بھی اَصحم دیا ہے، کتب سیرت وتاریخ نے بھی اسے ہی پسند کیا ہے اس لئے ہم انہیں (حضرت اصحم بن ابجر رضی اللہ عنہ) ہی لکھیں گے۔

(۲) سیرۃ ابن ہشام ۱/ ۲۱۰۔۲۱۶، الروض الانف ۱/ ۲۱۱، البدایۃ والنہایۃ ۱/ ۷۱، سیر اعلام النبلاء ۱/ ۲۱۹، ۳/ ۱۸۹۔۱۹۶، ودلائل النبوۃ للبیہقی ۲/ ۲۸۵۔

(۳) تاج العروس، العباب الزاخر، الصحاح للجوہری (ح ب ش)۔

(۴) انسائیکلو پیڈیا آف اسلام (لائیڈن)، مادہ حبشہ۔

(۵) ایضا، بریٹانیکا، مادہ ایتھوپیا۔

(۶) ایضا

(۷) قرآن کریم، سورت البروج۔

(۸) ایضا سورت الفیل

(۹) البدایۃ والنہایۃ ۳/ ۷۱۔۹۰، ودلائل النبوۃ للبیہقی ۲/ ۲۸۵۔۳۰۶، سیر اعلام النبلاء ۱/ ۲۱۹۔۲۳۰، ۳/ ۱۸۹۔۱۹۶، المستدرک ۳/ ۲۲۲۔۲۳۲۔

(۱۰) ایضا تنویر الغبش ص ۲۳۔۳۴، رفع شان الحبشان ص ۳۳۔۴۳۔

(۱۱) ایضا، الروض الانف ۱/ ۲۱۰۔۲۱۶۔

(۱۲) ایضا، البدایہ ۳/ ۷۱۔۹۰، النبلاء ۱/ ۲۱۹۔۲۳۰، ۳/ ۱۸۹۔۱۹۶، الزرقانی ۲/ ۳۱، قرآن کریم سورت البروج۔

(۱۳) ایضا

(۱۴) ایضا

(۱۵) ابن سعد ۱/ ۲۹۵۔۳۰۹۔

(۱۶) الحبشۃ والاسلام ص ۲۵، غلامان اسلام ۱/ ۲۲۳، ابن ہشام ۱/ ۳۰۹،

(۱۷) ایضا قرآن کریم ۳۲/ ۱۵۔

(۱۸) ایضا

(۱۹) ایضا

(۲۰) سنن ابی داود، انسائیکلو پیڈیا آف اسلام مادہ حبشہ۔

(۲۱) پیغمبر عدل وامن ص ۱۳۔۴۴۔

(۲۲) آفاق الثقافۃ والتراث، دبی، اکتوبر ۲۰۱۱ء۔

(۲۳) ایضاً

(۲۴) P.K Hitti Page421 History of The Arabs.

(۲۵) الرجل الصنم ۲/ ۲۱۷۔

(۲۶) آفاق الثقافۃ والتراث دبی، اکتوبر ۲۰۱۱ء۔

(۲۷) ابن ہشام ۱/ ۲۱۴، الروض الانف ۱/ ۲۱۰۔۲۱۶، البدایہ ۳/ ۷۱۔۹۰، النبلاء ۱/ ۲۱۹۔

(۲۸) تنویر الغبش فی فضل السودان والحبش لابن الجوزی، رفع شان الحبشان للسیوطی۔

حضرت اصحم بن ابجر نجاشی شاہ حبشہ

(۱) جیسا کہ آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں نجاشی شاہ حبشہ کے والد کا نام ابجر تھا (مگر بجر بھی آیا ہے) مگر ان کا اپنا نام صحمۃ، اصحمۃ اور اصحم آیا ہے اس آخری تلفظ کو دو وجہ سے ترجیح دیتے ہیں، ایک تو امام مسلم اور دیگر فاضل علماء نے اس تلفظ کو ہی پسند کیا ہے، دوسرے عربی اور حبشی زبانوں میں جو اشتراکات پائے جاتے ہیں ان میں سے ایک افعل التفضیل کا وزن (مذکر) بھی ہے۔

(۲) لسان العرب اور تاج العروس (مادہ ح ب ش)۔

(۳) ابن ہشام ۱/ ۲۰۹، الروض الانف ۱/ ۲۱۰۔۲۱۶، البدایہ ۳/ ۷۱۔۹۰ نبلاء ۱/ ۹۶ ابن الاثیر ۲/ ۷۶۔۸۷، تاریخ الخمیس ۲/ ۳۰، الطبری ۲/ ۲۱۶۔

(۴) ایضاً، الوثائق السیاسیہ ص ۹۹۔۱۰۳۔

(۵) ایضاً

(۶) ایضاً

(۷) ایضاً

(۸) تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب: سیرت نبوی کا ایک فراموش شدہ گوشہ دار ارقم تاریخ کے آئینہ میں، الکامل فی التاریخ ۲/ ۷۶۔۹۶، الطبری ۲/ ۳۰۸۔

(۹) ابن سعد ۱/ ۲۰۳۔۲۰۷۔

(۱۰) دار ارقم ص ۱۳۔۲۵۔

(۱۱) الروض الانف ۱/ ۲۱۰۔۲۱۶، ۲/ ۲۵۲۔۲۵۳، البدایہ ۳/ ۷۱۔۹۱، دلائل للبیہقی ۲/ ۲۸۵۔۳۰۸، نبلاء ۱/ ۹۶، ۲۱۹، ابن ہشام ۱/ ۲۰۹، ۲/ ۳۵۲۔

(۱۲) ایضاً

(۱۳) قرآن کریم ۸۵/۷۔

(۱۴) ابن ہشام ۱/۲،۲۰۹/۲۵۲، الروض الانف ۱/۲،۲۱۰/۲۵۲، البدایہ ۳/۷۱-۹۱، نبلاء ۱/۲۱۹،۹۶۔

(۱۵) ایضاً

(۱۶) ایضاً

(۱۷) ایضاً

(۱۸) ایضاً

(۱۹) ایضاً

(۲۰) ابن سعد ۱/۲۰۷-۲۱۰۔

(۲۱) ابن ہشام ۱/۲،۲۰۹/۲۵۲، الروض ۱/۲۱۰/۲۵۲، نبلاء ۳/۹۶، البدایہ ۳/۷۱۔

(۲۲) ایضاً

(۲۳) ایضاً

(۲۴) ایضاً

(۲۵) ایضاً تنویر الغبش ص ۲۳-۳۳، رفع شان الحبشان ص ۲۵-۳۵۔

(۲۶) ایضاً

(۲۷) ایضاً

(۲۸) ایضاً

(۲۹) ایضاً

(۳۰) ایضاً

(۳۱) ایضاً

(۳۲) غلبۂ دین حق وانصاف کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک اہمیت کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جا سکتا ہے کہ "لیظھرہ علی الدین کلہ" کے الفاظ قرآن کریم کی سورت توبہ ۳۳' الفتح (۲۸) اور الصف (۹) میں تکرار سے آئے ہیں، جیسے جیسے انسان بیدار ہو کر حق شناس اور انصاف پسند بنتا جا رہا ہے اسی طرح دین حق وانصاف کو بھی غلبہ حاصل ہوتا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اس پر گواہ ہے کفی باللہ شھیدا۔

(۳۳) ابن ہشام ۲/۲۵۲، نبلاء ۳/۹۶، البدایہ ۳/۷۱-۹۰۔

(۳۴) ایضاً

(۳۵) الکامل للمبرد ۲/۱۵۰۔

(۳۶) الاغانی ۲۳/۱۱۵، الشعر والشعراء ص ۲۱۵۔

فرزند نجاشی حضرت ابونیزؓ عبداللہ

(۱) الوثائق السیاسیہ ص ۱۰۰، الروض الانف ۱/ ۲۱۰-۲۱۶ تنویر الغبش ص ۲۳، رفع شان الحبشان ص ۲۵، البدایہ والنہایہ ۳/ ۷۱، سیر اعلام النبلاء ۱/ ۹۶، الاصابہ نمبر ۱۰۶۳۷۔

(۲) ایضاً، از روئے قرآن کریم حضرت ابرہا کی یہ ہجرت یقیناً اللہ و رسول کے لئے ثابت ہوتی ہے اور منزل پر نہ پہنچ پانے کے باوجود وہ اجر کے مستحق ہیں، فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ (قرآن کریم ۴/ ۱۰۰)۔

(۳) ایضاً، الکامل للمبرد ۲/ ۱۵۰۔

(۴) معجم البلدان ۱/ ۱۱۵، بلاد الجزیرۃ ص ۴۵۷، فضائل المدینۃ المنورۃ ص ۱۱۷۔

(۵) الروض الانف ۱/ ۲۱۶۔

(۶) ایضاً۔

(۷) الاصابہ نمبر ۱۰۶۳۷، الکامل للمبرد ۲/ ۱۵۰-۱۵۱۔

(۸) ایضاً۔

(۹) یہ جاگیریں (عین ابی نیزر اور البغیبغہ) حضرت علیؓ نے فی سبیل اللہ وقف کر دی تھیں مگر اس شرط کے ساتھ کہ اگر حسن و حسینؓ کو ان کی سخت ضرورت پڑ جائے تو وہ انہیں اپنے تصرف میں لا سکتے ہیں۔

(۱۰) الاصابہ ۱/ ۱۷۵-۳۳۶، اسد الغابہ نمبر ۱۸۸ (۱/ ۳۹)۔

(۱۱) یہ دونوں کتابیں امت مسلمہ کے اسلاف اہل علم کی طرف سے حضرت بلال حبشیؓ اور ان کی تمام بلالی دنیا کے لئے ایک خراج تحسین اور افریقہ کے مستقبل کے لئے دعوت عام ہے، ابن الجوزی کی تنویر الغبش مصری سکالر مرزوق علی ابراہیم نے ڈاکٹر حکمت بشیر کے مقدمہ کے ساتھ قاہرہ سے شائع کی ہے اور امام سیوطی کی کتاب رفع شان الحبشان الازہر یونیورسٹی کے ڈاکٹر محمد عبدالوہاب فضل نے ۱۹۹۱ء میں قاہرہ سے شائع کی ہے۔

ہجرت حبشہ: تاریخ اور عبرتیں

(۱) کلیات اقبال فارسی ص ۱۱۳،

(۲) ایضاً ص ۶۳۲۔

(۳) ایضاً ص ۱۱۳۔

(۴) ۶۶-۶۳ "Muhammad at Mocca by Watt.page:

(۵) ابن سعد ۲۲۱، ابن ہشام ۱/ ۲۰۹۔

(۶) الوثائق السیاسیہ از ڈاکٹر حمید اللہ ص ۹۹-۱۰۱، البدایہ والنہایہ ۳/ ۷۱-۸۰، سیر اعلام النبلاء ۳/ ۱۸۹، شرح العلامۃ الزرقانی ۱/ ۵۰۳-۵۱۳، بیہقی ۲/ ۲۳۵،

(۷) حضرت بلال نے اپنی حبشی زبان میں کہا تھا (ارا، برا، کرکرا، کراکری من تندرا) جس کو حضرت حسان نے عربی میں ڈھالا تھا، یہ دونوں شعر میں نے دمشق کے قبرستان "باب صغیر" میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے مزار پر لکھے دیکھے تھے۔

(۸) ابن سعد ۱/۲۰۶۔

(۹) ص ۴۲۔۴۳ "Muhammad at mecca by Watt"

(۱۰) ابن ہشام ۱/۶۰۲۔۲۱۲۔

(۱۱) قرآن کریم (۲۹/۶۹)۔

(۱۲) ایضاً (۲۹/۶۹)۔

(۱۳) ایضاً (۳۹/۱۷۔۱۸)۔

(۱۴) کلیات اقبال فارسی ص ۳۶۷۔

(۱۵) تاریخ الخمیس ۱/۱۸۳، ۲/۲۱۵، پیغمبر عدل وامن ص ۱۱۶۔

(۱۶) ایضاً

(۱۷) ابن سعد ۱/۲۰۷، البدایہ والنھایہ ۳/۷۹۔۸۲، بیہقی ۲/۲۳۵، ابن ہشام ۱/۲۱۳۔

(۱۸) ایضاً

(۱۹) ایضاً

(۲۰) قرآن کریم (۲۹/۱۸۔۲۰) تفسیر روح المعانی ۲۰/۱۲۳، بیہقی ۲/۲۸۲۔

(۲۱) ایضاً

(۲۲) ۴۳۔۴۴ "Muhammad at mecca by Watt pag"

(۲۳) ابن سعد ۱/۲۰۶۔۲۱۰۔

(۲۴) قرآن کریم (۲۸/۵۲۔۵۵) تفسیر روح المعانی ۲۰/۱۲۳۔۱۲۷، الروض الانف ۱/۲۰۸ بیہقی ۲/۲۸۳، ابن ہشام ۱/۲۱۰۔

(۲۵) ایضاً، اگر کسی لفظ یا کلام کے دو معنی ہوں، ایک عام اور قریب الفہم جو فوری طور پر مخاطب کے ذہن میں آرہا ہو، اور دوسرا خاص اور بعید الفہم ہو جو بولنے والے کی مراد اور مقصود ہو، تو اسے توریہ کہتے ہیں، توریہ کے لفظی معنی چھپانا اور ڈھانپنا ہیں، جیسے غزوہ بدر کے موقع پر قریش کے ایک جاسوس سے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر نے اس کے قبیلے کا نام پوچھ لیا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قبیلہ کا نام بتایا کہ بھائی ہم تو "بنو ماء" (قطرہ پانی کی پیداوار) ہیں، جاسوس سوچتا رہ گیا کہ بنو ماء عرب کو کونسا قبیلہ ہے؟ یہاں پر نجاشی نے بھی یہ کہہ کر کہ "میرا عقیدہ تو یہی ہے" اور ہاتھ سے دل کی طرف اشارہ کیا مگر اس سے مراد وہ کاغذ لیا جسے اس نے اپنے دل پر قمیص کے نیچے چھپا رکھا تھا اور جس پر لکھا تھا کہ "اللہ کا کوئی بیٹا نہیں اور حضرت عیسیٰ اللہ کے بندے اور رسول ہیں"

حبشی سپاہی یہ سمجھے کہ وہ یہ فرمارہے ہیں کہ میرا بھی یہی تمہارے والا عقیدہ ہے، دراصل یہ مخاطب کو مغالطہ میں ڈالنا ہوتا ہے اور مشکل یا فساد سے بچنا مقصود ہوتا ہے، یہ جنگی مصلحت کے ماتحت جائز ہے!

(۲۶) قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت یا اعجاز القرآن ایک کھلا چیلنج تھا اور تا قیامت رہے گا ہر زمانے کے لوگ اس کے مقابلہ سے عاجز رہے اور رہیں گے مگر کوشش کرنے والے لگے رہے اور لگے رہیں گے مگر ناکامی سب کا مقدر رہے گا قریش کا نضر بن حارث بھی قرآن کی نقل اتارتا تھا اور مکہ کے غلاموں سے اپنی نقل بلند آواز سے پڑھواتا تھا، ان غلاموں میں امیہ بن خلف کا غلام بھی تھا جس نے اپنے آقا سے آزادی بطور انعام کے لئے اسے جعلی سورت الفیل سنا کر تھپڑ کھائے تھے کہ "الفیل ما الفیل وما ادراک ما الفیل لہ ذنب قصیر وخرطوم طویل "اس تک بندی کے معنی ہیں کہ "ہاتھی تو ہاتھی ہوتا ہے کیا تجھے پتہ ہے کہ وہ کیا ہوتا ہے، جس کی دم چھوٹی اور سونڈ لمبی ہوتی ہے!" سورت النجم کی آیات میں فٹ کرنے کے لئے نضر بن حارث جیسے کسی شیطانی مسخرے نے بتوں۔ لات، عزی، منات۔ کی شان میں تک بندی سے جو تین آیات گھڑی تھیں مگر یہ بھونڈی اور بھدی تک بندی عربی بلاغت سے گری ہوئی اور بالکل ناموزوں اور آیات ربانی میں (Misfit) ہیں، کہا گیا کہ "تلك الغرانيق العلى وشفاعتهن لترتجى" (یہ اونچے بگلے ہیں، ان کی شفاعت کی امید ہے) سورت النجم کی آیات ربانی میں تو لات و منات اور عزی کی مذمت کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ تم عرب خود تو بیٹی کی پیدائش پر منہ چھپاتے پھرتے ہو مگر اللہ کے لئے بتوں کی شکل میں بیٹیاں پسند کرتے ہو؟ یہ تمہاری کتنی غیر منصفانہ اور بھونڈی تقسیم ہے! بتوں کو سفارشی بگلے بنانے والی ساری کہانی من گھڑت یا وہ گوئی ہے، اور اس کا حبشہ کے مہاجرین کی مکہ واپسی سے کوئی تعلق نہیں، اللہ والوں کی واپسی کا سبب تو اور تھا اور وہ تھا دو شیر مردوں، حضرت حمزہ اور حضرت عمر کے قبول اسلام کے رعب میں آکر کافروں کے دب جانے اور وقتی طور پر نرم پڑ جانے سے!

(۲۷) ایضاً

(۲۸) ابن سعد ۱/ ۲۰۸، ابن ہشام ۲/ ۲۵۵۔

(۲۹) ایضاً

(۳۰) المستدرک ۲/ ۲۲۲، سیر اعلام النبلاء ۳/ ۲۸۳، ابن ہشام ۱/ ۲۶۰۔ ۲۶۳، بیہقی ۲/ ۲۷۹، البدایۃ والنھایۃ ۳/ ۱۷۔ ۸۸۔

(۳۱) ایضاً

(۳۲) ایضاً

(۳۳) ایضاً

(۳۴) ایضاً

(۳۵) البدایۃ والنھایۃ ۳/ ۷۱۔ ۸۲، الروض الانف ۱/ ۲۰۶۔ ۲۱۲، بیہقی ۲/ ۲۸۸۔

(۳۶) ایضاً

(۳۷) ایضاً
(۳۸) ایضاً
(۳۹) ایضاً
(۴۰) ایضاً
(۴۱) ایضاً
(۴۲) ایضاً
(۴۳) البدایہ والنھایہ ۳/۷۷۔۷۹۔
(۴۴) ایضاً، دلائل النبوۃ ابونعیم اصفہانی ص ۲۷۳، ابن ہشام ۲/۲۵۰۔
(۴۵) ایضاً
(۴۶) ایضاً تنویر الغبش ص ۶۶۔
(۴۷) ایضاً
(۴۸) ایضاً
(۴۹) ایضاً
(۵۰) ایضاً
(۵۱) سیر اعلام النبلاء ۳/۱۷۳۔۱۸۵، البدایہ والنھایہ ۳/۱۷۱۔۱۸۰۔
(۵۲) ایضاً
(۵۳) ابن ہشام ۲/۲۵۱۔۲۶۰، بیہقی ۲/۲۸۸، البدایہ والنھایہ ۳/۱۸۰۔
(۵۴) ایضاً

ہجرت حبشہ عربی ادب میں

(۱) کتاب الشعر والشعراء از ابن قتیبہ ص 23، کتاب العمدہ از ابن رشیق ص 16، یہاں پر ہمارا بنیادی مقصد اردو قارئین کو حبشہ میں غریب الوطنی کے دوران میں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تاریخی کردار کی طرف متوجہ کرنے کے ساتھ ساتھ عربی زبان کے طلبہ کے لئے دلچسپ اور مفید معلومات فراہم کرنا ہے۔
(۲) تفصیل کے لئے دیکھئے مقدمہ دیوان حسان بن ثابت مع شرح عبد الرحمن برقوقی نیز نہایۃ الارب للنویری 705/16، تفسیر روح المعانی 115/19۔
(۳) تفصیل کے لئے ادب الہجر از عیسیٰ الناعوری ملاحظہ فرمائیے۔
(۴) الفن ومذاھبہ فی الشعر العربی للدکتور شوقی ضیف ص 271، الادب الاندلسی از ڈاکٹر جودت الرکابی ص 16-25۔

(۵) تاریخ ادبیات مسلمانان 2/15-36، الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند از عبدالحی لکھنوی ص 23-37۔

(۶) ابن ہشام 1/137، ابن سعد 1/115، البدایہ والنہایہ 1/79-23۔

(۷) قرآن کریم (5/80-85، 28/52-55)۔

(۸) تنویر الغبش ص 133, ابن ہشام 1/206 تفسیر روح المعانی 20/174، الروض الانف 1/208۔

(۹) ایضاً۔

(۱۰) ایضاً۔

(۱۱) قرآن کریم((5/80-81۔

(۱۲) ایضاً (29/12-20,56/28-69)۔

(۱۳) ابن سعد 1/206، ابن ہشام 1/208، البدایہ والنہایہ 3/71، سیر اعلام النبلاء 1/97۔

(۱۴) مسند احمد 1412، نسائی 1315۔

(۱۵) ابن ہشام(1 /212)، سیر اعلام النبلاء 3/79۔

(۱۶) لباب الالباب للعوفی 2/415 کتاب الحیوان 5/317۔

(۱۷) ابن ہشام 1/206-214، دلائل النبوۃ از بیہقی 2/285، البدایہ والنہایہ 3/71، سیر اعلام النبلاء 1/97-99، المستدرک 3/222-225۔

(۱۸) ایضاً۔

(۱۹) ایضاً، لیکن ابن ہشام سیرۃ 2/212 کا قول یہ ہے کہ "شاعر ہجرت حبشہ" جو المبرق کے لقب سے مشہور ہوئے یہ ان لوگوں میں شامل ہیں جو حبشہ میں فوت ہوئے۔

(۲۰) ایضاً۔

(۲۱) ایضاً۔

(۲۲) ایضاً۔

(۲۳) الوثائق السیاسیۃ از ڈاکٹر حمید اللہ ص 99-108۔

(۲۴) ایضاً۔

(۲۵) ایضاً، البدایہ والنہایہ 3/71-85، تاریخ الطبری 3/133۔

عہد نبوی کے دو عشاق رسول: اویس ونجاشی

(۱) شرح نہج البلاغۃ ۲/۱۶۔

(۲) سیدہ آمنہ ص ۵۸۔

(۳) ابن ہشام ۲/۵۵، ۲ بلاء، ۳/۹۶ تنویر الغبش ص ۲۵-۳۴۔

(۴) سیدہ آمنہ ۵۸۔۶۸۔
(۵) ایضاً
(۶) البدایہ ۳/۷۱۔۹۱۔
(۷) الوثائق السیاسیہ ص ۹۹۔۱۰۹۔
(۸) سیدہ آمنہ ص ۱۷۵۔
(۹) ایضاً
(۱۰) ابن ہشام ۱/۲۰۸، الروض الانف ۲/۲۱۵، نبلاء ۱/۹۶، البدایہ ۳/۷۱۔
(۱۱) ایضاً
(۱۲) ایضاً
(۱۳) ایضاً
(۱۴) ایضاً
(۱۵) انسائیکلوپیڈیا آف اسلام لائیڈن مادہ حبشہ
(۱۶) دلائل البیہقی ۲/۲۲۲۔۲۳۳۔
(۱۷) البدایہ ۳/۷۱۔
(۱۸) الوعد الحق ص ۱۴۔
(۱۹) نبلاء ۱/۹۶، البدایہ ۳/۷۱۔
(۲۰) الاصابہ ۱/۲۷۷۔
(۲۱) ابن ہشام ۲/۲۵۲، البدایہ ۳/۷۱۔۹۰، نبلاء ۱/۹۶۔
(۲۲) ایضاً
(۲۳) قرآن کریم ۱۰۵۔۵۔
(۲۴) قرآن کریم ۳۹/۳۱۔
(۲۵) ابن ہشام ۲/۲۵۲، البدایہ ۳/۷۱، نبلاء ۱/۹۶۔
(۲۶) ایضاً، ابن سعد ۱/۲۰۷۔۲۱۲۔
(۲۷) قرآن کریم ۷/۱۵۸۔
(۲۸) ایضاً ۳/۸۱۔
(۲۹) الطبری ۲/۸۸، الکامل ۲/۳۰۳، ابن ہشام ۲/۳۲۳۔
(۳۰) نبلاء ۱/۹۶۔۱۱۰۔

حضرت نجاشی اور اسلام کی اشاعت وتقویت

(۱) سبلا ۱۰/ ۹۶، البدایہ ۳/ ۳،۲۵۵/ ۷۱_ ۹۰، الطبری ۲/ ۳۱۵، سبل الہدی ۳/ ۷۵، ۳، الخمیس ۲/ ۲۹_

(۲) الروض الانف ۱/ ۲۱۱_

(۳) ابن ہشام ۱/ ۲،۲۱۴/ ۷۵، ۲، الوفا ص ۷۳، ۲، الروض ۱/ ۲۱۰_ ۲۱۶_

(۴) قرآن کریم ۶۱/ ۶_

(۵) ابن ہشام ۲/ ۴۸_ ۵۰_

(۶) ایضاً/ ۱۵۶_ ۱۶۵_

(۷) سبلا ۱۰/ ۹۶_ ۱۱۰، البدایہ والنہایہ ۱/ ۸۱_ ۹۱، دلائل النبوۃ، البیہقی ۲/ ۲۸۵، المستدرک ۳/ ۲۲۲_

(۸) ایضاً

(۹) ایضاً

(۱۰) ایضاً

(۱۱) قرآن کریم ۲۳/ ۵۵،۲۵/ ۲۵، روح المعانی ۱۸/ ۲۱۵_

(۱۲) ایضاً

(۱۳) ابن ہشام ۱/ ۲۳۹_

(۱۴) ایضاً سبلا ۱۰/ ۹۶، البدایہ ۳/ ۷۱_ ۹۰، الزرقانی ۱/ ۵۰۲_

(۱۵) ایضاً

(۳۶) ایضاً

(۱۷) قرآن کریم ۲۸/ ۱۰۹،۵۵/ ۱_ ۵_

(۱۸) ایضاً، ابن ہشام ۱/ ۲۳۹،۲۰۹_

(۱۹) ایضاً

(۲۰) قرآن کریم ۵/ ۸۲_

(۲۱) ابن ہشام ۱/ ۱۰۹_ ۱۳۹_

(۲۲) ایضاً

(۲۳) قرآن کریم ۳/ ۶۴_

(۲۴) ایضاً ۳۰/ ۱،۴۱_

(۲۵) ایضاً

(۲۶) ایضاً، ابن ہشام ۱/ ۱۰۹_ ۱۳۹_

(۲۷) قرآن کریم ۳۰/۱۔ ۳، ابن ہشام ۱/۱۳۹۔

(۲۸) ایضاً

(۲۹) ایضاً

(۳۰) البدایہ ۳/۷۱۔ ۹۰، نبلاء ۱/۹۶۔

(۳۱) ایضاً

(۳۲) ایضاً تنویر الغبش ص ۲۵۔ ۳۳، رفع شان الحبشان ص ۲۳۔ ۳۲۔

(۳۳) نبلاء ۱/۳۵۸، البدایہ ۳/۷۱۔ ۹۰۔

(۳۴) ایضاً

(۳۵) ایضاً

(۳۶) ایضاً

(۳۷) ایضاً

(۳۸) ایضاً

(۳۹) نبلاء ۱/۹۶۔ ۹۹، البدایہ ۳/۷۱۔

(۴۰) ایضاً

(۴۱) الاصابہ ۱/۱۲۶۔

(۴۲) الروض الانف ۱/۲۱۱۔

دربارِ نجاشی میں سفیرِ نبوی عمرو بن امیہ الضمری

(۱) رسول اللہ ﷺ مختلف مواقع اور مناصب کے لئے لاجواب انتخاب فرماتے تھے، عمرو الضمری قبول اسلام سے پہلے آپ کے معتمد علیہ دوست تھے، نجاشی کے جگری یار تھے، بنو ہاشم کے داماد تھے، انتہائی ذہین اور موقع شناس تھے، حبشہ اور اہل حبشہ سے گہری اور وسیع واقفیت رکھتے تھے، اسی لئے انہیں نجاشی کے ہاں سفارتکاری کے لئے چنا گیا تھا!!

(۲) سیر اعلام النبلاء ۱/۲۷۳-۲۷۷، البدایہ والنہایہ ۴/۲۵۵۔

(۳) جمہرۃ انساب العرب ص ۱۳۶۔

(۴) سیر اعلام النبلاء ۱/۹۶-۱۰۳، البدایہ والنہایہ ۳/۷۱-۹۰، دلائل النبوۃ للبیہقی ۲/۲۸۵-۳۰۸، المستدرک ۳/۲۲۲-۲۳۲۔

(۵) ایضاً۔

(۶) ایضاً۔

(۷) ایضاً، الروض الانف ۱/۲۱۰-۲۱۹، ۲/۳۱۷۔

(۸) ایضاً۔

(۹) ایضاً، معجم البلدان ۲/۲۷۶۔

(۱۰) الاصابہ ۱/۹۷۔

(۱۱) ایضاً، البدایہ والنہایہ ۳/۷۱-۹۰، سیر اعلام النبلاء ۱/۹۶-۱۰۳، دلائل النبوۃ للبیہقی ۲/۲۸۵-۳۰۸، المستدرک ۳/۲۲۲-۲۳۲، الروض الانف ۱/۲۱۰-۲۱۹، ۳/۷۲۳۔

(۱۲) ایضاً۔

(۳) ایضاً۔

(۴) ایضاً۔

سفیر قریش عمرو بن عاص نجاشی کے حضور میں

(۱) جمہرۃ انساب العرب ص ۱۶۳-۱۶۴، الاستیعاب (نمبر ۱۹۳۱)، الاصابہ (نمبر ۵۸۹۷)، سیر اعلام النبلاء ۱/۷۷-۲۷۷، البدایہ والنہایہ ۳/۲۵۵، طبقات ابن سعد ۴/۲۵۴۔

(۲) کتاب الفرط علی الکامل للمبرد ص ۵۳۲۔

(۳) الاصابہ (نمبر ۵۸۹۷)، الاستیعاب (نمبر ۱۹۳۱)، طبقات ابن سعد ۴/۲۵۴۔

(۴) الاستیعاب (نمبر ۱۹۳۱)۔

(۵) الاصابہ (نمبر ۵۸۹۷)، البدایہ ۳/۲۵۵، الاستیعاب (نمبر ۱۹۳۱)۔

(۶) ایضاً

(۷) الاصابہ (۵۸۹۷)۔

(۸) الاستیعاب (نمبر ۱۹۳۱)۔

(۹) البدایہ والنہایہ ۳/۲۵۵، سیر اعلام النبلاء ۱/۱۷۵۔

(۱۰) ایضاً

(۱۱) الاستیعاب (نمبر ۱۹۳۱)، الاصابہ (نمبر ۵۸۹۷)۔

(۱۲) ایضاً

(۱۳) ایضاً، البدایہ والنہایہ ۳/۲۵۵-۲۶۱، سیر اعلام النبلاء ۱/۱۷۵-۱۷۷۔

۱۴) ایضاً۔

۱۵) الاصابہ ۳/۵۴۱